

عبدالرحمن

گلشن

مطهر محمد

Dog
Rase
Rau

Imdad
Services 28/1/24

عماد سیر

دارا الد

S-D

325-

495-

180

طک سیر

مکمل ناول 1000

دارا الد

منظہر کلیم ایم اے

منظہر کلیم ایم اے

منظہر کلیم ایم اے

4

چند باتیں

معزز قارئین !

سلام مسنون ! نیا ناول ڈاگ ریز "آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ڈاگ ریز اپنے نام کی طرح انتہائی منفرد پلاٹ پر مشتمل ایک ایسا ناول ہے جو یقیناً اردو جاسوسی ادب میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ دو عظیم ترین جاسوس یعنی احمد اعظم علی عمران اور ناقابل تسخیر کرنل سریدی ایک فارموسے کی خاطر اپنی تنظیموں سمیت پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں اور یہ کہانی ان دو عظیم جاسوسوں کے اس ٹکراؤ کی کہانی ہے جس کا تصور بھی رنگین کھڑے کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک سطر سپنس اور ایکشن کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں۔ عمران کی ریڈی میڈ کھوپڑی اور کرنل سریدی کی بے پناہ ذہانت نے اس ناول میں ایسے گل کھلاتے ہیں کہ قاری ہر سطر پر چونک پڑتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس جیسا شاہکار اردو جاسوسی ادب میں اس سے پہلے نہ کبھی لکھا گیا ہے اور نہ ہی شاید آئندہ کبھی لکھا جائے۔

علی عمران اور کرنل سریدی دونوں ایسے کردار ہیں جو اپنی اپنی جگہ پہاڑوں سے بھی زیادہ مٹھوس عظمتوں کے مالک ہیں اور قاری دونوں کرداروں سے یکساں محبت رکھتے ہیں مگر یہ تو ایک فطری اصول ہے کہ جب دو طاقتیں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو شکست قبول کرنی پڑتی ہے۔ ڈاگ ریز میں علی عمران اور کرنل سریدی کے ٹکراؤ کے بعد آخر کار کسے شکست قبول کرنی پڑے گی۔ علی عمران کو۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیدا ہی فتح حاصل کرنے کے لئے ہوا ہے۔ یا کرنل سریدی کو۔ جس کے مقابل آکر پہاڑ بھی راستہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ناول ان دونوں کی

زندگی کے سب سے خوفناک تجربے پر مشتمل ہے۔ ایک ایسے تجربے پر جس سے زیادہ
 بھیاںک اور اعصاب شکن تجربہ شاید ہی وقوع پذیر ہوا ہو۔
 اس ناول کو پڑھنے کے بعد آپ یقیناً یہ بات کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ٹواک ریئر
 اُردو جاسوسی ادب کا سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز ناول ہے۔ ایک ایسا ناول
 جو ناقابل فراموش ہے۔

تو لیجئے اس عظیم ناول کا مطالعہ شروع کیجئے۔ یقیناً اختتام تک پہنچتے پہنچتے
آپ بھی میرے ان وعدوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

وَالسَّلَامُ
منظہر کلمہ ایم اے

Sal
03022198335

سیلمان نے دروازہ کھولا تو وہ دو سفید ریش بزرگوں کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دونوں سیاہ شیروانی اور سفید لکھنوی پاجامے میں ملبوس تھے۔ سر پر تلل کی چوگوشی ٹوپیاں تھیں۔

فریاد کرتے ہوئے ان کی بزرگی کا خیال کرتے ہوئے بڑے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔

اما نور چشم طول عمرہ صاحبزادہ علی عمران تشریف رکھتے ہیں کیا؟ ان میں سے ایک نے غالباً لکھنوی انداز میں پوچھا۔

جی۔ صرف عمران صاحب تو اندر بیٹھے ہیں۔ مگر یہ صاحب جن کا آنا ملتا ہے نام آپ نے لیا ہے۔ یہ یہاں نہیں رہتے۔ سیلمان نے اپنی طرف سے پوری وضاحت کر دی۔

اما عجب احمق سے پالا پڑا ہے۔ ہم بھی تو صاحبزادہ علی عمران کو ہی پوچھ رہے ہیں۔ کوئی ناریسی تو نہیں بول رہے۔ وہی بزرگ جنہوں نے پہلا سوال کیا تھا جھنجھلا کر بولے۔

دروازے پر کون ہے سیلمان؟ اس سے پہلے کہ سیلمان کوئی جواب دیتا اندر سے عمران کی گرجدار آواز سنائی دی۔

آپ کے بزرگان دین ہیں۔۔۔۔۔ سلیمان نے گھبراہٹ میں فقرہ کہہ دیا۔

بزرگان دین۔۔۔ کیا بتا ہے۔۔۔ آنے دو۔ جو بھی ہیں۔۔۔ بزرگان دین ہیں یا خور دگان دین۔۔۔ آنے دو۔۔۔ عمران نے بانک لگائی۔

تشریف لائیے جناب۔۔۔ سلیمان مودبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ گیا اور پھر وہ دونوں بڑے تکلف سے چلتے ہوئے دروازے کے اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی ڈرائنگ روم تھا۔

دونوں بزرگ جیسے ہی اندر داخل ہوئے۔ عمران جو سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کئے اپنی مخصوص درہمش میں مصروف تھا۔ بوکھا کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے جسم پر صرف ایک نیکر ہی تھی۔

فت۔۔۔ نف۔۔۔ فریٹے۔۔۔ آپ کو کیا تکلیف ہے۔۔۔ اودہ معاف کیجئے گا۔۔۔ آپ نے کیسے تکلیف کی۔۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ دماغ میں خون زیادہ جمع ہو گیا ہے۔ اس لئے۔۔۔ بہر حال آپ تشریف رکھتے۔۔۔ عمران نے گھبراہٹ کی شاندار ادکاری کرتے ہوئے کہا۔ وہ بے بسی اور پریشانی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

سلیمان۔۔۔ ارے سلیمان۔۔۔ عمران کی آواز میں اتنی گھبراہٹ تھی کہ سلیمان بے اختیار بھاگتا چلا آیا۔

گگ۔۔۔ کیا بات ہے صاحب۔۔۔؟

ارے۔۔۔ یعنی تمہارے نزدیک کوئی بات ہی نہیں بھائی۔۔۔ بزرگان دین آتے ہیں ان کی خاطر مدارت کرو۔۔۔ شربت نہیں تو چائے تو پلوا ہی دو۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔۔۔ میں ذرا جامہ دری۔۔۔ اودہ۔۔۔ معاف کیجئے گا جامہ زیبی کر آؤں۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر غراب سے دوسرے کمرے میں غائب ہو گیا۔

دونوں بزرگ ہولتی بنے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

عجیب احمقوں سے پالا پڑا ہے۔۔۔ ان میں سے ایک نے منہ بناتے ہوئے دوسرے سے کہا۔

ہاں تو بزرگان۔۔۔ آپ لوگ کیا پیتے کئے۔۔۔ چائے۔۔۔ شربت۔۔۔ خوں جگر یا۔۔۔ آب حیات۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ سادہ پانی۔۔۔ سلیمان نے ان کا منہ کھکھکاتے ہوئے کہا۔

تمیز سیکھو بخوردار!۔۔۔ تمہیں کسی گدھے نے تمیز نہیں سکھائی۔۔۔ وہ بزرگ سلیمان پر الٹ پڑے۔

”پہلے تو کسی نے نہیں سکھائی۔۔۔ اب آپ سکھا دیجئے تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تمہیں کسی گدھے نے تمیز نہیں سکھائی۔۔۔“ سلیمان نے چوٹ کر دی۔

دونوں بزرگوں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے۔ عمران نیاہ شیروانی اور سفیداننگا پا جامہ پہنے، سر پر ترکی ٹوپی جائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بڑے مودبانہ انداز میں جھک کر سات تسیں بجالاتے ہوئے بزرگوں کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

جیتے رہو۔۔۔ جگ جگ جیتو۔۔۔ خدا عمر و راز کرے۔۔۔ دودھوں نہاد پوتوں چلو۔۔۔ دونوں بزرگوں نے دعائی قصیدہ طارٹ کرتے ہوئے کہا۔

بس بس۔۔۔ آج کے دن کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔۔۔ زیادہ پوچھ مجھ سے نہیں اٹھایا جاسکتا۔۔۔ کچھ ذرا دل کا کمزور واقع ہوا ہوں۔۔۔ عمران نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا اور سلیمان جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔ مسکرا دیا۔

سلیمان چائے لے آ۔۔۔ عمران نے بڑی سنجیدگی سے سلیمان کو حکم دیا اور سلیمان فوراً نو دو گیارہ ہو گیا۔

فرمانے حضرات! — میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں —؟ کیونکہ بزرگوں کی خدمت کرنا میں ثواب دارین سمجھتا ہوں — یعنی نیکی کر دیا میں ڈال — اور اگر وہ نزدیک نہ ہو تو فلش گٹر میں ڈال — اب دیکھیے نا — صرف ایک نیکی ڈالنے کے لئے کون بیس گین پٹرول پمپ تک کر دیا پر جاتے — آپ جانتے ہیں کہ آج کل مہنگائی کا زمانہ ہے۔ ایک گین پٹرول چرانے کے لئے دس پٹرول پمپ جہاں تکنے پڑتے ہیں اور عمران کی زبان ہو کافی دنوں سے کھجور ہی تھی۔ شلٹ ہو گئی۔

”چرانے کے لئے“ —؟ دونوں بزرگوں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

جی ہاں! — اب سوچئے۔ اگر پٹرول چرایا نہ جاتے تو گاڑی کیسے چلے —؟ اور اگر گاڑی نہ چلے تو کیرے صاحب وہ تو مشہور شاعر ہیں آپ جانتے ہی ہوں گے وہ جو ہر بات پر شعر کہہ دیتا ہے یعنی — چلتی کا نام گاڑی — اور دیکھ کبیرا دیا وغیرہ وغیرہ — میرا مطلب ہے؟

بس بس — میں آپ کا مطلب سمجھ گیا — اب آپ ذرا میرے سوالوں کا جواب دیجئے — ان میں سے ایک بزرگ نے اکتا کر ہاتھ کے اشارے سے عمران کو روک دیا۔

”ضرور ضرور — لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے فلمی اخبار کے نمائندے ہیں اور کیا اس انٹرویو کے بعد مجھے فلم میں چانس مل جائے گا یا نہیں“ — عمران نے پوچھا۔

”ہم کسی اخبار کے رپورٹر نہیں بلکہ تمہارے اشتہار کے جواب میں حاضر ہوئے ہیں“ ان میں سے ایک بزرگ نے جھنجھکتے ہوئے کہا۔

”میرا اشتہار“ —؟ اب حیران سونے کی باری عمران کی تھی۔

جی ہاں! — بزرگ نے کہا اور پھر جیب سے ایک اخبار نکال کر اسے پھیلایا

اور ایک اشتہار عمران کے سامنے کر دیا۔
عمران بڑے اشتیاق سے اشتہار پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ اشتہار پڑھتا جاتا اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلیں چلی گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔ اشتہار تھا

ضرورت رشتہ

ایک غیر تعلیم یافتہ ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ (آکسن) برودش روزگار نو جوان جس کی روزانہ آمدنی اگر ہو جائے تو دس لاکھ روپے اور اگر نہ ہو تو ایک سو بیس بھی نہیں۔ کورشتے کی فوری ضرورت ہے راک کی خوبصورت اور خوب ریت بالکل غیر تعلیم یافتہ ہو ذات پات، جہیز وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں، اندھی ہو، کافی ہو، ٹولی ہو، لنگڑی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، باورچی موجود ہے اس لئے خانہ داری بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔ کنواری ہو، بیوہ ہو یا مطلقہ سب چل جائے گی، بس ایک شرط ہے کہ راک کی ہو۔ تیسری صنف نہ ہو۔ فوراً ملتے۔

علی عمران، ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ (آکسن) فلیٹ نمبر ۳۳ کنگ روڈ۔

”ہوں! تو یہ بات ہے“ — عمران نے اشتہار پڑھ کر ایک طویل سانس لی۔

”نواں رشتہ کے سلسلے میں آپ تشریف لائے ہیں“ — عمران نے مچھٹی ہو کر
آنکھوں کو دوبارہ اپنی اصل حالت پر لے آتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں! — میں نے خیال میں پہلے تعارف ہو جائے تو بہتر ہے“ — ایک
بزرگ نے تجویز پیش کی اور پھر تعارف ہی شروع کر دیا۔

”مجھ حقیر فقیر ناچیز کو حکیم عاشق علی دشتاد لکھنوی المعروف حکیم کلن کہتے ہیں۔“
”اور مجھ خاکسار — غم گسار — دل نگار کو تمہارا لکھنوی المعروف پرنسے سیال
کہتے ہیں“ — دونوں بزرگوں نے اپنا اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

عمران جو بڑے مودبانہ انداز میں یہ دل پذیر تعارف سن رہا تھا۔ اپنی باری آتے
ہی بولا۔

”تو صاحبو! — اب دل تمام کر بیٹھ کر میری باری آئی — مجھ کو بے پیر — پُر تقصیر
بچپان کو علی عثمان المعروف بندہ نادان کہتے ہیں؟“
اتنے میں ایمان نے چائے کی ٹرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”اور یہ ہے میرا باورچی — اس کو صورت حرام — عاشق ناکام — بندہ بے لگام
سپاہی بے شمشیر سلیمان المعروف گنگیر کہتے ہیں“ — عمران نے سلیمان کا بھی مہذبانہ
تعارف کرا دیا۔

”صاحب! — آپ میرا غلط تعارف کیوں کر رہے ہیں“ — سلیمان کو اپنا
تعارف سن کر بے حد غصہ آیا۔

”تو اچھا تم اپنا تعارف خود کرا دو“ — عمران نے بے چارگی سے جواب دیتے
ہوئے کہا۔

”بس صاحب بس تعارف ہو چکا — اب آپ ہمارے چند سوالوں کا جواب دیں
تو بڑا شکر یہ دلاؤ گشس“ — ایک بزرگ نے ہاتھ اٹھا کر سلیمان کو چپ کرا دیا

جو اپنا تعارف کرانے کے لئے منہ کھول ہی رہا تھا۔

”اب میں کیا کر سکتا ہوں سلیمان! — تمہاری قسمت ہی خراب ہے“ — عمران
نے جڑی بے چارگی سے سلیمان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور سلیمان منہ
بناتے ہوئے واپس چلا گیا۔

”آپ کے قبلہ والد صاحب کیا مشغل کرتے ہیں“ — حکیم کلن نے پہلا سوال
کرتے ہوئے کہا۔

”جو مشغل ایک بوڑھا آدمی کر سکتا ہے — یعنی دوطہ نصیحت — جدید فیشن
کے خلاف تقریریں — اپنے آباؤ اجداد کے قعیدے — نئی نسل کی بے راہروی
کے مرثیے وغیرہ وغیرہ“ — عمران نے وضاحت سے جواب دیا۔

”یہ فلیٹ آپ کا اپنا ہے“ — پرنسے میاں نے سوال کیا۔
”یہی تو روزانہ ہے — میں ہمیشہ سو پر فیاض کو کہتا رہتا ہوں کہ یہ فلیٹ فی سبیل اللہ
میں سے نام کر دو۔ تمہیں ثواب دارین حاصل ہوگا۔ لیکن اس کم بخت کے کان پر جوکل
ہی نہیں رنگیتی“ — عمران نے فیاض کی شکایت کر دی۔

”آپ نوکری کرتے ہیں“ — حکیم کلن نے پوچھا۔
”اجی نوکری تو ہمارے آباؤ اجداد کرتے آتے ہوں گے — خدا انخواستہ میں کیوں
کروں — اپنا تو ایک پشت سے ہے پیشہ سپاہ گری“ — عمران نے جواب
دیتے ہوئے کہا۔

”آپ اکیلے رہتے ہیں“ —
”اجی کون کم بخت اکیلا رہتا ہے — یہ پیر تسمہ یا سلیمان عرف گنگیر میاں جو
میری جان سے چٹے ہوئے ہیں — یہ کوئی کم ہیں؟“
”دیکھتے بات یہ ہے کہ میری بیٹی باہ لقا بیگم بڑی قبول صورت — خوب سیرت —

خانہ داری میں ماہر ہے۔ اگر آپ اپنے بزرگوں سے ملا دیں تو میں یہ رشتہ منظور ہے
حکیم کلن نے کہا۔

”کیا آپ کی صاحبزادی سینا پرانا جانتی ہے؟“ — عمران نے سوال کیا۔
تیکر پر وہ یہ شعر لکھتی ہے؟

نہ سمجھو گے تو مسٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

”جی ہاں! — جی ہاں! — ابھی کل ہی اس نے یہ شعر ایک تیکے پر کاڑھا
اور بڑے خوبصورت ہیل بوتے بناتے ہیں صاحبزادی نے — ماشاء اللہ چیم بدو
حکیم کلن نے اپنی بیٹی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”اور میز پوشش پر کونسا شعر کاڑھتی ہیں؟“ — عمران نے ایک اور
سوال کر دیا۔

”ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چسپن میں دیدہ وریدا

حکیم کلن نے بڑے فخریہ انداز میں شعر سنایا۔ اور عمران نے ماہ لقا بیگم کے
ذوق سلیم میں جھومنا شروع کر دیا۔

”اچانک کمرے میں ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ عمران نے پک
کر سیلور اٹھایا۔

”ہیلو بے پیر۔“ — پرنقصیر۔ — بچہ ان علی عمران — بندہ نادان بول رہا ہوں۔
عمران نے بڑے مودبانہ انداز میں مقابل کو اپنا تعارف کرایا۔

”عمران! — فوراً میری کوٹھی میں پہنچو۔ — بہت اہم کام ہے۔ فوراً پہنچو
موسٹ امپارٹنٹ۔“ — سرسلطان کی پریشانی سے جبراً لوہ آواز آئی۔

”اجی سینے تو — عمران چینی۔ مگر دوسری طرف سے ریسپور رکھا جا چکا تھا۔
اور عمران نے بھی جھجھکا کر ریسپور رکھ دیا اور پھر زور سے چینا۔

”سیلمان — سیلمان“

دوسری آواز پر سی سلیمان کمرے میں داخل ہوا۔

”سنا لو اپنے بزرگان دین کو — میں تو چلا اور پھر آکر تجھ سے پوچھوں گا کہ تم نے
استہار کیوں دیا تھا۔“

”اجی سینے تو صاحبزادہ صاحب“ — حکیم کلن نے عمران کو مخاطب کرنا چاہا مگر
عمران برق جیسی تیز رفتاری سے کمرے سے نکل گیا۔

”عجیب بد تمیز نوجوان ہے۔“ — یعنی کوئی احترام و عزت ہی نہیں بزرگوں کی۔
حکیم کلن کا غصہ سے رنگ سرخ ہو گیا۔

”جی ہاں! — بالکل بد تمیز۔“ — ناہیار۔ — ناخلف۔ — شتر بے مہار ہیں صاحب!۔
سیلمان نے اپنے تعارف کا بدلہ چکایا۔

”چلو پرلے میاں چلیں۔“ — میں ایسے نوجوان سے اپنی ماہ لقا کی شادی کا تصور بھی
نہیں سکتا۔“ — حکیم کلن نے پرلے میاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”بجائے رایا آپ نے؟“ — پرلے میاں نے بڑے مودبانہ انداز میں جواب
دیا۔

”بندے کے متعلق کیا خیال ہے حضور! — اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کھلاؤنگا
آپ کی صاحبزادی کو۔“ — بس کچھ نہ پوچھیے انگلیاں پائنتی رہ جائیں گی۔ — بس

آپ ہاں فرمائیے۔ — باقی سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔“ — سیلمان نے اپنے آپ
کو امیدواری میں پیش کرتے ہوئے کہا۔

”تم چپ رہو۔“ — اب حکیم کلن اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ اپنی حور صفت بیٹی کو ایک

بیٹھو۔ فریدی نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
پاٹ لہجہ میں کہا۔

اور حمید کو نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً بیٹھنا پڑا۔

کہاں جا رہے ہو؟ فریدی نے قد سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

کیوں؟ کیا میسر آنے جلنے پر پابندی لگی ہوئی ہے؟ حمید
فریدی کے سوال پر چڑ گیا۔

میرا خیال تو ایسا ہی ہے۔ فریدی مسکرا دیا۔ وہ دل ہی دل میں حمید کی
بنی کیفیت سے محفوظ ہو رہا تھا۔

آپ کا خیال قطعاً غلط ہے۔ میں آزاد ملک کا ایک آزاد شہری ہوں۔
مرد و زن میرا بنیادی حق ہے اور مکی آئین کے مطابق مجھے اس بنیادی حق
کے استعمال سے کوئی نہیں روک سکتا۔ حمید نے ہاتھ پچاتے ہوئے پوری
فریاد کر دی۔

لیکن تمہارے جلد حقوق میرے پاس محفوظ ہیں۔ فریدی نے جواب دیا۔

کیوں؟ کیا میں آپ کا شوہر ہوں؟ حمید نے چوٹ کی۔

آپ۔ ابھی تک کسی راک کا نام نہیں رکھا گیا۔ اس لئے تمہارا یہ
قرعہ غلط ہے۔ فریدی نے جواب دیا۔

چلو آپ نہ سہی۔ آپا سہی۔ حمید نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔

اب اپنی آپا کا شوہر تو تم ہی بن سکتے ہو۔ میں اس بارے میں کیا کہہ
سکتا ہوں؟ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا اور حمید کے کٹ کر رہ گیا۔ وہ جلدی میں
لفظ بھی غلط کہہ گیا تھا۔

آپ بات بتائیے۔ مجھے کیوں بلایا تھا۔ باقی باتیں چھوڑیں۔ حمید

بادرپی سے بیاہ دے۔ حکیم کلن نے سلیمان کو بڑی طرح ڈانٹ دیا۔ اور پھر
دونوں بزرگ مرکز فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

’خس کم جہاں پاک‘۔ سلیمان نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

’آجاتے ہیں ماہ لقا کو لے کر۔‘ یہاں کئی ماہ لقا میں میری جوتیاں چاٹتی پھرتی

ہیں۔ ہونہہ۔ سلیمان بڑبڑایا اور پھر بادرچی خانے کی طرف چل دیا۔ لیکر

اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اشتہار تو موڈ میں آکر دے بیٹھا مگر اب عمران سے جان بچائے

تو کس طرح؟

بہر حال کوئی نہ کوئی ترکیب لڑانی ہی پڑے گی۔



’حمید بات سنو‘۔ کرنل فریدی نے حمید کو آواز دی جو شاک اسکن کا سوٹ

پہنے عطر میں بسا بڑے رومانٹک موڈ میں انگریزی دھن بجاتا برآمدہ پار کر رہا تھا۔ فریدی

کی آواز سن کر وہ ٹھٹھا۔ انگریزی دھن اس کے ہنٹوں میں دب کر رہ گئی۔ چہرے

پر ناگواری کی چند شکنیں پھیلیں۔ لیکن جلد ہی سمٹ گئیں۔ اس نے کندھے جھٹکے

اور پھر فریدی کی طرف مڑ گیا جو برآمدے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھا کسی ضخیم کتاب کے

مطالعہ میں مگمگ تھا۔

’فریادیں۔‘ اس نے نزدیک جا کر بڑے مودبانہ لہجہ میں پوچھا۔

نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" فریدی نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

"لکی ویو میں" حمید نے سیدھا سیدھا جواب دینے میں ہی عافیت

"کوئی خاص پروگرام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"صرف خاص ہی نہیں۔ بلکہ خاص الخاص" حمید نے خاص الخاص

زور دیتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں فریدی اسے کوئی اور کام

بتا دے۔

"تمہیں یہ پروگرام کنسل کرنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ وہی ہوا حسب

حمید کو ڈر تھا۔

"جی! کیا کہا آپ نے؟" حمید یوں اچھلا جیسے اسے کسی سانپ

کاٹ لیا ہو۔

"میں بات کو دوبارہ کہنے کا عادی نہیں ہوں۔" فریدی نے سرد لہجے

جواب دیا۔

"مگر یہ ظلم ہے۔ جبر ہے۔ قہر ہے۔ اور میں اس ظلم کے خلاف ف

کروں گا۔ چیمخوں گا۔ چلاؤں گا۔ گلا پیٹا پیٹا کر روؤں گا۔"

چمچا۔

"تم کچھ بھی نہیں کرو گے۔ بس تم میرے ساتھ چلو گے۔ میں کپڑے تبد

کر کے ابھی آتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر اٹھ کر اندر چلا گیا۔

حمید نے بے بسی سے سر کپڑا لیا۔ اب فریدی کے حکم کی خلاف ورزی کا تصور تو اس

کے فرشتے بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کانوں میں فریدی کے قدموں کی آواز آئی جو کپڑے تبدیل

کے واپس آ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔

"اے خدا! اے زمین و آسمان کے مالک! کیا اس فرعون جیسے تو نے کب فریدی

ہم سے رکھا ہے۔ کے لئے تو کوئی موٹے پیدا نہیں سکتا۔؟ تاکہ مجھے اس کے

سے نجات مل سکے اور میں بھی آزاد فضا میں سانس لے سکوں۔" حمید نے فریدی

سنانے کے لئے خدا سے فریاد کی۔

"چلو کار میں بیٹھو۔" تمہاری یہ فریاد قبول ہونے کا ابھی وقت نہیں

فریدی نے اسے کان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلتا ہوں بندہ نواز چلتا ہوں۔" آپ میرا کان تو چھوڑیے۔" حمید

نے معصوم لہجے میں کہا۔

فریدی نے اس کا کان چھوڑ دیا۔

"اف نہ! اے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا کان کسی پلاس کے شکنجے

میں لٹکیا ہو۔" حمید نے کان مسلتے ہوئے کہا اور پھر پورچ میں کھڑی کار کا دروازہ

کھول کر بیٹھ گیا۔

سیڑیگ پر فریدی تھا۔ کار آہستہ آہستہ رنگتی ہوئی کوٹھی سے باہر نکل گئی۔



عمران نے کار میں سلطان کے بیٹے کے پورچ میں روکی اور پھر اتر کر اندر کی طرف

بڑھ گیا۔

ڈرامنگ روم کا پردہ اٹھا کر عمران اندر داخل ہوا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ سلطان
پریشانی کے عالم میں اپنا سر کمرے بیٹھے تھے۔
"السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وکرامۃ اللہ" — عمران نے سلام کرنے میں کسی بج

کا نہیں لیا۔

وعلیکم السلام — آؤ بیٹو! — سلطان نے سراٹھاکر جواب دیا۔ ان
چہرے پر پریشانی منہ ہو کر رہ گئی تھی۔

کیا بات ہے — نصیب دشمنانِ دین کچھ طبیعتِ اساز معلوم ہوتی ہے —
عمران پر ابھی تک ٹکسنوں انداز کا اثر تھا۔

نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے مگر — سلطان نے رک رک کر کہا۔
"تو میرے نصیب دوستاں میں کچھ خرابی۔ رگنی ہوگی" — عمران نے اپنی
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سنجیدگی اختیار کرو عمران! — میں بہت سنت پریشان ہوں" —
نے قدستہ بیزار ہوتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے کہ سنجیدہ ہو کر میں بھی پریشانی کے مار میں غوطے لگا
کر دوں" — عمران کا لہجہ بدستور مضحکہ خیز تھا۔

"کیا تمہیں میسر ہے پریشانی کا کوئی احکام نہیں؟ — سلطان کے
میں بے پناہ شکوہ تھا۔

"آپ کے لئے تو میں آسمان سے تارے تو نہیں توڑ سکتا۔ البتہ زمین سے
سکتا ہوں — خون کی جگہ لیسینہ بہا سکتا ہوں — آپ کم نو د بجے پھر دیکھ

کیا کرتا ہے" — عمران نے جواب دیا۔

سلطان خاموش بیٹھے رہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور ان کی حالت دیکھ
ان کو مجبوراً سنجیدہ ہونا پڑا۔

کیا بات ہے — آپ کیوں اتنے پریشان ہیں؟ — عمران نے
سنجیدگی سے سوال کیا۔

سلطان نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ عمران کو سنجیدہ دیکھ کر ان کی
جی پریشانی غائب ہو گئی۔

ان بیٹے غضب ہو گیا ہے — تم جانتے ہو وہ پروفیسر ڈاکٹر ریمناڈ جو ہماری
دوست کے لئے ایک اہم تجربہ کر رہا تھا — سلطان نے تہیہ شروع کی۔

"ہاں — ہاں — اچھی طرح جانتا ہوں — وہ جرمن سائنسدان جس نے مشرقی
منی سے بھاگ کر — ملک میں پناہ لی تھی — تو کیا ہوا اُسے؟ — کیا

ہو گیا ہے؟ — عمران نے جواب دیا۔
"اگر رہ جاتا تو اتنا دکھ نہ ہوتا — وہ کم بخت اس نارموئے کو جس پر وہ تجربات کر

رہا تھا اور جس پر ہماری حکومت کا تقریباً دو کروڑ روپیہ خرچہ آچکا ہے لیکر بمباری
ملک فرار ہو گیا ہے" — سلطان نے بتلایا۔

"آپ کو کب اطلاع ملی ہے؟ — عمران اب قطعاً سنجیدہ تھا۔
"کل اطلاع ملی تھی — آج صبح صدر مملکت نے اس صورت حال پر میٹنگ طلب

کی۔ وہاں میں نے سب کو یقین دلادیا کہ ایسٹ اس نارموئے کو واپس لے
آئے گا۔ لیکن اب — سلطان بولے۔

"کون سے ملک گیا ہے؟ — عمران نے پوچھا۔
"ہمسایہ ملک ساگا لینڈ" — سلطان نے جواب دیا۔

"تو اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے — ساگا لینڈ ہمارا بہترین دوست

تو آسانی کر اس کر سکتی ہے ان کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی — لیکن کوئی ہے۔ وہ اسے یا فارمولے کو واپس کر دے گا — عمران نے سادہ سادہ جواب دیا کہ ہوتے کہا۔

”یہی تو پریشانی کی بات ہے — سفارتی طور پر ان سے مطالبہ کیا گیا تھا ہے — سر سلطان نے مختصر طور پر ڈاگ ریز کی خاصیت اور اہمیت ساگالینڈ کی حکومت نے پروردیہ سر یا فارمولے کو واپس دینے سے صاف انکار دیا۔

وہ اس پروردیہ کو پناہ دے چکے ہیں اور اس فارمولے کو انہوں نے ایک کروڑ روپے میں خرید لیا ہے۔

”کیا وہ فارمولا اتنا اہم ہے؟“ — عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

”ہاں — بہت ہی زیادہ اہم —“ سر سلطان نے بتلایا۔

”کیا میں اس فارمولے کی تفصیلات سے آگاہ ہو سکتا ہوں؟“ — عمران نے پوچھا۔

”کیا یہ ضروری ہے؟“ — سر سلطان نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

”بہت ضروری — میں اس کی صحیح اہمیت سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔“ — عمران نے بڑے پروڈر انداز میں جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے — میں مختصر طور پر بتلا دیتا ہوں — یہ ریز کا فارمولا ہے جسے سرکاری طور پر ڈاگ ریز کا نام دیا گیا ہے۔ پروردیہ ڈاگ ریز کا نام پروردیہ ڈاگ ریز نے ان ریز کو دریافت کیا ہے۔ ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہیں حسب منشاء کیڑا اور پھیلا یا جا سکتا ہے۔ یعنی جتنے رقبے پر آپ چاہیں اسے پھیلا یا جا سکتا ہے اور جب چاہیں ان شعاعوں کے اثرات ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اب ان شعاعوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جب رقبہ پر یہ شعاعیں پھیلا دی جائیں اس علاقے کو وہ شعاعیں چھتر کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان میں سے ہوا — سورج کی شعاعیں — بارش

تو ٹھیک ہے — میں مختصر طور پر بتلا دیتا ہوں — یہ ریز کا فارمولا ہے جسے سرکاری طور پر ڈاگ ریز کا نام دیا گیا ہے۔ پروردیہ ڈاگ ریز کا نام پروردیہ ڈاگ ریز نے ان ریز کو دریافت کیا ہے۔ ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہیں حسب منشاء کیڑا اور پھیلا یا جا سکتا ہے۔ یعنی جتنے رقبے پر آپ چاہیں اسے پھیلا یا جا سکتا ہے اور جب چاہیں ان شعاعوں کے اثرات ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اب ان شعاعوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جب رقبہ پر یہ شعاعیں پھیلا دی جائیں اس علاقے کو وہ شعاعیں چھتر کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان میں سے ہوا — سورج کی شعاعیں — بارش

تو ٹھیک ہے — میں مختصر طور پر بتلا دیتا ہوں — یہ ریز کا فارمولا ہے جسے سرکاری طور پر ڈاگ ریز کا نام دیا گیا ہے۔ پروردیہ ڈاگ ریز کا نام پروردیہ ڈاگ ریز نے ان ریز کو دریافت کیا ہے۔ ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہیں حسب منشاء کیڑا اور پھیلا یا جا سکتا ہے۔ یعنی جتنے رقبے پر آپ چاہیں اسے پھیلا یا جا سکتا ہے اور جب چاہیں ان شعاعوں کے اثرات ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اب ان شعاعوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جب رقبہ پر یہ شعاعیں پھیلا دی جائیں اس علاقے کو وہ شعاعیں چھتر کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان میں سے ہوا — سورج کی شعاعیں — بارش

تو ٹھیک ہے — میں مختصر طور پر بتلا دیتا ہوں — یہ ریز کا فارمولا ہے جسے سرکاری طور پر ڈاگ ریز کا نام دیا گیا ہے۔ پروردیہ ڈاگ ریز کا نام پروردیہ ڈاگ ریز نے ان ریز کو دریافت کیا ہے۔ ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہیں حسب منشاء کیڑا اور پھیلا یا جا سکتا ہے۔ یعنی جتنے رقبے پر آپ چاہیں اسے پھیلا یا جا سکتا ہے اور جب چاہیں ان شعاعوں کے اثرات ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اب ان شعاعوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جب رقبہ پر یہ شعاعیں پھیلا دی جائیں اس علاقے کو وہ شعاعیں چھتر کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان میں سے ہوا — سورج کی شعاعیں — بارش

کردار میں وہ نارمولا خرید لیا۔ سلطان نے بتلایا۔

”کیا وہ نارمولا پوری طرح مکمل ہو چکا تھا؟“ — عمران نے پوچھا۔

”یہ نہیں کہا جاسکتا۔ سرکاری طور پر جو رپورٹ پر دھیسرے کی تھی تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نارمولا ابھی نامکمل ہے۔“ — ویسے خدا بہتر جانتا ہے کہ ہو چکا ہے یا نہیں۔“ — سلطان نے جواب دیا۔

”ہوں۔“ — ٹھیک ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ نارمولا واپس اپنے لے آ سکوں۔“ — عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو میں بے فکر ہو جاؤں اور حد ملک کو رپورٹ دے دوں۔“ — نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”یاں۔ بیشک دیدیں۔ میں اپنی پوری کوشش کر ڈینگا۔“ — عمران نے دیا اور پھر سلطان سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر اس کی کامیابی پر سلطان کے ہنگامے سے باہر نکل آئی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کی بیشمار علامتیں آتی تھیں۔ معاملہ واقعی بے مداہم تھا اس لئے وہ آئندہ کسے لے لائن ایکشن سوچ رہا تھا۔



کار کا کافی تیزی سے بھاگ رہی تھی۔

”خیر یہ بیٹھے بیٹھا۔ آپ پر کیا جنون سوار ہوا کہ کار نکالی اور چل پڑے۔“

”میں نے جو کافی دیر سے خاموش تھا۔ مزید خاموش نہ رہ سکا۔“ — بس خاموشی سے دیکھتے باد۔ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔“ — فریدی نے اسے ڈانٹ دیا۔

”یعنی ایک تو میرے بہترین پروگرام کا استیفاء کر دیا۔ اب الٹا ڈانٹ بھی رہے ہیں۔“ — یعنی بھول مستحق

”یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید رقبان دہی خونچ بھی کرے۔“ — ہے دی نے ثواب الٹا

حمید نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اب عید رقبان بڑی دور ہے۔ اس لئے بے فکر ہو۔“ — ابھی سے نگرنگیا تو عید تک دہی ہو جاؤ گے۔“ — فریدی نے جواب دیا۔

”ہوں تو یہ پروگرام سے۔“ — حمید نے کہا۔ ”لیکن۔“ — مگر اب اس نے اپنا منہ بند کرنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ یہ کار فیہ خارجہ کی کوٹھی کے چھانک پر رک چکی تھی۔

کوٹھی کے چھانک پر موجود باوردی فوجی آگے بڑھ کر فریدی کے قریب آیا۔

”کارڈ سر۔“ — اس نے بڑے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔ اور فریدی نے خاموشی سے ایک کارڈ جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

فوجی نے ایک لمحہ کے لیے کارڈ دیکھا اور پھر ٹی پھرتی سے اسٹیشن ہو کر سیلوٹ مار دیا۔ پھر وہ چھانک کی چھوٹی کھڑکی کھول کر اندر چلا گیا۔ تقریباً ایک منٹ بعد چھانک کھل گئی اور وہی فوجی باہر آیا۔

”آپ اندر تشریف لے جاتے سر۔“ — اس نے بے مودبانہ لہجے میں کہا اور

فریدی کی کاررنگی ہوئی اس وسیع و غریب کو مٹی میں داخل ہو گئی۔ کو مٹی کے اندر پوری گارد حفاظتی خزانہ انجام دے رہی تھی۔ فریدی کی کار پورچ میں رک گئی۔

وہ دونوں کار کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے۔ کیپٹن حمید مائل کو دیکھ کر بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ پورچ میں ہی ایک باوردی کیپٹن موجود تھا۔ اس نے کرنل فریدی کو سیلوٹ کیا اور کہا۔

”سر۔ وزیر خارجہ آپ کا ڈرائیونگ روم میں انتظار فرما رہے ہیں۔ ادم تشریف لے آئے۔“ اس نے ایک کمرے کے کئے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید اس کمرے کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر پڑا ہوا ریشمی پردہ ہٹا کر دونوں اندر داخل ہوئے۔ سامنے ادھیڑ عمر وزیر خارجہ ایک غیر ملکی کیساتھ بیٹھ گفتگو میں مصروف تھے۔

کرنل فریدی اور حمید دونوں نے وزیر خارجہ کو سلام کیا۔

”آئیے کرنل تشریف لے آئے۔“ وزیر خارجہ نے اٹھ کر فریدی سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر حمید سے بھی ہاتھ ملادیا۔

”ان سے ملو کرنل!۔۔۔ یہ ہمارے نئے دوست پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ ہیں۔ مشہور سائنسدان۔“ وزیر خارجہ نے غیر ملکی کا تعارف کرایا۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید نے پروفیسر سے ہاتھ ملایا۔ چند رسمی جملے کہے اور پھر سب آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

”یہ شاید آپ کے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔“ وزیر خارجہ نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جی ہاں۔۔۔ کرنل فریدی نے مختصر جواب دیا۔

پروفیسر!۔۔۔ یہ ہمارے ملک کے مایہ ناز جاسوس کرنل فریدی اور یہ ان کے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔ وزیر خارجہ نے مکمل طور پر تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”ان کا شہر تو بڑی مدت سے سن رہا تھا۔ آج خوش قسمتی سے ملاقات بھی ہو گئی۔“ غیر ملکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

فرماتے جناب!۔۔۔ مجھے کیسے یاد فرمایا۔۔۔ کرنل فریدی نے رسمی جملوں سے انکار مطلب کی بات کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”مجھے پہلے چاہئے پی۔لو۔ پھر اطمینان سے بتلاؤں گا۔“ وزیر خارجہ نے ملازم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو چائے کی ٹرالی کھینچتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس نے چائے کی پیالیاں تیار کر کے سب کے سامنے رکھیں اور پھر بڑی خاموشی سے ٹرالی سے کربا ہر چلا گیا۔

ملازم کے جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ سب لوگ پائے پینے میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر چائے ختم ہونے پر وزیر خارجہ نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔

”ہاں تو کرنل!۔۔۔ وہ بات جس کے لئے آپ کو بلا یا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ مشرقی جرمنی کے رہنے والے ہیں۔ وہاں حکومت کے ذمہ دار

افراد سے ان کے اختلاف ہو گئے۔ چونکہ مشرقی جرمنی ایک کمیونسٹ ملک ہے اس لئے حکومت سے اختلافات کا مطلب تھا۔ موت۔۔۔ چنانچہ وہاں سے فرار

ہو کر ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان آ گئے اور وہاں انہوں نے پناہ لے لی۔ وہاں آ کر انہوں نے ایک فارمولے پر ریسرچ شروع کر دی۔ یہ فارمولہ شعلوں سے متعلق ہے

اور چونکہ وہ شعاعیں انہوں نے دریافت کی تھیں اس لئے ان کے نام پر ان شعاعوں کا نام ڈاکٹر رینالڈ رکھا گیا۔ یہ شعاعیں ایک اہم دفاعی ہتھیار ہیں۔ اور پھر وزیر خارجہ

نے مختصر ان شاعروں کی خاصیت بتائی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شاعر کئی بھی ملک کے لئے نعمت غیر مترقب ہر کتنی ہیں۔ وہاں وزارت و نافع کے چند اہم آفیسروں سے ان کے نظریاتی اختلافات ہو گئے۔ پھر انہوں نے اس فارمولے کا مواد منہ طلب کیا جو پاکیشیا کی حکومت نے دینے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ فارمولے سمیت وہاں سے سہرا ہو کر ہمارے پاس آ گئے۔ ہمارے ملک سے انہیں پناہ دے دی جاتی ہے اور فارمولے کا ایک کروڑ میں سودا بھی کر لیا ہے۔ فارمولا بنوڑ غیر مکمل ہے اس لئے انہیں مزید تجربات کے لئے پوری سہولتیں ہیں فراہم کی جاتیں گی۔

پاکیشیا نے ان کی اور فارمولے کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن یہ فارمولا ہمارے دفاع کے لئے اتنا اہم ہے کہ ہم نے ان کی واپسی کا مطالبہ ٹھکرا دیا ہے اور پھر ہم اس فارمولے کا سودا کر چکے ہیں اس لئے اس فارمولے پر ہمارا حق ہے۔ میں نے فارمولے پر مزید تجربات کے لئے کامائی کی پہاڑی کے نیچے بنی ہوئی تجربہ گاہ کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ ایک تو وہ ہر قسم کے جدید ساز و سامان سے لیس ہے اور دوسرا محفوظ ترین ہے۔ لیبارٹری کا پروفیسر صاحب معائنہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے میسر انتخاب کی داد دی ہے۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم نے برقی قیمت پر اس لیبارٹری اور پروفیسر صاحب کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ پاکیشیا فارمولے اور پروفیسر کو حاصل کرنے کے لئے اپنے جاسوس ضرور بھیجے گا۔ اس لئے تمہیں یہاں براہ راست کہ تم پروفیسر سے مل بھی لو اور فارمولے کی اہمیت کا بھی تمہیں اندازہ ہو جائے۔ وزیر خارجہ نے تفصیل سے تمام صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے۔ پروفیسر صاحب! آپ بے فکر ہو کر کام کریں۔ انشاء اللہ آپ

کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ کرنل فریدی نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے پروفیسر! آپ بے فکر رہیں۔ کرنل فریدی جو کہتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ وزیر خارجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے خوشی ہے۔ اب میں اطمینان سے فارمولا مکمل کر سکتا ہوں۔ پروفیسر ڈاک رینالڈ نے جواب دیا۔

اچھا مجھے اجازت دیجئے۔ میں نے انتظامات بھی کرنے ہیں۔ کرنل فریدی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

کیپٹن جمسید بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

چلو۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ پروفیسر! ایک منٹ کے لئے اجازت دیجئے۔ وزیر خارجہ نے پروفیسر سے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

ضرور ضرور۔ بڑی خوشی سے۔ پروفیسر نے خوش اخلاقی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

وزیر خارجہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا آئے۔ باہر آکر وہ فریدی سے مخاطب ہوئے۔

کرنل! لیبارٹری اور پروفیسر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپ کے ایسے انتظامات بھی کرنے ہیں کہ پروفیسر کسی اور ملک میں نہ ہٹا سکے۔ کیونکہ ایسے آدمی پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ وزیر خارجہ نے کہا۔

آپ بے فکر رہیں۔ یہ پہلو پہلے ہی میری نظر میں ہے۔ کرنل فریدی نے جواب دے لہجے میں کہا۔

اچھا۔ گلابائی۔ وزیر خارجہ نے کہا اور پھر واپس کمرے میں چلے گئے۔

رک گئی۔

”اندر لے چلو“ — عمران نے کہا۔ اور ٹیکسی کھلے ہوئے پھاٹک کے اندر رینگ گئی۔

پورچ میں پہنچ کر عمران نیچے اتر آیا۔ اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیا اور خود مڑ کر برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

ٹیکسی کی آواز سن کر ایک ملازم کو مٹی کے برآمدے میں آگیا۔
”فرمائیے جناب!“ — اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”فرماتے ہیں بھائی فرماتے ہیں — نہ تم کہیں بھاگے جا رہے ہو نہ میں — اطمینان سے فرماتیں گے — جلدی کا ہے کی ہے“ — عمران کی حسب عادت زبان چل پڑی۔

ملازم حیرت سے عمران کو دیکھنے لگا۔

”فریدی صاحب ہیں“ — عمران نے ملازم کو حیرت سے گنگ پکر سوال کیا۔
”جی ہاں“ — ملازم نے فوراً جواب دیا۔ وہ شاید عمران کو کوئی سنگی سمجھ رہا تھا۔

”انہیں اطلاع دو کہ علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (راکس) تشریف لارہے ہیں“ — عمران نے بڑی شان سے کہا۔

”آپ ڈرائیونگ روم میں تشریف رکھتے — میں ان کو اطلاع کرتا ہوں“ — ملازم شاید عمران کی بتائی ہوئی ڈگریوں کی لمبی لائن سے مرعوب ہو گیا تھا۔

”ڈرائیونگ روم میں — تو کیا فریدی صاحب اب آرٹسٹ بھی بن گئے ہیں جو ڈرائیونگ کے لئے علیحدہ کمرہ بنا لیا ہے“ — عمران نے حیرت سے آنکھیں میٹکا کر کہا۔

عمران نے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جہاز کے ساتھ لگی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ وہ میک آپ کے بغیر تھا۔ یہ ساکالینڈ کے دارالحکومت کا ایئرپورٹ تھا۔ کسٹم سے فارغ ہو کر عمران ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھا اور پھر ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔
”کنڈی کلب روڈ کو مٹی نمبلڈ“ — عمران نے پتہ بتلایا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی ایک جھٹکا کھا کر آگے بڑھ گئی۔ عمران بیک مرر پر کافی دیر سے نظریں جماتے ہوئے تھا۔ ایک موٹر سائیکل سوار ایئرپورٹ سے جی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ ایک مناسب فاصلے سے تعاقب کر رہا تھا۔ یہ عمران ہی تھا جس نے تعاقب کا احساس کر لیا۔ وہ نہ تعاقب جس محتاط انداز میں کیا جا رہا تھا اور کوئی شخص مشکل سے ہی باخبر ہو سکتا۔

”اوہ! — تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی کی بلیک فورس کافی ہوشیار واقع ہوئی ہے“ — عمران نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ کیونکہ اسے کُل یقین تھا کہ یہ موٹر سائیکل سوار بلیک فورس کا رکن ہوگا اور اسے اجنبی سمجھ کر اس کا تعاقب کر رہا ہوگا۔

بہر حال عمران خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کار کو مٹی کے پھاٹک پر جا کر

جی جی — میں اطلاع کرتا ہوں — ملازم نے گھبرا کر کہا اور پھر فوراً اندر چلا گیا۔

عمران خاموشی سے ڈرائیونگ روم میں چلا گیا۔ اس نے بریف کیس میز پر پٹکا اور خود صوفے پر بیٹھ کر ٹانگیں میز پر پھیلا دیں اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر خراٹے لینے شروع کر دیئے۔

ہیلو عمران صاحب! — کیا حال ہیں؟ — فریدی کی پروتار آواز عمران کے کانوں سے ٹکرائی لیکن عمران جان بوجھ کر سوتا بنا رہا۔
یہ ایسے نہیں اُسنے گا — میں پانی کی بالٹی لے آتا ہوں — کیپٹن حمید

نے کہا۔
ارے مٹھو مٹھو — کیوں تکلیف کرتے ہو — میں خود ہی اٹھ جاتا ہوں —
نرن نے تیزی سے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا اور پھر لوں آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے لگا جیسے وہ کسی انجان جگہ پر آگیا ہو۔ اور پھر فریدی کے متبسم چہرے پر اس کی نظریں ٹک گئیں۔

افادہ — بزرگوار فریدی صاحب! — آپ کب تشریف لے آئے؟ —
زب نسیب — وہ آئیں گے میں ہمارے خدا کی قدرت ہے — عمران نے تیزی سے اٹھ کر فریدی سے زبردستی مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ اور فریدی بے اختیار قبقبہ مار کر مہنس پڑا۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نظر آنے لگے۔

کیا عمران کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں — جو یہ اوٹ پٹانگ باتیں بھی کریں تو آپ قبقبہ لگانے شروع کر دیتے ہیں — کیپٹن حمید سے رہانہ جاسکا۔

انہو! — برادر دار حمید سلما طول عمرہ بھی آئے ہیں — ماشا اللہ — چشم بدور صحت پہلے سے کافی خراب ہے۔ — عمران نے بے ساختہ کہا۔ اور فریدی ایک بار پھر مہنس پڑا۔

اب عمران بڑی سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

کیا ہو گئے — گرم یا ٹھنڈا؟ — فریدی نے پوچھا۔

کچھ معتدل پلاویج — عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

چائے لے آؤ — فریدی نے ملازم سے کہا اور ملازم سر جھکا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

یہ بغیر اطلاع کے کیسے چلے آئے؟ — فریدی نے عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

بغیر اطلاع — اللہ رے تجاہل عارفانہ — کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی بلیک فورس سے واقف نہیں ہو سکتا؟ — عمران نے ہراسا نہ بنا سکتے ہوئے کہا۔

ادہ! — تو تم تعاقب سے باخبر ہو گئے — فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔
نہیں نہیں — تو بہ تو بہ — میری مہلایہ مجال — عمران نے بے اختیار اپنے گال پیٹنے شروع کر دیئے۔

تم میں اور مجھ میں اتنی کیا فرق ہے؟ — حمید ناگوار لہجے میں بولا۔
اسے عمران سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

جو مجھ میں اور تم میں ہے — عمران نے جواب دیا اور حمید کٹ کر رہ گیا۔
اتنے میں ملازم نے چائے لاکر تینوں کے سامنے رکھ دی۔

فریدی صاحب! — اب آپ یقیناً پوچھیں گے کہ میں نے یہاں آنے کی تکلیف

’ نہیں۔ اب مجھے اجازت دیجئے گڈ بائی‘ — عمران نے سپاٹ بلے میں کہا اور پھر بریف کیس لے کر کمرے سے باہر آگیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔

کوٹھی سے باہر آتے ہی اتفاقاً اس کی نظر ایک خالی ٹیکسی پر پڑی۔ اس نے ہاتھ دے کر ٹیکسی کو روکا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

’صدر بازار‘ — عمران نے پتہ بتلایا۔
ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔
ٹیکسی میں بیٹھا عمران گہری سوچوں میں غرق ہو گیا۔ مقابلہ واقعی بڑا زوردار تھا۔ زندگی میں پہلی بار عمران اور فریدی ایک دوسرے کے مقابل ہو رہے تھے۔ عمران نے بیک مرر میں دیکھا کہ شاید تعاقب ہو رہا ہو۔ لیکن فی الحال تعاقب کوئی نہیں تھا۔ صدر بازار کے چوک میں عمران اتر گیا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور خود سامنے ایک چھوٹے سے رستوران میں گھس گیا۔ پہلے چونکہ وہ متعدد بار اس ملک میں آیا تھا اس لئے اس کے چپے چپے کے متعلق علم تھا۔

اس رستوران کے دو دروازے تھے۔ عمران ایک دروازے سے گھسا اور پھر دوسرے دروازے سے باہر نکل آیا۔ سڑک پار کر کے وہ سامنے والی ایک بہت بڑی کمرشل بلڈنگ کی میٹریاں چڑھ گیا۔ دوسری منزل پر مختلف دفاتر تھے۔ وہ کارڈ پر پار کرتا ہوا کونے میں بنے ہوئے ٹرائلٹ میں گھس گیا۔ کارڈ ورسنسان پڑا تھا اور پھر اس نے حتی الوسع احتیاط کی تھی۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ ٹرائلٹ کا دروازہ بند کر کے اس نے بریف کیس کھولا اور پھر ٹرائلٹ میں لگے ہوئے آئینے کے سامنے میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ میک اپ کا ایمرجنسی سامان اس کے بریف کیس میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا چہرہ مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ اس نے

بریف کیس سے دوسرے رنگ کی قمیض نکال کر پہنی اور ڈبل سائیڈ کوٹ کھانک کر پہن لیا۔ بریف کیس میں موجود ضروری چیزیں نکال کر اس نے جیبوں میں ڈالیں اور بریف کیس اٹھا کر باہر نکل آیا۔

اب عمران کو دیکھ کر کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ وہ عمران ہے۔ وہ تیزی سے میٹریاں اترتا ہوا بلڈنگ سے نیچے اترتا اور اسی رستوران میں گھس گیا جس کے دروازے سے وہ باہر نکلا تھا۔ کونے میں موجود ایک خالی میز پر بیٹھ کر اس نے بریف کیس ایک سائیڈ میں رکھا اور ایک بیرے کو چلتے لانے کا آرڈر دے دیا۔ اور پھر جلد ہی آرڈر سپلائی کر دیا گیا۔

عمران بڑے اطمینان سے چائے پیتا رہا اور پھر اس نے ٹیبیل پر ہی بل ادا کیا اور بڑے اطمینان سے بغیر بریف کیس اٹھاتے چلتا ہوا رستوران سے باہر نکل آیا۔ بریف کیس سے وہ بڑی جلدی پہچانا جاسکتا تھا اس لئے اس نے بریف کیس سے پیچھا چھڑانا ہی مناسب سمجھا۔

عمران کافی دور تک پیدل ہی ہجوم کے درمیان چلتا رہا۔ پھر اس نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اسے گلڈین کالونی کا پتہ بتا دیا۔
گلڈین کالونی کی ایک چھوٹی سی کوٹھی سے تقریباً دوسو گز دور وہ ٹیکسی سے اتر گیا۔ اور پھر ٹیکسی کے جانے کے بعد وہ چاروں طرف بڑی محتاط نظروں میں دیکھتا ہوا کوٹھی کے پینٹنگ کی طرف بڑھا۔

پینٹنگ پر پہنچ کر اس نے کال پیل دبائی۔ چند لمحوں بعد پینٹنگ کی چھوٹی کھڑکی کھلی اور ایک شخص باہر نکلا۔

’فرمائیے‘ — اس نے بڑے مہذبانہ انداز میں پوچھا۔
’ایکسٹر‘ — عمران نے آہستہ سے کہا۔

”ادہ! — تشریف لائیے“ — آنے والا قدر سے زردس سا ہو گیا

عمران اس کے پیچھے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

”کیا میں آپ کے متعارف ہو سکتا ہوں“ — وہ شخص جو یقیناً کوٹھی کا مالک تھا۔ بولا۔

”نادر! — میں عمران ہوں“ — عمران اب اپنی اصل آواز میں بولا۔

”ادہ! — عمران صاحب — آپ کمال ہیں — اگر میں آپ کی آواز اور کوڑ نہ پہچانتا تو زندگی بھر یقین نہ کرتا“ — نادر کے چہرے پر خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ وہ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے — تمہارا چوکیدار کہاں ہے جو تم نے خود پھاٹک کھولا ہے“ — عمران نے سوال کیا۔

”وہ تین دن کی چھٹی پر گیا ہوا ہے“ — نادر نے جواب دیا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے — اچھا نادر! — ذرا غور سے سنو! اس بار تمہیں بیحد خطرناک کام سرانجام دینا پڑے گا۔ ہمارے ملک سے ایک سائنسدان پرونیسٹر ڈاک رمینا لڈ ایک اہم ذمہ داری کے ساتھ فرار ہو کر یہاں آ گیا ہے — یہاں کی حکومت نے اسے پناہ دے دی ہے — چنانچہ اس بار ہمارا مقابلہ براہ راست کرنل فریدی اور اس کی بیک فورس سے ہو گا“ — عمران نے اسے تفصیلات بتائیں۔

”ادہ! — یہ واقعی خطرناک ترین کام ہے — کرنل فریدی سے ٹکراؤ کا تصور بھی بھیانک ہے — بہر حال اگر حالات ایسے ہو گئے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں — کرنل فریدی تو کیا — نہ کی آن کے لئے اور مفاد کے لئے میں دنیا کی ہر قوت سے ٹکرا جاؤں گا“ — نادر نے جذبات میں آتے ہوئے کہا۔

”گڈ — مجھے تمہارے حالات سن کر خوشی ہوئی ہے — بہر حال میں جذبات

میں نہیں آنا چاہیے — ہر کام محنت سے دل سے کرنا چاہیے — عمران نے جواب دیا۔

”کیا آپ کرنل فریدی سے ملے ہیں“ — نادر نے سوال کیا۔

”ہاں — اس کی کوٹھی سے باہر نکلنے کے بعد اب ہم ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں — کرنل فریدی نے مجھے چیلنج کیا ہے اور میں اس چیلنج کا ہر قیمت پر جواب دوں گا“ — عمران نے جواب دیا۔

”کیا آپ یہیں رہ رہے“ — نادر نے پوچھا۔

”ہاں — اس کیس میں کی کانڈ ایکسٹرنل نے میرے ذمہ لگا دی ہے“ — عمران نے جواب دیا۔

”پھر تو یقیناً جیت ہماری ہے“ — نادر نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اس ملک میں ایکسٹرنل کا نام نہ تھا اور اس سے پہلے عمران کے ساتھ کسی کیسوں میں کام کر چکا تھا۔

”اچھا — اب آپ آرام کیجئے گا — میں کھانا تیار کرتا ہوں“ — نادر نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نادر باہر نکل گیا۔

ہر قیمت پر سروت محتاط رہنا پڑے گا۔ میں معمولی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ فریدی نے سخت لہجے میں حمید کو حکم دیا۔
 لیجئے ہو گیا بیڑ غرق۔ اب ڈاپتے پھر عمران کے پیچھے۔ حمید نے بیڑی سے کہا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ فریدی کوئی جواب دیتا۔ پاس پڑے ہوئے ٹیفون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔

فریدی نے تیزی سے رسیور اٹھالیا۔

’بارڈ اسٹون‘۔ فریدی نے کہا۔

’نمبر الیون سر۔ عمران کو ہم گم کر بیٹھے ہیں۔ وہ کو مٹی سے صدر بازار چلا گیا تھا وہاں سے اسے بائی لک ریٹورنٹ میں جاتے دیکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ گم ہو گیا وہ شاید اس کے دوسرے دروازے سے نکل گیا تھا۔ ریٹورنٹ کے ارد گرد اسے کوئی تلاش کیا گیا لیکن وہ نہیں ملا۔ البتہ بعد میں ریٹورنٹ کی ایک میز سے اس کا برف کیس مل گیا ہے۔ بہرے نے جو حلیہ بتایا ہے وہ بالکل ایک مختلف آدمی کا تھا۔‘۔ دوسری طرف سے نمبر الیون نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

’ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ عمران اس ریٹورنٹ سے باہر نہیں گیا۔‘ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

’لیکن سر۔ پہلے اس ریٹورنٹ کو اچھی طرح دیکھا گیا تھا۔ وہاں وہ نہیں تھا۔‘ نمبر الیون نے جواب دیا۔

’ہوں۔ تم وہ برف کیس مجھے بھیج دو اور تم بلیک فورس کے تمام ممبرز کو الرٹ کر دو۔ وہ اس حلیے یا اس سے ملے جلتے آدمی کو تلاش کریں۔ جہاں وہ ملے مجھے فوراً رپورٹ دی جائے۔‘ فریدی نے اسے حکم دیا۔

’اب کیا پروگرام ہے؟‘ عمران کے کو مٹی سے باہر جلتے ہی حمید نے فریدی سے کہا۔

’پروگرام کیا۔ عمران میرے آدمیوں کی نظر میں ہے۔ اکیلا عمران تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یقیناً وہ اپنے آدمی بلوائے گا۔ پھر ہی کوئی پروگرام بن سکتا ہے۔‘ فریدی نے جواب دیا۔

’جب عمران آپ کی نظروں میں ہے تو کیوں نہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔‘ معاملہ ہی ختم ہو جائے گا۔‘ حمید نے سادہ سی ترکیب بتلائی۔

’کہنے کو تو یہ آسان سی بات ہے لیکن تم سے زیادہ میں عمران کو جانتا ہوں۔ اس لئے یہ کام آسان نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھتے ہو۔‘ فریدی نے جواب دیا۔

’ہوں۔ اس میں مشکل کوئی بات ہے۔ اس کا آدمی کو تو ایک بچہ بھی گرفتار یا شوٹ کر سکتا ہے۔‘ اسحق کہیں کا۔‘ حمید نے اپنے دل کے پھمپھولے پھوڑے۔

’حمید۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عمران بظاہر کیا ہے اور دراصل کیا ہے۔ اس لئے پھر جیسی باتیں نہ کیا کرو۔ اور ہاں! ایک بات آج سے یاد رکھنا۔ اب ہمارا مقابلہ کسی مجرم سے نہیں ہے ایک شاطر ترین دماغ سے ہے اس لئے تمہیں

”بہتر سر۔۔۔ ویسے مجھے افسوس ہے۔“ فبرالیون نے کہا۔

”تمہیں افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ وہ عمران ہے کوئی عام آدمی نہیں۔“ فریدی نے جواب دیا اور پھر رسیور رکھ دیا۔
”کیا ہوا؟“ حمید نے پوچھا۔

”عمران تباقتب کرنے والوں کو جل دے کر غائب ہو گیا۔“ فریدی نے جواب دیا۔ اس کی پیشانی پر گہری سوچ کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔
”اوہ۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد فریدی حمید سے مخاطب ہوا۔

”حمید! تم میک آپ کو اور کارلے کر شہر کا گشت لگاؤ۔ تم عمران کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ اس لئے اگر وہ کسی بھی میک آپ میں ہوا تو تم اسے پہچان لو گے۔ اس کا نظروں میں رہنا سخت ضروری ہے۔“ فریدی نے حمید کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہ ہوٹل وغیرہ چیک کئے جائیں؟“ حمید نے ایک اور رات دیتے ہوئے کہا۔

”تم عمران کو احمق سمجھتے ہو کہ وہ ہوٹلوں میں قیام کرتا پھرے گا۔“ فریدی نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”تم جاؤ۔ اور جیسے ہی وہ نظر آئے۔ مجھے فوراً ٹرانسمیٹر پر رپورٹ دینا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا اور چہرہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر میک آپ کرنے کے لئے دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک خوبصورت نوجوان کے روپ میں باہر نکلا اور گیراج میں کھڑی ہوئی فوکس وگن کی طرف بڑھ گیا۔ آج چونکہ اس نے خود میک آپ کیا تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو خوبصورت بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ چند لمحوں بعد اس کی کار سنز کوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔



عمران نے ایک بوڑھے کے میک آپ میں ایئر پورٹ پر موجود تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ناوہ بھی میک آپ میں موجود تھا۔ وہ دونوں ہی وزٹنگ گیلری میں کھڑے تھے۔

عمران بڑے محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کرنل فریدی کی بلیک فورس کا ایئر پورٹ پر جال بچھا ہو گا۔

اس فلائٹ سے سفر۔ کیپٹن شکیل اور نعمانی آرہے تھے۔ عمران نے ٹرانسمیٹر پر ایک زیر کو تمام ہدایات دے دی تھیں۔ اب وہ خود ایئر پورٹ پر ان کی آمد کے بعد کے رد عمل کا جائزہ لینے کے لئے موجود تھا۔

جہاز کی آمد کا اعلان ہوا اور پھر چند لمحے بعد ایک دیو سیکل طیارہ رن وے پر اتر آیا۔

عمران خاموشی سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ طیارہ اپنی مخصوص جگہ پر رک گیا۔ اس کے

ساتھ بیڑھیاں لگا دی گئیں اور پھر طیارے میں موجود مسافر آہستہ آہستہ طیارے سے اترنے لگے۔

تیسرا مسافر کیپٹن شکیل تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص کے میک اپ میں تھا۔ میک اپ اچھا کیا گیا تھا لیکن عمران نے اسے فوراً پہچان لیا۔ پھر وہ تین مسافروں کے بعد صفدر اتر آیا۔ اس نے ہلکا سا میک اپ کیا ہوا تھا لیکن انہوں نے وہ بھی نہ پہچانا جاسکتا تھا۔ سب سے آخر میں باہر آنے والا نعمانی تھا جس نے غیر ملکی سیاح کا روپ دھارا ہوا تھا۔ وہ تینوں جہاز سے اتر کر کسٹم گیٹ کی طرف بڑھے۔

سب مسافروں کے اتر آنے کے بعد عمران بھی واپس مڑا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے مطلوبہ آدمی کے نہ آنے سے اسے مایوسی ہوئی ہو۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا وزٹنگ گیلری سے باہر آیا۔ اب وہ عین گیٹ سے باہر تھا۔ وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے سائیڈ میں پارک کی ہوئی ایک پُرانے ماڈل کی گاڑی کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ویسے وہ کنکشیوں سے دیکھ چکا کہ صفدر اور نادر دو پُرانے دوستوں کی طرح گلے مل رہے ہیں اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک کار کی طرف بڑھ گئے۔

عمران نے کار کو اسٹارٹ کیا لیکن کار گھر گھر کر کے رک جاتی۔ وہ اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ عمران کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ پھر اسے عین گیٹ سے جو باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ کیپٹن شکیل تھا۔

کیپٹن شکیل نے باہر نکل کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر متحکماً قلعے قدم اٹھاتا ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے استقبال میں کسی کو موجود نہ ہو۔ پھر وہ مایوس ہو گیا ہو۔

عمران کی کار ابھی تک اسٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔ پھر نعمانی عین گیٹ سے باہر آیا۔ وہ یوں چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس ملک کی سیاحت کر رہا ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد عمران کی کار کی طرف بڑھا۔

محترم۔ کیا بات ہے آپ کی کار اسٹارٹ نہیں ہو رہی — میں کچھ مدد کر سکتا ہوں — نعمانی نے بڑے مہذب لہجے میں پوچھا۔ معلوم نہیں۔ کیا مصیبت ہے۔ اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی — عمران کے لہجے میں جھجھلاہٹ تھی۔

نعمانی نے جھٹ سے کاندھے پر لدا ہوا بڑا بیگ ایک طرف رکھا اور پھر بیٹھ کر کار کا انجن دیکھنے لگا۔ اس نے پلگ کی تاروں کو اچھی طرح سے ہلایا۔ اب اسٹارٹ کیجئے — اس نے عمران سے کہا۔

عمران نے سلف لگایا تو کار فوراً اسٹارٹ ہو گئی۔ نعمانی نے کار کا بیڈ بند کیا۔ اب وہ اپنا بیگ اٹھا رہا تھا۔ تھینک یو مسٹر — عمران نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جیگرڈ — میرا نام جیگرڈ ہے اور میں اطالوی ہوں — نعمانی نے فوراً اپنا بیڈ بند کر دیا۔

تم نے کہاں جانا ہے — عمران نے پوچھا۔ کسی ہوٹل تک لفٹ دے دیجئے — نواز شش ہوگی — نعمانی نے پچیس پھاڑتے ہوئے کہا۔

بیڈ جاؤ — عمران نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اور نعمانی جھٹ سے قلعے اندر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اور کار آگے بڑھ گئی۔

ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکل کر عمران اصل آواز میں بول۔

نعمانی۔ تعاقب کا خیال رکھنا۔

میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔ نعمانی نے جواب دیا۔

تم نے ہدایات پر بڑی اچھی طرح عمل کیا ہے۔۔۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایکسٹو کے بڑے سخت آرڈرز ملتے اس بارے میں۔۔۔ نعمانی نے جواب دیا۔

ہوں۔۔۔ عمران نے ہنسا رہا۔

عمران تعاقب کے لئے بے حد چوکنا تھا۔ لیکن تعاقب میں کوئی بھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کا ڈرامہ خاصا کامیاب رہا ہے۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد عمران نے کار نادر کی کوسٹ کے کھلے میں موڑ دی۔ کار اس نے پورچ میں جا کر کھڑی کی۔ نعمانی اور عمران دونوں اندر چلے گئے۔ اندر نادر اور صفدر پیسے سے ہی موجود تھے۔

تمہاری کار کہاں ہے نادر۔۔۔؟ عمران نے نادر سے پوچھا۔

وہ ہوٹل شیراز کی پارکنگ شیڈ میں کھڑی ہے۔۔۔ نادر نے جواب دیا۔

گڈ۔۔۔ عمران نے کہا۔

تم باہر مٹھو۔ کیپٹن شکیل جی آنے والا ہوگا۔۔۔ اس پاس کا خیال رکھو۔ عمران نے نادر کو کہا۔

نادر کمرے سے باہر نکل گیا۔

آپ لوگ میک آپ صاف کر کے دوسرا میک آپ کر لیں تو بہتر ہے۔

نے سنجیدگی سے کہا۔ اور وہ دونوں امیڈ کر ٹوائٹ میں چلے گئے۔

چند لمحوں بعد کیپٹن شکیل بھی وہاں پہنچ گیا۔

کسی نے تعاقب تو نہیں کیا کیپٹن۔۔۔؟ عمران نے پوچھا۔

ایک نے کیا تھا۔ اسے جھٹک کر آ رہا ہوں۔۔۔ کیپٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مکمل یقین ہے کہ وہ ڈاج کھا گیا ہے۔۔۔؟ عمران نے پوچھا۔

جی ہاں۔۔۔ کیپٹن شکیل نے برا اعتبار لہجے میں جواب دیا۔

تو پھر جتنی جلدی ہو سکے۔ اپنا یہ میک آپ اتار کر دوسرا میک آپ کر لو۔ بلکہ

فی الحال تمہیں میک آپ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کرنل فریدی نے تمہیں ابھی تک نہیں

دیکھا سوا۔ اس لئے ایسے ہی چلے گا۔۔۔ عمران نے کہا۔ اور کیپٹن شکیل بھی

سر ہلاتے ہوئے ٹوائٹ میں گھس گیا۔

مقصدی دیر میں وہ سب ہال میں اکٹھے ہو گئے۔ صفدر اور نعمانی کی شکلیں بدلی

ہوئی تھیں۔ نئے لباس انہیں مہیا کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ لباس بھی بدلے

دے دیئے تھے۔

نادر!۔۔۔ تم ذرا آس پاس کا خیال رکھو۔۔۔ میں ذرا ان سے چند باتیں کر لوں۔۔۔

نادر نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہاں تو دوستو!۔۔۔ پہلے درویش کا قتلہ سنو۔۔۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ہمارے ملک

ایک سائنسدان پروفیسر ڈاک رینالڈ بعد ایک اہم فارمولے کے وہاں سے فرار ہو کر یہاں

ہیست۔ ہم نے وہ فارمولا اور پروفیسر کو واپس لے جانا ہے۔ لیکن یہاں ایک قریب رویہ

ہے پالا پڑا ہے جسے کرنل فریدی کہتے ہیں۔۔۔ کرنل فریدی سے آپ لوگ اچھی طرح

تلف میں اس لئے مجھے اس کے متعلق تفصیلات بتانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں

تھی کہ مقابلہ انتہائی زوردار ہے اور خطرناک ہے۔ آج سے آپ لوگ اپنی زندگی

بچانے کی کوشش کریں۔

نادر نے کہا۔

نادر نے کہا۔

کے اہم ترین کیس میں کام کریں گے اس لئے سب سے پہلے یہ بات ہیں آپ کو کہ آپ لوگوں نے اپنے سامنے سے بھی محتاط رہنا ہے۔ کرنل فریدی کی بیک ڈور پر پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اس لئے آپ اپنے سوا اور کسی پر چاہے وہ کسی یا کسی قسم کا ہو۔ قطعی اعتبار نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ لوگ اب یہاں چلے جائیں گے۔ میں آپ کو ٹرانسپیرسٹیٹ واپز دے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا ہے۔ یہ آپ لوگوں نے خود انتخاب کرنا ہے۔ سوائے میسج اور کسی لوگوں کی رہائش کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو بھی نہیں۔ ٹرانسپیرسٹیٹ وقتاً فوقتاً آپ کو آرڈر دیتا رہوں گا۔ آپ اس کے مطابق کام کریں گے۔ کس میں معمولی سی کوتاہی۔ لا پرواہی۔ یا سستی کا انجام فوری موت ہو گا۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ کیس ہم سب کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ عمران نے پوزی تقریر باڑ دی۔

”آپ بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ ہم یہ کیس بھی جیت لیں گے۔“ کیپٹن نے کہا۔

”ویسے اس کیس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ میں عمران صاحب بے حد سنجیدہ ہیں۔“ معذرتوں سے کہا۔

پھر عمران نے ان تینوں کو ٹرانسپیرسٹیٹ واپز دے دیں۔ فریکوئنسی بتا دی اور پھر انہیں باری باری جانے کا کہہ دیا۔ اور وہ تینوں سامنے والے دروازے جانے کی بجائے پچھلے دروازے سے کو مٹھتی تباہی نکل گئے۔

سید احمد
سید احمد

حمید کافی دیر سے کار میں بیٹھا سڑکوں کا گشت لگا رہا تھا لیکن کوئی بھی ایسی حرکت اب تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی جس پر وہ عمران کا شبہ کرتا۔ اب وہ اس فنسول قسم کی مٹ گشت سے بیزار ہو گیا تھا۔ اس نے کار ایک ریسٹورنٹ کے باہر کی اور چائے پینے کے لئے اندر داخل ہو گیا۔

ایک نالی میز پر بیٹھ کر اس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور پھر فوراً سر پر سلاطین ہو جانے والے بیرے کو چائے لانے کا آرڈر دے دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ عمران کہاں سے ڈھونڈے۔ عمران تو یوں غائب ہو گیا تھا جیسے گدھے کے سر سے ٹنگ۔ وہ اپنی سوچوں میں غرق تھا کہ بیرے نے چائے لا کر سامنے رکھ دی۔ اس نے چائے کی پیالی بنائی اور پھر آہستہ آہستہ چسکیاں لے کر اسے پینے لگا۔

ابھی اس نے ادھی پیالی پی پی تھی کہ ایک بوڑھا شخص ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے ہال میں مٹھ کر ننھی ننھی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور کوئی یز خالی نہ پا کر وہ قدرے مایوس سا ہو گیا۔ پھر اس کی نظر حمید کی میز پر پڑی۔ اس کی تین کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا حمید کی میز کے قریب آیا۔

”بیٹے! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“ بوڑھے نے بڑی پُر امید نظروں

مے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹے! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ اس نے پھر کہا۔

”جی ہاں۔ جی ہاں۔ ضرور تشریف رکھیے“ حمید نے اس کی بزرگ

خیال رکھتے ہوئے کہا۔

بوڑھا شخص کسی گھسیٹ کر اس پر یوں بیٹھ گیا جیسے میلوں کی مسافت کے بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔

”آپ کیا پیسے گے محترم؟“ حمید نے ازراہ اخلاق پوچھا۔

”مجھے تہوڑی بھرتی ہے۔ میں نے خیال میں چائے ٹھیک رہے گی۔“

تہوڑی نے بھرتی کو ایک فضول چیز سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

”مجھے ساجد کہتے ہیں“ حمید نے بھی جواباً اپنا تعارف کرایا اور پھر

کو چائے کا حکم دیا۔

چلتے آئے ایک خاموشی رہی۔ اور پھر چائے آنے پر حمید نے ایک پیالی چائے بنائی اور تہوڑی کے سامنے رکھ دی۔

”شکریہ! تہوڑی نے چائے اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

”تمہیں شاید کسی کی تلاش ہے؟“ تہوڑی نے چائے کی چسکی لے کر بفر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور حمید یہ سن کر چونک اٹھا کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے کسی کی تلاش اس کی آنکھوں سے شبہ و حیرت جھلکنے لگا۔

”حیران مت ہو بیٹے! مجھے قدرت نے ایک خاص حس بخشی ہے

کے تحت میں لوگوں کا ذہن پڑھ لیتا ہوں“ تہوڑی نے بڑے پراسرار میں کہا اور حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ بوڑھا اسے یکدم پراسرار اور حیرت انگیز

کات

”کیا اب کوپتہ سے کہ مجھے کس کی تلاش ہے؟“ حمید نے سوال کیا۔

”ہاں! تمہیں کسی علم۔ ان نامی شخص کی تلاش ہے۔“ اور تمہارا نام صرف

ساجد ہی نہیں۔ ساجد حمید ہے اور تم مشہور زمانہ سرائی سال کرل سرمدی کے

اسٹنٹ ہو۔“ بوڑھے نے انکشاف کرنا شروع کر دیا اور حمید کو یوں محسوس ہوا

جیسے وہ دریا کی حیرت میں غوطے کھا رہا ہو۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی۔

کہیں تو اس کو شک گزرا کہ یہ بوڑھا فراڈ ہے اور کہیں حیرت انگیز۔

”تم مجھ پر شک مت کرو۔ میں نے جو کچھ بتلایا ہے۔“ صحیح بتلایا ہے۔“

بوڑھے نے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ وہ شخص عمران اس وقت کہاں ہے؟“ حمید نے

سوال کیا۔

”یہاں بیٹھ کر تو نہیں بتلا سکتا۔“ ہاں! البتہ اگر تم میرے ساتھ بیٹھ کر مختلف

سڑکوں پر گھومو تو یقیناً بتلا دوں گا۔ وہ جس سڑک پر موجود ہو گا۔“ مجھے پتہ چل

باتے گا۔“ بوڑھے نے کہا۔

ایک لمحے کے لئے حمید کے ذہن میں اس شک نے سرائی کیا کہ کہیں اس کے

خوف یا کوئی گہری سازش نہ ہو۔؟ لیکن پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ

بوڑھا اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

”ٹھیک ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔“ اگر اس شخص کا پتہ چل گیا تو میں

آپ کو محنت کا معقول معاوضہ دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ بوڑھے نے اس بات پر سر ہلادیا اور پھر چائے پی کر وہ

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کا بل حمید نے ادا کیا اور دونوں ریسٹورنٹ سے نکل

کرکار میں آ بیٹھے۔

اب کدھر چلوں؟ — حمید نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

کسی طرف بھی نکل چلو۔ — بوڑھے تہور ٹلی۔ نے جواب دیا۔

اور حمید کی کار ایک سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی۔ مختلف سڑکوں پر گزرنے کے بعد جب وہ ایک قدر سے سسٹان سی سڑک پر آئے تو بوڑھا بول اٹھا۔

”وہ شخص اسی سڑک پر کہیں موجود ہے۔“

اب اس کا کیسے پتہ چلے گا؟ — حمید نے سوال کیا۔

”تم چلے چلو۔ — جب وہ قریب آیا تو میں بتا دوں گا۔“ بوڑھے نے جواب دیا اور حمید نے عجیب سی نظروں سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے کار کی رفتار قدر آہستہ کر دی۔

کافی دور نکل آنے کے بعد سڑک کے کنارے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھی کے قریب بوڑھے نے کار روکوا دی۔

”حمید صاحب! — وہ شخص اس کوٹھی میں موجود ہے۔“ بوڑھے نے انکشاف کیا۔

”لیکن اس کا ثبوت؟ —“ حمید نے سوال کیا۔

”ثبوت حاصل کرنا تمہارا کام ہے۔ — جہاں تک میسجرام میں آیا ہے میں بتا دیا۔“ بوڑھے نے قدرے بے نیازی سے کہا۔

حمید نے کار ایک سائیڈ پر روکی اور پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ دیکھ وہ گرد و پیش سے پوری طرح سے چوکنا تھا۔ اور پھر بوڑھا بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

یہ جگہ آبادی سے کافی ہٹ کر تھی اس لئے یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

حمید بوڑھے کو ساتھ لئے دبے قدموں سے کوٹھی کی طرف چلا۔ اس کا ہاتھ جیب میں پڑے ریو الوور پر تھا اور پوری طرح سے محتاط تھا۔ کوٹھی سے چند قدم دور بوڑھا اس سے دو قدم پیچھے رہ گیا جس وقت حمید کو خیال آیا تو اس نے پلٹنا چاہا لیکن اسی لمحے اس کی پشت پر ناقابل برداشت دھکا لگا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش پر جا گرا مگر اس نے اسٹینے میں دیر نہیں لگائی۔ لیکن اب بوڑھے کے ہاتھ میں ریو الوور چپک رہا تھا۔

حمید کے دماغ میں جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی۔ اس نے ریو الوور کی پردہ کئے بغیر بوڑھے پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن بوڑھے نے اسے یوں ہوا میں اچھال دیا جیسے گیسندہ اچھالی جاتی ہے۔ اس بار نیچے گرنے پر اسے بے حد چوٹ آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے دماغ پر دھند سی چمانے لگی۔ لیکن اس نے سر جھٹک کر اس دھند کو دور کر دیا لیکن اتنے میں اس بوڑھے کی زرد دار لات اس کے جھڑے پر پڑ چکی تھی۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر گرا۔ سبجانے اس بوڑھے کے جسم میں کتنی طاقت تھی کہ حمید اس کی بے پناہ قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور پھرتی سے ریو الوور جیب سے نکال لیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا۔ بوڑھے کے ریو الوور نے شعلہ اگلا۔ اور حمید کے ہاتھ سے ریو الوور نکل کر دور جا گرا۔

اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ مسٹر حمید۔ — بوڑھا بولا۔

حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجھنے لگیں کیونکہ وہ آواز پہچان چکا تھا۔ یہ بوڑھا یقیناً عمران تھا۔ حمید زبردست دھوکا کھ چکا تھا۔

کار کی طرف چلو۔ — اگر کوئی حرکت کی تو گرلی مار دوں گا۔ — عمران نے اسے

حکم دیا اور حمید دل ہی دل میں اسے گایا اور دیتا ہوا کار کی طرف چل دیا۔ بوڑھا اس

سے دو قدم پیچھے ہٹا۔

اچانک حمید کے کانڈھول پر ناقابل برداشت بوجھ پڑا۔ اس نے پھرتی سے اس بوجھ کو جھٹک دینا چاہا۔ یہ عمران تھا جس کے ہاتھوں نے اس کی گردن بکری لی تھی۔

حمید بے بس ہو گیا۔ دوسرے لمبے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر عمران نے انگوٹھے سے مخصوص دباؤ ڈالا اور حمید کو الپے ٹھوس ہوا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ وہ ہاتھ پیر ملانے سے بھی معذور ہو گیا تھا۔ عمران نے اسے گھسیٹ کر کہہ میں ڈالا اور پھر خود سٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ کار اس نے واپس موڑ دی۔

سنو حمید! — میں اگر چاہتا تو تم سے تشدد کے ذریعہ بھی پروفیسر کا سراغ لگوا لیتا — لیکن یہ پہلی بار تھی اس لئے میں نے چیوڑ دیا ہے۔ کرنل فریڈ سے کہنا کہ یہ عمران کی طرف سے اس کی خدمت میں پہلا تحفہ ہے — مجھے علم ہے کہ کرنل فریڈی نے تمہارا بھی تعاقب کر لیا ہے اور تعاقب کرنے والا اس وقت بھی ہمارے آگے جا رہا ہے — اس نے یقیناً فریڈی کو رپورٹ دے دی ہوگی لیکن وہ مجھے نہیں پاسکتا۔ اسے کہہ دینا کہ وہ پروفیسر اور فارمولے کو سنبھال کر رکھے — یہ میرا چیلنج ہے — میں یہ دونوں اس کے ہاتھ سے ضرور چھین لے جاؤں گا — عمران نے حمید سے مخاطب ہوئے کہا۔

حمید بے بس تھا۔ لیکن وہ سُن رہا تھا نہ ہاتھ پیر بلا سکتا تھا اور نہ ہی بول سکتا تھا۔

کار اب شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ عمران نے کار ایک تنگ گلی میں موڑ دی اور پھر پھرتی سے نیچے اتر کر ایک سائیڈ گلی میں گھس گیا۔ مختلف جگہوں سے ہٹا ہوا وہ ایک تنگ سے مکان میں داخل ہو گیا۔

ناشتہ کی میز پر حمید، کرنل فریڈی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ فریڈی نے اس کی وہ کیفیت رات ہی ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ ٹھیک کر کے دہر کر دی تھی۔ حمید کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

”میں اسے کچا چا جاؤں گا۔ اس نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔؟ سالہ دھوکے باز۔ فراڈیا“ — حمید غصہ سے بلبلا رہا تھا۔

”صبر فرزند صبر۔ بہر حال اس نے تمہیں بے بس کر کے دوہرا فائدہ اٹھایا ہے ایک تو مجھ پر اپنی کارکردگی کا رعب جمایا ہے — دوسرا تعاقب سے بچ نکلا۔ جب تم ریسٹورنٹ میں گئے تھے اس سے مقوڑی دیر پہلے میرے ایک آدمی کو اس پر رشک ہوا۔ اس نے اس کا تعاقب کیا تو وہ تعاقب سے بچنے کے لئے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ وہاں اسے تم نظر آ گئے۔ اس نے تمہیں سامنے لیا، اور پھر ایک تو تمہیں بے بس کر دیا، پھر تمہاری کار استعمال کر کے وہ تعاقب سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا مقصد دراصل فوری طور پر کار حاصل کرنا تھا“ فریڈی نے اسے سچویشن کی تفصیل بتائی۔

”ہوں — تو یہ بات حق ہے —“ میہ نے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔
”ہاں — اب اس نے پہلی کر دی ہے — اب وہ میرے ہاتھ بھی دیکھے

گا۔ فریدی نے سرو بلجے میں کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔
 مٹھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔
 "حمید! — تم یہیں مٹھوڑو — اگر کوئی فون آتے تو نوٹ کر لینا۔ میں دو گھنٹے
 بعد آؤں گا۔" فریدی نے حمید سے کہا اور پھر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر پورے
 میں کھڑی تنکن کی طرف بڑھ گیا۔
 دوسرے لمحے اس کی تنکن بڑی تیزی سے کاماٹی کی پہاڑیوں کی طرف دوڑ رہی
 تھی۔ جہاں پر دھیسڑاگ ریز کے ناموں کے نکل کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے
 اپنے تعاقب کا خیال رکھا لیکن کسی نے بھی تعاقب نہ کیا تھا۔

کافی دیر زیر زمین تجربہ گاہ میں رہ کر فریدی واپس شہر کی طرف آرہا تھا کہ
 اچانک اس کی نظر فٹ پاتھ پر پیدل جاتے ہوئے ایک آدمی پر پڑی۔ جو خاصی
 تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ فریدی کو اس کا چہرہ دیکھ کر شبہ ہوا کہ وہ میک آپ
 میں ہے۔ اس نے کار آگے جا کر ایک سائیڈ میں روک دی اور اس آدمی کا وہاں
 پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ آدمی کار کو کراس کر کے آگے نکل گیا تو فریدی کا
 سے نیچے اترنا۔ اس نے کار لاک کی اور پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا وہ شخص میٹروپول ہوٹل کے کپاؤنڈ میں گھستا
 چلا گیا۔

یہ ایک اوسط درجے کا ہوٹل تھا جہاں اکثر درمیانی طبقے کے کاروباری لوگ رہائش
 پذیر ہوا کرتے تھے۔ فریدی اس کے ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس شخص نے ایک کمرہ
 حاصل کیا اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر ادھری منزل کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے
 بعد فریدی کاؤنٹر پر آیا۔

ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کاؤنٹر کلرک سے اجازت طلب کی

فریدی چونکہ میک آپ میں تھا۔ اس لئے کاؤنٹر کلرک نے اسے گاہک ہی سمجھا
 اس نے بڑی خوش اخلاقی سے اجازت دے دی۔
 فریدی نے کوئٹی کے نمبر ڈائل کئے۔ جلد ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھا
 لیا گیا۔

حمید! — میٹروپول ہوٹل فوراً پہنچو۔ میں تمہارے والا سودا نقد چکانا چاہتا
 ہوں۔ یعنی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔" فریدی نے حمید کو اشارہ
 کرتے ہوئے کہا۔

"میں آ رہا ہوں۔" حمید کی خوشی سے بھرپور آواز آئی۔

فریدی نے رسیور رکھا۔ جیب سے ایک چھوٹا سا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھا
 اور خود مڑ کر واپس اپنی مینر پر آ بیٹھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی حمید ہال میں داخل ہوا۔ اس نے ہکسا میک آپ
 کیا ہوا تھا۔ وہ سیدھا کزنل فریدی کی طرف آیا۔

"مران کہاں ہے؟" حمید نے بیٹھتے ہی فریدی سے پوچھا۔
 "مران نہیں۔ اس کا سامتی؟" فریدی نے جواب دیا اور پھر اٹھ کر
 کھڑا ہو گیا۔

"آؤ چلو۔" اس نے حمید کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور حمید اٹھ کر اس کے
 پیچھے چل پڑا۔

فریدی سیدھا کاؤنٹر پر آیا۔

"اجی ابھی میک آپ دوست یہاں آئے تھے۔ انہوں نے کونسا کمرہ
 لیا ہے؟" فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

"الوز صاحب۔" کاؤنٹر کلرک نے نام کے ساتھ ساتھ علیہ بھی بیان کر دیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ فریدی نے کہا۔

"وہ کمرہ نمبر چالیس میں مہڑے ہوئے ہیں۔ کیا میں انہیں فون پر آپ کی اطلاع کروں۔؟ کاؤنٹر کلرک نے خوش اخلاقی سے کہا۔
"نہیں۔ اسے مجھے اچانک مل کر زیادہ خوشی ہوگی۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر سڑک پر بڑھیاں چڑھتے لگا۔

چند لمحوں بعد کرنل فریدی اور حمید روم نمبر چالیس کے سامنے کھڑے تھے۔ فریدی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔؟" اندر سے قدرے سخت آواز آئی۔

"دوست۔" فریدی نے نرم لہجے میں جواب دیا۔
دومنٹ کے انتظار کے بعد دروازہ کھل گیا۔ وہی شخص دروازے میں کھڑا بڑی حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"فریڈی۔" اس کے لہجے میں حیرت صاف جھلک رہی تھی۔
"کیا آپ اخلاقیات ہمیں اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" فریدی کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

قدرے ہچکچاہٹ کے بعد انور نے انہیں اندر آنے کو کہا اور ایک طرف ہو گیا۔
فریدی اور حمید اندر داخل ہو گئے۔

"تشریف رکھیے۔" انور نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔

"فریڈی!۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔؟" انور نے ایک بار پھر بڑے مہذبانہ لہجے میں سوال کیا۔

"عمران کہاں ہے۔؟" فریدی نے اچانک سوال کیا۔ اس کا خیال تھا کہ

بعض ضرور اس غیر متوقع سوال پر چونکے گا۔ لیکن انور کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔
اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی ضرور لہرائی تھی۔

"عمران۔۔ یہ صاحب کون ہیں۔؟" انور نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
فریدی کو اب مکمل یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص ضرور میک آپ ہیں۔ اور فریدی

دل ہی دل میں اس کے میک آپ کی داد دینے لگا۔ جسے وہ خود بڑی مشکل سے

بھان سکا تھا۔

"مجھے کرنل فریدی کہتے ہیں۔ اور یہ میسٹر اسٹنٹ ہیں۔" کرنل فریدی

نے قدرے طنزیہ لہجے میں اپنا تعارف کرایا۔

"اوہ!۔ آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے کارنامے تو ضرور

میں نے سنے تھے لیکن آپ کی زیارت نہیں ہوئی تھی۔" انور کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا

حمید کو فریدی کی یہ سب باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔ اسے اب یقین ہو گیا تھا

کہ یہ عمران کا ساتھی ہے۔ وہ اپنا بدلہ لینے کے لئے بے چین تھا اور بار بار اپنی

مٹھیاں بند اور کھول رہا تھا۔

"آپ براہ مہربانی اپنا میک آپ صاف کریں۔ میں آپ کی اصل شکل دیکھنا

چاہتا ہوں۔" کرنل فریدی کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا ہی تھا۔

"میک آپ۔؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔؟" اب انور بڑی طرح

چونک پڑا۔

"جی ہاں!۔ میک آپ۔" فریدی نے میک آپ کے لفظ پر زور دیتے

ہوئے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے کرنل صاحب!۔ انور نے قدرے سخت

لہجے میں جواب دیا۔

”حمید! — تم میری غلط نہیں دُور کر دو“ — فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور
جو کافی دیر سے دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہا تھا، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
حمید کے ارادے کو انور بھی بھانپ گیا تھا۔ اس لئے وہ بھی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
”آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں اور میں زیادتی قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔“
لیکن حمید نے اس غصہ کی پروا نہ کرتے ہوئے انور پر چلا ٹنگ لگا دی۔
فریدی بڑے اطمینان سے اٹھا اور اس نے اٹھ کر دروازے کی اندر سے چھوٹ کر باہر
چڑھا دی اور پھر لوں تماشہ دیکھنے لگا۔ جیسے اس کے سامنے ڈرامہ ہو رہا ہو۔
حمید نے اپنی طرف سے بڑے محتاط ہو کر چلا ٹنگ لگائی تھی لیکن انور جو اس کے سینے پر پڑی اور وہ — اوہ — کرتا ہوا فرش پر جا گرا۔ اس کے جسم میں
کیپٹن شکیل تھا۔ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور حمید اپنے ہی زور میں آگے بڑھ کر ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

”کیپٹن شکیل نے اس کے جھڑپے پر بوٹ کی ٹھوک ماری جا ہی لیکن حمید تیزی
زور سے سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس نے ہاتھوں کا سہارا لے لیا۔
اتنا زور وار تھا کہ اگر وہ ہاتھوں کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔
حمید دیوار سے ٹکرا کر پھرتی سے مڑا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔
اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ چادر آگئی ہو۔
کیپٹن شکیل اب بھی بڑے اطمینان سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ دیے وہ فریدی کے قدموں میں جا گرا۔

”کیپٹن شکیل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
حمید نے بھی تیزی سے اٹھنا چاہا تھا کہ فریدی کی کرخت آواز گہرے میں گونجے اٹھی۔
”بس — اب دونوں کھڑے ہو جاؤ“ — فریدی کے ہاتھ میں ریوالتورچا

”حمید! — تم میری غلط نہیں دُور کر دو“ — فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور
جو کافی دیر سے دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہا تھا، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
حمید کے ارادے کو انور بھی بھانپ گیا تھا۔ اس لئے وہ بھی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
”آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں اور میں زیادتی قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔“
لیکن حمید نے اس غصہ کی پروا نہ کرتے ہوئے انور پر چلا ٹنگ لگا دی۔
فریدی بڑے اطمینان سے اٹھا اور اس نے اٹھ کر دروازے کی اندر سے چھوٹ کر باہر
چڑھا دی اور پھر لوں تماشہ دیکھنے لگا۔ جیسے اس کے سامنے ڈرامہ ہو رہا ہو۔
حمید نے اپنی طرف سے بڑے محتاط ہو کر چلا ٹنگ لگائی تھی لیکن انور جو اس کے سینے پر پڑی اور وہ — اوہ — کرتا ہوا فرش پر جا گرا۔ اس کے جسم میں
کیپٹن شکیل تھا۔ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور حمید اپنے ہی زور میں آگے بڑھ کر ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

”کیپٹن شکیل نے اس کے جھڑپے پر بوٹ کی ٹھوک ماری جا ہی لیکن حمید تیزی
زور سے سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس نے ہاتھوں کا سہارا لے لیا۔
اتنا زور وار تھا کہ اگر وہ ہاتھوں کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔
حمید دیوار سے ٹکرا کر پھرتی سے مڑا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔
اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ چادر آگئی ہو۔
کیپٹن شکیل اب بھی بڑے اطمینان سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ دیے وہ فریدی کے قدموں میں جا گرا۔

”کیپٹن شکیل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
حمید نے بھی تیزی سے اٹھنا چاہا تھا کہ فریدی کی کرخت آواز گہرے میں گونجے اٹھی۔
”بس — اب دونوں کھڑے ہو جاؤ“ — فریدی کے ہاتھ میں ریوالتورچا

”حمید اب بے حد محتاط تھا کیونکہ وہ مد مقابل کی پھرتی اور قوت کا اندازہ لگا چکا تھا۔“

رہتا۔ جس کا رخ کیپٹن شکیل کی طرف تھا۔

کیپٹن شکیل کا چہرہ خون سے تر ہونے کے باوجود سپاٹ تھا اور اس کے
میں غصہ کی بے پناہ چمک تھی۔

حمید نے اٹھ کر ایک بار پھر کیپٹن شکیل کی طرف لپکنا چاہا مگر فریدی
اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔

”مٹھرو حمید“ — فریدی بولا۔

اور حمید بادل نخواستہ رک گیا۔

”کیا تم میرے سوالوں کا جواب دینا پسند کرو گے؟“ — فریدی نے کہا۔
شکیل سے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں“ — کیپٹن شکیل نے غصہ سے بھرپور لہجہ میں جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں تمہیں جواب دینا پڑے گا“ — کرنل فریدی کے لہجے میں
کاسا زہر ملا پن تھا۔

”اگر حمید سے کچھ نہیں ہو سکا تو تم بھی اپنے دل کے ارمان پورے کر لو“ —
کیپٹن شکیل نے ہم سرد لہجے میں جواب دیا۔

”میں تمہیں اس کا بھی موقع دوں گا“ — لیکن ایسی نہیں — ابھی تو صرف
میرے سوالوں کا جواب دو“ — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

کیپٹن شکیل خاموش رہا۔
”تمہارے اور کتنے ساتھی اس ملک میں داخل ہوئے ہیں؟“ — فریدی نے

پہلا سوال کیا۔
”میرا کوئی ساتھی نہیں ہے“ — کیپٹن شکیل نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”عمران کہاں ہے؟“ — فریدی نے دوسرا سوال کیا۔

میں کسی عمران کو نہیں جانتا“ — کیپٹن شکیل نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

”حمید — یہ ریوالور سنبھالو — اگر یہ بھاگنے لگے تو بے شک اسے گولی مار دینا۔“
کرنل فریدی نے ریوالور حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل بھی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔
کرنل فریدی دودھم اور آگے بڑھ آیا۔ کیپٹن شکیل اپنی جگہ جا کھڑا رہا۔ اس کی

غز فریدی کے جسم پر چمکی ہوئی تھیں۔ فریدی اچانک اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر اس
پہلے کہ کیپٹن شکیل اس کی حرکت کو سمجھتا۔ فریدی کے بوٹ کی ٹھوکر کیپٹن شکیل

کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ اچھل کر سامنے بچھے ہوئے پلنگ پر جاگرا۔ پلنگ پر گرتے
ہی اس نے قلابازی کھائی اور اب وہ پلنگ کی دوسری طرف تھا۔

اب کرنل فریدی اور کیپٹن شکیل کے درمیان پلنگ آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھرتے ہوئے
دیکھا کہ الٹا چاہا مگر کیپٹن شکیل نے بھی تیزی و کفائی اور اچھل کر کمرے کے کونے میں آگیا۔

اس سے پہلے کہ کرنل فریدی کے ہاتھ واپس اپنے جسم کے قریب آتے۔ کیپٹن شکیل نے
کرنل فریدی کی ٹانگ پر ٹھوک مار دی۔ لیکن کرنل فریدی ایک قدم بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔

”کیپٹن شکیل ہی ٹھوک کے روٹل میں نیچے گر گیا۔ کرنل فریدی نے تیزی سے اس کا
ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اور کیپٹن شکیل جیسے ہوا میں اڑتا ہوا سامنے والی دیوار پر

جا لٹا۔
دیوار سے کیپٹن شکیل کا سر ٹکرایا تھا۔ چوٹ کافی زرد وار تھی اور پھر اس کے

سر میں تاریکی چھانے لگی۔ اس نے سر جھٹک کر ذہن پر امنڈنے والی تاریکی دور کرنے
کی کوشش کی لیکن بے سود — تاریکی نے اس کے ذہن پر مکمل تسلط جما لیا۔

بے ہوش ہو چکا تھا۔
”کافی سخت جان تھا“ — حمید نے قد سے جھینپ کر رہا رک دے دیا۔

”تمہارے سلاحتوں کو زنگ لگ گیا ہے بر خور دار! — تمہیں عورتوں کی غفلت
دن لے ڈوبیں گی“ — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

”آپ کا جسم تو فولاد کا بنا ہوا ہے — میں تو گوشت پوست کا آدمی ہوں
حمید نے ڈھیٹ بن کر جواب دیا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔
”اب اس کو کیا کرنا ہے —؟“ — میرے خیال میں گولی مار کر ختم کر دیں“ —
نے رائے دی۔

”نہیں — اس سے ہمیں معلومات لینی ہیں — یہ شائد عمران کا کوئی نیا
سے۔ اس کے چہرے کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت سپاٹ رہتا ہے۔
سپاٹ پن سے ہی مجھے شک ہوا تھا کہ یہ میک آپ میں ہے“ — فریدی
جواب دیا۔

”سیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ عمران کا سا بھتی ہے“ — حمید نے
اور نکتہ نکالا۔

”اسی شک کو مٹانے کے لئے تو میں نے تمہیں اس سے لڑایا تھا۔ اس کے
لڑنے کا انداز ہی بتاتا ہے کہ یہ سیکرٹ سروس کا رکن ہے“ — فریدی نے جو
دیا اور حمید سر ہلا کر رہ گیا۔

”اچھا تم ایسا کرو کہ اسے کاغذ پر لاؤ کہ نیچے لے چلو“ — فریدی نے جب
کو حکم دیا۔ اور پھر آگے بڑھ کر کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ میز کی دراز
سے ایک ریوار کے علاوہ فریدی کو اور کچھ نہ ملا۔

حمید نے قوی ہیکل کیپٹن شکیل کو بمشکل اپنی پشت پر لاوا اور پھر وہ دروازے
کھول کر سیڑھیاں اترنے لگے۔

جیسے ہی وہ بال میں پہنچے۔ کیپٹن شکیل اور حمید کا علیہ دیکھ کر بال میں بیٹھے
نے لوگ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

کاؤنٹر کک کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کرنل فریدی نے آگے بڑھ کر
اس کے سامنے اپنا کارڈ کر دیا۔ اور کارڈ پر کرنل فریدی کا نام دیکھ کر کاؤنٹر کک
بیت اور خوف سے گنگ رہ گیا۔

کرنل فریدی اور کیپٹن شکیل کو اٹھائے ہوئے حمید خاموشی سے بال سے باہر
نکلے اور پھر ریپٹورنٹ کی سائیڈ میں کھڑی ہوتی حمید کی فوکس دیگن کی پچھلی سیٹ پر
کیپٹن شکیل کو لٹا دیا اور وہ خود دونوں آگے بیٹھ گئے۔

”سندر روڈ سے ہوتے ہوئے کو بھی چلو — مجھے اپنی کار لینی ہے“ — فریدی
نے حمید کو کہا اور حمید نے کار کا رخ سندر روڈ کی طرف کر دیا۔



عمران نے نئے بیک آپ میں کار لے کر نکلا۔ اس کا پروگرام تھا کہ وہ وزیر خارجہ
کے سیکرٹری کا روپ دھارے۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ وزیر خارجہ کے دفتر کا پورا
محل وقوع دیکھ لے اور پھر مزید کارروائی کرے۔

جب اس کی کار میٹروپول ہوٹل کے سامنے سے گزری تو وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا
کہ حمید اور کرنل فریدی بے ہوش کیپٹن شکیل کو ایک کار میں ڈال رہے ہیں۔ کرنل فریدی

اور کیٹن شکیل اپنی اصل شکل میں تھے۔ حمید کا میک اپ بھی بگڑا ہوا تھا۔ اس نے دُر ہی سے انہیں پہچان لیا تھا۔

ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی، کیٹن شکیل تک پہنچا ہے۔“ — عمران نے دانتوں پر دانت جھامٹے ہوئے کہا۔

عمران نے اپنی کار کی رفتار کم نہیں کی تھی۔ کافی آگے جا کر اس نے ایک چوک سے کار موڑ دی اور پھر نٹ پاتھ کی سائیڈ میں کھڑی کر دی۔ وہاں ادھر ادھر بہت سے کاریں کھڑی تھیں اس لئے کسی کا اس کی کار کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔

پھر اس کو فریدی کی کار مخالف سمت میں باقی نظر آئی اور اس نے کافی فاصلہ طے کر کے فریدی سے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ سڑک پر چونکہ ٹریفک کا کافی رش تھا اس لئے صحیح لگے۔

سندھ روڈ پر جب فریدی کی کار کی تو عمران نے بھی ایک سائیڈ میں کار روک دی۔ فریدی کی کار سے اتر کر سڑک کو اس کے مخالف سمت میں گیا۔ اور پھر وہاں کو فریدی کی لیکن کھڑی نظر آگئی۔

”یہ یقیناً کوٹھی پر جائیں گے“ — عمران نے سوچا اور پھر اپنی کار آگے بڑھا دی۔

عمران انہیں کر اس کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس نے کار کی رفتار اور بڑھا دی اور پھر اگلے چوک سے مڑ کر وہ دائیں طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس سڑک پر کافی دور ایک اور چوک آتا تھا۔ یہ سڑک قدرے غیر آباد تھی اس لئے اس نے سڑک کی سائیڈ میں ایک زیر تعمیر کوٹھی کی ایک دیوار کی اوٹ میں کار کھڑی کی اور خود نیچے آیا۔ زیر تعمیر کوٹھی خالی پڑی تھی۔ آج شام مزدور دل وغیرہ کی چھٹی کا دن تھا۔ اس

پنے کام کے لئے ایک سن شید پند آیا اور وہ تیزی سے اچھل کر اس شید پر چڑھ گیا۔ سائیڈ میں دیوار بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس طرف سے دیکھے جانے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس نے جسم کو سائیڈ میں رکھا اور جیب سے ریو اور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اب ریو اور کیٹن شکیل کی کار کی کار آتی تھی۔

چند لمحوں بعد اس کو حمید کی کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اس سے پیچھے لیکن اسے دور دور تک نظر نہ آئی۔ شام کرنل فریدی کسی اور جگہ چلا گیا تھا اتنے کاریں کھڑی تھیں اس لئے کسی کا اس کی کار کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ پھر جیسے ہی وہ چٹ فٹ آگے ہوئی عمران کے ریو اور سے شعہ سا نکلا اور پھر ایک زوردار دھماکے سے حمید کی کار ڈولنے لگی۔

پھر اس کو فریدی کی کار مخالف سمت میں باقی نظر آئی اور اس نے کافی فاصلہ طے کر کے فریدی سے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ سڑک پر چونکہ ٹریفک کا کافی رش تھا اس لئے صحیح لگے۔

سندھ روڈ پر جب فریدی کی کار کی تو عمران نے بھی ایک سائیڈ میں کار روک دی۔ فریدی کی کار سے اتر کر سڑک کو اس کے مخالف سمت میں گیا۔ اور پھر وہاں کو فریدی کی لیکن کھڑی نظر آگئی۔

”یہ یقیناً کوٹھی پر جائیں گے“ — عمران نے سوچا اور پھر اپنی کار آگے بڑھا دی۔

عمران انہیں کر اس کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس نے کار کی رفتار اور بڑھا دی اور پھر اگلے چوک سے مڑ کر وہ دائیں طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس سڑک پر کافی دور ایک اور چوک آتا تھا۔ یہ سڑک قدرے غیر آباد تھی اس لئے اس نے سڑک کی سائیڈ میں ایک زیر تعمیر کوٹھی کی ایک دیوار کی اوٹ میں کار کھڑی کی اور خود نیچے آیا۔ زیر تعمیر کوٹھی خالی پڑی تھی۔ آج شام مزدور دل وغیرہ کی چھٹی کا دن تھا۔ اس

حسب توقع ہی رہا۔

حمید جو پہلی لڑائی سے تھکا ہوا تھا بے ہوش ہو گیا۔ چونکہ بہر حال یہ سڑک تھی لئے عمران نے بھی پھرتی دکھائی تھی اس نے تیزی سے حمید کو گھسیٹ کر نوکس ڈالا اور پھر خود مشیننگ پر بیٹھ گیا۔ کار کو وہ تقریباً گھسیٹا ہوا اس طرف لے اس کی اپنی کار موجود تھی۔ اس نے انتہائی تیزی سے ان دونوں کو اپنی کار میں منڈت اور پھر کار اسٹارٹ کر کے سڑک پر چڑھا دی۔ اسی اثناء میں ایک دو کاریں دہاں گزریں لیکن عمران کی کار چونکہ دیوار کی اوٹ میں تھی اس لئے وہ صورت حال اندازہ نہ کر سکے۔

عمران نے کار ادھر ہی دوڑا دی جدھر فریدی کی کوٹھی تھی۔ جلد ہی وہ فریدی کی کوٹھی پر اس کو لگا۔ اب وہ سیدھا جا رہا تھا۔ دو تین سڑکوں پر چکر کھا کر جب اطمینان ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں ہو رہا۔ اس نے کار کا رخ گلہین کالونی کی موڑ دیا۔

نادر کی کوٹھی کے پھاٹک پر رک کر عمران نے مارن دیا۔ پھاٹک جلد ہی کھلا گیا وہ کار اندر پورچ میں لپٹا چلا گیا۔ نادر اسے برآمدے ہی میں مل گیا۔ عمران دروازہ کو کھینچ کر تیزی سے نیچے اتر آیا۔

نادر! کیا تمہاری نظر میں اور کوئی محفوظ جگہ ہے۔۔۔؟ خاص طور پر اگر اس کے نیچے تہہ خانے ہوں تو۔۔۔ عمران نے سوال کیا۔
کیوں۔ کیا بات ہے۔۔۔؟ نادر نے حیرت سے پوچھا۔
تم میرے سوال کا جواب دو۔ بات بعد میں پوچھ لینا۔ عمران نے قدرے سختی سے کہا۔

ہاں!۔۔۔ میرے ایک دوست کی ایک کوٹھی خالی ہے۔ وہ فارن گیا ہو

س کے نیچے تہہ خانے بھی ہیں۔۔۔ نادر نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے۔۔۔ تم اپنا ضروری سامان اٹھاؤ اور جلدی آؤ۔۔۔ ہم ابھی یہ چھوڑ رہے ہیں۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر خود بھی اندر چلا گیا۔ جب عمران واپس باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔ اور پھر بھی ایک ایچی کیس اٹھائے آگیا۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔
اوہ!۔۔۔ یہ تو کیسٹن شکیل اور حمید ہیں۔۔۔ نادر نے پچھلی سیٹ پر پڑے نئے دونوں کو دیکھ کر کہا۔

ہاں!۔۔۔ چونکہ ارکو کہہ دو کہ میں چند دنوں کے لئے باہر جا رہا ہوں۔۔۔ اور سمجھا دو کہ میرا ذکر نہ کرے۔۔۔ عمران نے کار پھاٹک کے قریب روکتے ہوئے نادر کو اس کے نیچے اتر گیا اور پھر اس نے چونکہ ارکو وہ بات اچھی طرح سمجھا دی پھر کار میں آکر بیٹھ گیا۔
کار کو سٹی سے باہر نکلی اور کافی تیز رفتاری سے سڑک پر بھاگنے لگی۔



صفدر ایک ایسے آدمی کے پاس ٹھہرا تھا جو اس کا کافی پرانا دوست اس ملک میں جب بھی صفدر کا آنا ہوتا وہ دایک دان ضرور اس کے پاس ٹھہرتا۔ صفدر کا درست حساب کا نام تیمور تھا۔ کاماٹی کی لیبارٹری میں کام کرتا تھا۔ صفدر کو

وہ صرف بزنس میں سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا ہے ؟
ادھر صفدر نے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی کہ وہ اس سے پوچھتا کہ
کہاں ملازم ہے — صفدر کو اس کے پاس جانے سے پہلے میک آپ اتارنا
اب وہ کمرے میں بیٹھا سوچ ہی رہا تھا کہ تیمور واپس آئے تو اسے اپنے متعلق کچھ
تاکہ اگر وہ کسی وقت میک آپ میں جائے یا آتے تو وہ شک نہ کرے اسے مکمل بخیر
کہ تیمور ایسا دوست ہے جو اس کے لئے کسی صورت سے بھی نقصان وہ نہیں
تیمور کے آنے کا وقت کافی دیر ہوئی گزر چکا تھا لیکن تیمور ابھی تک نہیں آیا
یہ شباب کا لونی میں ایک چھوٹی سی کوٹھی تھی جہاں تیمور اکیلا رہتا تھا۔ اس نے
تک شادی نہیں کی تھی۔

تیمور کافی دیر بعد واپس آیا۔ اس نے کارپورچ میں کھڑی کی اور پھر تنکے
انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔

غیر مت متی — آج بہت لیٹ آئے — صفدر نے اسے دیکھتے
سوال کیا۔

”یار کیا پوچھتے ہو — بچے دنوں سے لیبارٹری میں کام بہت کرنا پڑتا ہے“
تیمور نے جواب دیا۔

”لیبارٹری میں“ — صفدر نے چونک کر پوچھا۔
”ہاں دوست! — میں یہاں ایک لیبارٹری میں کام کرتا ہوں“ — تیمور
ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا تم سائنسدان ہو“ — صفدر نے حیرت سے پوچھا۔
”ارے نہیں — میں صرف اسٹور اینچارج ہوں لیبارٹری میں ضروری آلات
دیگر سامان مہیا کرنا میری ڈیوٹی ہے“ — تیمور نے کہا۔

ادھ! — اچھا میں نے سمجھا تیمور صاحب سائنسدان ہیں — صفدر نے ہنستے
ہنستے کہا۔

تم بڑے توجہ دہوتے ہو گئے — تیمور نے پوچھا۔
نہیں — بور نہیں ہوا — بس تمہارا انتظار کر رہا تھا — صفدر نے سوال

پوچھا۔
یاد تمہاری بھی مجھے سمجھ نہیں آتی — جب سے آتے ہو کوٹھی میں گئے ہوئے ہو۔
اللہ کے بندے! — کچھ سیر و تفریح بھی کیا کرو — تیمور نے کہا۔

فرد کریں گے — آجکل ذرا طبیعت پر کچھ کسستی سی چھائی ہوئی ہے — باہر
کھنکھول نہیں چاہتا — صفدر نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

کسی ڈاکٹر وغیرہ سے بات کریں — تیمور نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
ارے نہیں — ایسی فی الحال کوئی بات نہیں کر ڈاکٹر کو تکلیف دی جلتے —
صفدر نے ہنستے ہوئے کہا اور تیمور بھی ہنس پڑا۔

کوئی لیبارٹری میں کام کر رہے ہو — صفدر نے پوچھا۔
یہاں سے کافی دور ہے — تیمور صفدر کا سوال ٹال گیا۔

میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ دور ہے یا نزدیک — کیا بات ہے کیا ڈاکٹر
کو تکلیف دینا ہی پڑے گی — صفدر نے کہا۔

اور تیمور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
”یار! بات دراصل یہ ہے کہ ایک سگری راز ہے اور ٹاپ سیکرٹ“ تیمور
نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

ادھ! — پھر ٹیک ہے مت بتاؤ — ہو سکتا ہے کہ میں کوئی جاسوس وغیرہ
ٹاپ کی شے ہوں — اور کل کو تم بندھے پھرو — صفدر نے ہنستے ہوئے کہا اور

تیمور شرمندہ ہو گیا۔

”نہیں نہیں۔ تم مانند مت کرو۔ میں بتا دیتا ہوں۔ یہاں سے بڑے دور کا مانی کی پہاڑی ہے۔ اس کے نیچے خفیہ لیبارٹری ہے وہاں کام کرتا ہوں دراصل آجکل ایک نیا سائنس دان آیا ہے، جرمن یہودی ہے، اس کے آنے پر بہت سیکرٹ کر دیا گیا ہے اور اسی کے لئے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور اسی دیر ہو جاتی ہے۔“ تیمور نے تمام بات اگل دی۔

”ادہ خفیہ۔ ارے یار تم تو جاسوسی نادلوں کے کردار معلوم ہو رہے ہو۔ بڑی دلچسپ زندگی ہو گی تمہاری بھی۔ یعنی خفیہ لیبارٹری۔ پھر جیسے جاسوسی نادلوں میں ہوتا ہے۔ آدمی جائے تو کوڑا بتا کر جائے۔ چیک پرسٹوں پر دے وغیرہ وغیرہ۔“ صفدر نے امتیاق آمیز لہجے میں کہا۔

”خاک پر لطف ہوتی ہے۔ بور ہو جاتا ہے آدمی۔“ یہ کیا بات ہر صبح دشام تلاشی دو۔ کوڑا دیرات پھرو۔ تیمور نے اکتائے ہوئے لہجے میں یار مجھے تو یہ بڑا رومانٹک لگ رہا ہے کہ آدمی جائے اور کوئی اوٹ پٹانگ۔ کوڑا مثلاً۔ بن بادل برسات۔ ستارے چمک رہے ہیں۔ سورج کو لگ رہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ دہرائے۔“ صفدر نے آنکھیں منکارتے ہوئے کہا جیسے وہ اس کے تصور سے ہی لطف اندوز ہو رہا ہو۔

”ارے نہیں۔ اس قسم کے کوڑا تو جاسوسی نادلوں میں ہوتے ہوں گے۔ تو سیدھا سا داسا کوڑا ہوتا ہے اور بڑا غیر دلچسپ سا۔ یعنی زیر و مقری۔ اب بتاؤ اس میں کیا رومانٹک پن ہے۔“ تیمور نے جواب دیا۔ وہ بے خیالی میں کوڑا بھی بتا گیا تھا۔

”اچھا یار۔ چھوڑ دو کوئی اور بات کرو۔ یہ بتاؤ کہ بھابھی کب لارے ہو۔“

”ہندو کو جب مطلب کی باتوں کا پتہ چل گیا تو اس نے فوراً ہی مومنوع بدل دیا۔

”بھابھی۔ کیا تباہیں یار۔ کوئی لڑکی سی اس قابل نظر نہیں آتی کہ اسے

بھاری بھابی بناؤں۔“ تیمور نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”واہ بھتی واہ۔ بڑا اونچا آئیڈیل ہے تمہارا۔“ میرا کہا مانو تو کسی بھی شریف

لڑکی کا ہاتھ مقام لو۔ اس دنیا میں سویریں پیدا نہیں ہوتیں مگر تیمور۔“ صفدر

نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں۔ اب تو میں بھی یہی سوچنے لگا ہوں۔“ تیمور نے کہا۔

”اچھا دوست!۔ میرے خیال میں چائے بنائی جاتے۔ یار! یہ ملازم بھی

پہنا چھٹی کر کے گیا ہے۔ کئی دن ہو گئے ہیں آیا ہی نہیں ہے۔“ تیمور

نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کوئی ضروری کام پڑ گیا ہو گا اسے۔“ صفدر نے لاپرواہی سے کہا۔ اور

تیمور سر ہلاتا آدھا کچن کی طرف پٹا گیا۔

صفدر کا دل خوشی سے لیلوں اچھل رہا تھا۔ قدرت نے خود بخود گھر، پیسے

معلومات دے دیں مہتیس، اب وہ بے چین تھا کہ کوئی موقع نکلتے تو عمران کو کال کر کے

معلومات دے۔

ابھی نندر اسی سوچ میں تھا کہ تیمور ہاتھ میں برتن لئے آن پہنچا۔

”بھتی ڈو دو اور پتی ختم ہے۔“ میں ڈراما کیٹ سے لے آؤں۔“ تیمور

نے کہا۔

”اچھا لے آؤ۔“ صفدر نے کہا۔ اور تیمور برآمدہ پارک کے گیٹ کی طرف

پٹا گیا۔

ماکیٹ دہاں سے کمانی دور تھی، اس لئے صفدر نے موقود غنیمت سمجھا اور

امٹ کر کرے گا اور واڑہ بند کر لیا۔ اس نے ریسٹ واپس چاؤ کا ڈنڈ بٹن کھینچا۔ گھڑی والا خانہ سرخ ہو گیا اور گھڑی سے ہلکی سی سیٹی کی آواز بھٹکنے لگی۔ چند لمحوں بعد کی سرخی سبزی میں تبدیل ہو گئی۔

”ہیلو ہیلو — صفدر سپکینگ اور —“ صفدر نے گھڑی کے ساتھ ہلکی سی آواز میں کہا۔

”ہیلو — عمران دی سائیڈ اور —“ دوسری طرف سے عمران کی سنائی دی۔

”عمران صاحب! — ایک خوشخبری ہے — میں یہاں ایک دوست کے مٹھرا ہوا ہوں۔ ہل کالونی کو بھی نمبر ۱۲۔ اس دوست کا نام تیمور ہے — کاماٹی کی پہاڑی کے نیچے بنی ہوئی خفیہ لیبارٹری میں کام کرتا ہے۔ پروفیسر ڈاگ اسی لیبارٹری میں نامور لاکھل کر رہا ہے۔ اور —“ صفدر نے مختصر طور پر معلومات آگے بڑھا دیں۔

”اوہ صفدر! — ویری گڈ — ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا — میں تو کے لئے ذریعہ خارجہ کے سیکرٹری کو اغوا کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا — معلومات ہوئیں۔ اور —“ عمران کی مسرت سے بھرپور آواز سنائی دی۔

”بس باتوں ہی باتوں میں پتہ چل گیا — میں نے کوڑ بھی معلوم کر لیا۔ یعنی زیر دستری۔ اور —“ صفدر نے کہا۔

”ویری گڈ! — کیا بات ہے صفدر۔ بڑے تیز جارہے ہو یا —“ تو بھی کان کاٹنے لگے۔ اور —“ عمران کی آواز میں مسرت و خوشی کا عنصر نہ ہو گیا تھا۔

”مٹینک یو — اب بتائیے۔ مزید کیا پروگرام ہے۔ اور —“ صفدر

دال کیا۔

”تمہارا دوست وہاں کیا کام کرتا ہے۔ اور —“ عمران نے سوال کیا۔

”سٹور انچارج ہے۔ اور —“ صفدر نے جواب دیا۔

”ویری گڈ! — کیا وہ تمہاری قد قناعت کا ہے۔ اور —“ عمران نے پھر سوال کیا۔

”ہاں — اور —“ صفدر نے مختصر سا جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے — تم اس کامیک آپ کر کے لیبارٹری پہنچ جاؤ۔ حالات کی نگرانی کرو — پھر حبس ہو گا۔ دیکھا جائے گا۔ اور —“ عمران نے تحویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس کے لئے —“ صفدر کچھ ہچکچایا۔

”تم سوچ رہے ہو گے کہ دوست کو ختم کرنا پڑے گا — تو مجائی وطن کی محبت میں آدمی کیا کچھ نہیں کرتا — اور قدرت نے یہ موقع ہمیں دیا ہے — ہم بھی تو اپنی جانیں ملک کے لئے ہتھیلی پر اٹھاتے پھر رہے ہیں۔ اور —“ عمران نے بڑی بنجیدگی سے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے — پھر میں جانے سے پہلے آپ کو کال کروں گا۔ اور —“

”صفدر نے قدرے مایوسی سے کہا۔

”ٹھیک ہے — اور اینڈ آل —“ عمران نے کہا اور پھر تاریخ والا خانہ تاریک ہو گیا۔

صفدر نے جلدی سے ڈنڈ بٹن دوبارہ دبا کر نٹ کیا اور پھر آگے بڑھ کر واڑہ کھول دیا اور پھر ابھی وہ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ تیمور کو مٹی میں داخل ہوا اور سیدھا کچن کی طرف چلا گیا۔ صفدر سوچنے لگا کہ واقعی کسی بے گناہ کو ختم کرنا انتہائی ظلم ہے۔ لیکن

وہ کیا کرتا۔ تیمور متنا۔ ملک کی عزت در کرداروں ہم وطنوں کی زندگی کا سوال تھا۔
نے کندھے جھٹکتے ہوئے سوچا

تیمور چائے تیار کر کے آیا دونوں نے چائے پی اور پھر وہ تماشہ کیلئے
کافی اتار گئے تیمور نے نذر کو الوداع کہہ کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں چل پڑا
کافی دیر بعد جب سفدر کو یقین ہو گیا کہ تیمور سو گیا ہوگا۔ وہ آہستہ سے اٹھا
اپنے اپنے بیگ کی خفیہ تہہ سے ریواوز نکالا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا تیمور کے
خوابگاہ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہاتھ کا دبا دیتے ہی پٹ کھل گئی
آہستہ آہستہ نذر داخل ہوا۔ بیڈ لارٹ کے بلکے سی روشنی میں تیمور پٹنگ پر گہری نیند
ہوا تھا۔

”اچھا درست — تم میرے ملک کے لئے قربانی دے رہے ہو — میں تم
ہمیشہ یاد رکھوں گا —“ صفدر نے سوچا اور پھر ریواوز سیدھا کر کے اس کے در
نشانہ با۔ اور آنکھیں بند کر کے اس نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈال دیا۔ سامنے
ریواوز سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور تیمور پٹنگ پر ترپٹنے لگا۔ گولی ٹھیک دال پڑی
لگی مٹھی۔ اس لئے چند ہی لمحے بعد تیمور مٹھا پڑ گیا۔ اس کا آنکھیں کھل سوائی تھیں
ان میں جیتے صاف پھل رہی تھی۔

صفدر خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں چو گیا اور پھر کافی دیر وہاں بیٹھنے کے
بعد وہ دوبارہ تیمور کے کمرے میں آیا۔ اس کی لاش اٹھا کر وہ غنا خانے میں لے
اس کے خوں آلود پڑے امارت سے غسل خانے میں ان پڑے خون کے داغ دھوے پ
وہ بستر کی چادر اٹھا لے گیا۔ یہ بھی اچھی طرح دھویا اور پھر سب کپڑوں کو سوکھنے
کے لئے ڈال دیا۔

اب صبح ہونے والی تھی اور صفدر کو معلوم تھا کہ تیمور سچے رات بے یہاں سے

بات ہے اس لئے اسے بھی صبح ٹائم پر وہاں پہنچنا تھا۔
صفدر نے تیمور کی لاش کو سامنے رکھ کر پلاسٹک میک اپ کیا۔ پھر اس کی لاش
کو وہیں غسل خانے میں چھوڑ کر اس نے الماری سے تیمور کا سوٹ نکال کر پہنا۔ پوری
تیدی کر کے وہ کمرے میں آیا اور پھر جانے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے اس نے عمران
کو دوبارہ کال کیا۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

”عمران صاحب! — میں نے تیمور کو ختم کر دیا ہے اور اس کا میک اپ بھی
کر لیا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد میں یہاں سے لیبارٹری جاؤں گا۔ آپ ایسا
کریں کہ میسرے عدم موجودگی میں یہاں سے تیمور کی لاش اور وہ کپڑے جن پر خون
لگا ہوا تھا۔ میں نے دھو دیئے ہیں۔ وہ بھی لے جائیں تاکہ شک نہ پڑے اور —
صفدر نے رابطہ ملتے ہی کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں انتظام کر اؤنگا۔ ہاں! اس بات کا خیال
رکنا کہ لیبارٹری سے مجھے کال نہ کرنا اور وہاں محتاط رہنا۔ کہیں کسی کو ہم پر شک
نہ ہو جائے۔ وہاں کنٹرول فریدی کی بیک فورس کا جال بچھا ہوا ہوگا اور —
عمران نے اسے ہدایت دی۔

”ٹھیک ہے۔ میں خیال رکھوں گا۔ اور —“ صفدر نے جواب دیا۔
”اور اینڈ آف —“ عمران نے کہا اور رابطہ ختم ہو گیا۔

صفدر نے اپنی گھڑی اتار کر وہیں میز کی دراز میں رکھی اور تیمور کی گھڑی پہن لی۔
پھر وہ کار لے کر کوٹھڑی سے نکل گیا۔ کوٹھڑی کے گیٹ پر اس نے جان بوجھ کر تالا نہیں
ڈالا تھا۔

”فریڈیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ — ”مینجر نے اشتیاق آمیز
ہجے میں کہا۔“

”آپ بریف کیس تیار کرتے ہیں؟“ — ”کرنل فریدی نے پوچھا۔
”جی ہاں جناب! — ہماری کمپنی ہر قسم کے بریف کیس تیار کرنے میں بین الاقوامی
شہرت رکھتی ہے۔“ — ”نوجوان مینجر نے بڑے فخر سے جواب دیا۔
”مجھے ایک خاص قسم کے بریف کیس تیار کروانے ہیں — کیا آپ میری ہدایت
کے مطابق اس قسم کے بریف کیس تیار کر دیں گے؟“ — ”کرنل فریدی نے کہا۔
”آپ ہدایات دیجئے — مجھے امید ہے کہ آپ کی مرضی کے مطابق بریف کیس
بن جائیں گے۔“ — مینجر نے جواب دیا۔

”بہتر ہے۔“ — آپ ایک سال سائز کا بریف کیس بنوادیکجئے۔ جس میں ہر ایک
اس قسم کا لاک لگا ہوا ہو کہ جب اسے مخصوص چابی کے بغیر کھولا جاتے تو اس میں سے
ایک مخصوص قسم کی گیس نکلے۔ اس لاک میں سپرے ٹائپ کا نظام ہو اور چھوٹا سا گیس بھرنے
کا خانہ بھی ہو۔ دوسرا اس بریف کیس کی تہہ ڈبل کی بجائے تھری ہو۔ یعنی اس
کی تین تہیں ہوں لیکن باقی دو تہیں اتنی خفیدہ رکھی جائیں کہ وہ کسی طرف سے بھی
محسوس نہ ہوں اور بریف کیس کی سائیڈوں اور چھت کے اندر میگنٹ دھات کی پلیٹیں موجود
ہوں جن کا کنکشن ایک ایسی اینٹک بیٹری سے ہو کہ جب بھی کوئی شخص ان تہوں کو
پھاڑنا چاہے تو جیسے ہی وہ آگیا ہاتھ اس میگنٹ دھات کی پلیٹ سے ٹکرائے تو
اسے زبردست شاک پڑے۔“ — ”کرنل فریدی نے مخصوص بریف کیس کے لئے
ہدایات دیں۔“

”کرنل صاحب! — بڑا عجیب قسم کا بریف کیس ہو گا یہ۔“ — مینجر نے حیرت
سے مہنویں اُبھارتے ہوئے کہا۔

فریدی نے عید کو حکم دیا کہ وہ یہوش کیپٹن شکیل کو کوٹھی لے جاتے اور خود کار
لے کر شہاب روڈ کی طرف چل پڑا۔ اس کی ٹنکن شہاب روڈ کو کراس کرتی ہوئی ہال روڈ
پر آئی۔ پھر ہال روڈ کی ایک بلند بالا عمارت کے سامنے اس نے کار روک دی۔ کار سے
اتر کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا دوسری منزل پر آیا اور پھر ایک کمرے کے دروازے
کے سامنے رک گیا۔

اس دروازے کے باہر میسرز لاک اینڈ سنسز کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ فریدی نے ایک
لمبے رک کردہ بورڈ پر ٹپکا اور پھر دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک خاصا وسیع وغیرفین کمرہ تھا جس میں چار کلرک مختلف میزوں پر بیٹھے
کا۔ کمرے میں تھے۔ کمرے کی سائیڈ میں ہی ایک کیبن بنا ہوا تھا جس کے باہر مینجر کی تختی
لگی ہوئی تھی۔ دروازے کے باہر سٹول پر بیٹھے ہوتے چپراسی کو اس نے جیب سے کلار
نکال کر دیا۔ ایک منٹ کے بعد وہ مینجر کے کمرے میں موجود تھا۔

”تشریف لائیے جناب کرنل صاحب! — زبے نصیب! —“ — نوجوان مینجر نے
اٹھ کر کرنل فریدی کا استقبال کیا۔

”شکریہ! —“ — کرنل فریدی نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر
مینجر اور کرنل فریدی سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔

”ہاں۔ اسی لئے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔“ کرنل فریدی نے بخیرگ سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی کے مطابق یہ کام کر دیا جائے گا۔“ مگر وہ ایک بیٹری اور گیس کا سنڈر آپ کو بھیجا کرنا پڑے گا۔“ منجھرنے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہ چیزیں میں اپنے کسی آدمی کے ہاتھ بھیج دوں گا۔“ کرنل فریدی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ آج اگر آپ یہ چیزیں بھیجا دیں تو کل ہی بریف کیس آپ کو پہنچا دیئے جائیں گے۔“ منجھرنے جواب دیا۔

”بہتر ہے۔ اس ٹائپ کے دو بریف کیس آپ تیار کروا کر میری کوٹھی بھیجا دیں۔“ کارڈ آپ کے پاس ہے۔“ کرنل فریدی نے کہا۔

”بہتر جناب۔“ منجھرنے جواب دیا۔

”یہ خیال ہے کہ یہ کام بے خفیہ طور پر کرانا ہے۔ کسی اور کو ان بریف کیسوں کے متعلق پتہ نہ چلے۔“ کرنل فریدی نے ہدایت دی۔

”میں سمجھتا ہوں جناب۔“ منجھرنے جواب دیا۔

”اچھا اب اجازت۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ٹھہریئے۔ چائے پی لیجئے۔“ واصل آپ کی آمد سے اتنی حیرت ہوئی کہ میں چلتے منگوانا ہی بھول گیا۔“ معافی چاہتا ہوں۔“ منجھرنے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ آپ تکلیف مت کریں۔ مجھے ضروری کام ہے۔“ کرنل فریدی نے خوش اخلاقی سے کہا اور پھر وہ منجھرنے کے ہاتھ ملا کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ

بیڑھیں اتر کر جیسے ہی کاریں آکر بیٹھا تو دُوبری طرح چڑکا۔ کیونکہ کاریں لگے ہوئے ٹرانزیکٹو بلب بار بار اس پار کنگ کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کسی کو قریب نہ پا کر بٹن آن کر دیا۔

”ہیلو۔“ ہارڈ اسٹون پکینگ۔ اور۔“ فریدی نے بٹن آن کر کے کہا۔

”نمبر سکس پکینگ سر۔“ کیپٹن جمیڈ کی کار کو تنزرد ڈ کی ایک زیر تعمیر کوٹھی کے قریب کھڑی ہے اور اس کا ایک ڈائریکٹ ہو چکا ہے۔“ کار کا ڈائریکٹ پر برسٹ ہوا ہے اور پھر اسے چلا کر کوٹھی تک لے آیا گیا ہے وہاں ایک اور کار کی موجودگی بھی ظاہر ہوتی ہے جو آپ کی کوٹھی کی طرف گئی ہے۔ اور۔“ نمبر سکس نے اطلاع دی۔

”تم کس وقت وہاں پہنچے تھے۔ اور۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”تقریباً پندرہ منٹ پہلے۔“ تب سے میں آپ کو کال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور۔“ نمبر سکس نے بتلایا۔

”اچھا۔“ تم وہیں ٹھہرو۔ میں خود آ رہا ہوں۔ اور۔“ فریدی نے کہا اور پھر بٹن آف کر دیا۔

اب فریدی کی کار تیزی سے کوٹنیز روڈ کی طرف اڑی پل جا رہی تھی۔ اور پھر جلد ہی وہاں پہنچ گئی۔ جمیڈ کی کار کے قریب ہی نمبر سکس کی موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ فریدی نے کار سے اتر کر موقعہ کا بغور معائنہ کیا۔ اور پھر سر ہلاتا ہوا واپس اپنے کمرے آکر بیٹھا گیا۔

نمبر سکس۔“ تم اس کار کا ڈائریکٹ کر کے کار کو کوٹھی لے آؤ۔“ فریدی نے سکس کو حکم دیتے ہوئے اپنی کار اسٹارٹ کی اور پھر وہ کوٹھی کی طرف تیزی سے دوڑنے لگا۔ کوٹھی پر پہنچ کر وہ سیدھا ڈائریکٹ روم میں آیا اور اس نے ریپور ملتا کر نمبر

اوس کے سر — میں ابھی بھجوا دیتا ہوں — ممبر الیون نے جواب دیا۔
 کرنل فریدی نے کرٹیل و باکر دوسرے ممبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔
 بعد ہی رابطہ مل گیا۔

”ہارڈ اسٹون“ فریدی غرایا۔

”لیس سر — دن نیدر سپیکنگ“ — دوسری طرف سے جواب ملا۔
 ”دن زیرو — پوری طرح سے ہوشیار رہو — لیبارٹری میں آنے والے
 برآمدی پر چاہے وہ کتنا ہی اونٹنی یا اعلیٰ آفیسر ہو۔ گہری نظر رکھو — میں اس
 سے میری معمولی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا“ — کرنل فریدی نے سرو
 لہجے میں کہا۔

”ہم پوری طرح چوکنا ہیں جناب — آپ بے فکر رہیں“ — دن زیرو نے
 جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — آئندہ مجھے ڈیلی رپورٹ دیا کرو“ — فریدی نے حکم دیتے
 ہوئے کہا۔

”اوس کے سر“ — دن زیرو نے جواب دیا۔

کرنل فریدی نے ریسور کرٹیل پر رکھ دیا اور پھر سونے سے پہلے مطالعہ کے لئے
 لاہوری میں چلا گیا۔

صبح ابھی کرنل فریدی ناشتہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے
 لگی۔ فریدی نے چونک کر ریسور اٹھایا۔

”یس“ — فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

”ممبر الیون سر — عمران کا پتہ چلا لیا گیا ہے جناب“ — ممبر الیون کے لہجے
 میں فخر تھا۔

ڈائل کنے اور ممبر رابطہ قائم کرتے ہی وہ غرایا۔
 ”ہارڈ اسٹون“

”ممبر الیون سر“ — دوسری طرف سے ایک مودبانہ آواز سنائی دی۔

”ممبر الیون — کیا بات ہے —“ بلیک فورس کیوں یکدم نکلی ہوئی جا
 ہے —؟ عمران شہر میں موجود ہے — عمران کے ساتھی ملک میں داخل ہونے میں
 ہو گئے ہیں — حمید کو عمران نے اغوا کر لیا ہے — اور تم سب سو
 ہوئے ہو“ — فریدی کے لہجے میں بالکل بھیڑیئے جیسی غراہٹ تھی۔

”سر — پوری بلیک فورس مستعد ہے لیکن“ — دوسری طرف
 ممبر الیون کی مزیدہ آواز سنائی دی۔

”میں لیکن دیکھ نہیں جانتا — تم تمام بلیک فورس کے ممبران کو الٹ کر دو۔
 اب اگر کسی سے کوتاہی ہوئی تو اس کا انجام بڑا ہی بھیاک ہوگا“ — فریدی کے
 میں غراہٹ کا عنصر بڑھتا گیا۔

”بہت بہتر جناب! — اب آپ کو شکایت نہ ہوگی“ — ممبر الیون نے
 جواب دیا۔

”دیکھو — میں برقیات پر عمران اور حمید کا پتہ چلانا چاہتا ہوں اور اس
 لئے میں قبیل صرف صبح تک کا وقت دوں گا — صبح میسر پاس رپورٹ پہنچ
 چاہئے کہ عمران اور حمید کہاں ہیں“ — کرنل فریدی نے حکم دیا۔

”بہت بہتر جناب — صبح تک آپ کو رپورٹ پہنچ جائے گی“ — ممبر الیون
 نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

”اور ہاں — ممبر زیرو سکس کی ایک دو بیٹریاں اور دو کاسک گیس کے سلنڈر ہال
 پر لاک اینڈ سنز کے مینجر کو پہنچا دو“ — فریدی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”اوہ — ویری گڈ — پوری رپورٹ دو“ — کرنل فریدی کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں۔

”شہاب کالونی کی بیسرونی سڑک پر نمبر سکسٹی کو ایک کار پر شک پڑا۔ اس کی پچھلے سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے متعلق اسے شک ہوا کہ وہ مروجہ تھا۔ نمبر سکسٹی نے اس کا تعاقب کیا — کار شاداب کالونی کی ایک کومٹی میں چلی گئی۔ نمبر سکسٹی داخل ہوا تو اسے وہاں عثمان نظر آیا — عثمان گو میک آپ میں تعاقب نمبر سکسٹی پہچان گیا — نمبر سکسٹی نے باہر نکل کر مجھے رپورٹ دی اور میں نے کومٹی کے محاصرے کا حکم دے دیا ہے — اور اب آپ کو رپورٹ دے رہا ہوں نمبر الیون نے تفصیل سے رپورٹ دی۔

”ٹھیک ہے — کومٹی کا کیا فیصلہ ہے؟“ — فریدی نے پوچھا۔

”نمبر ۳۱ سر — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”اوکے — میں ابھی وہاں پہنچتا ہوں — میرے خیال میں حمید بھی اس کومٹی میں ہوگا“ — فریدی نے خیال ظاہر کیا۔

”جی ہاں — امید تو یہی ہے“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — تم بھی وہیں پہنچ جاؤ“ — فریدی نے کہا اور رسید رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھ کر تیزی سے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد اس کی شاداب کالونی کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی۔

نعمانی تادور کی کومٹی سے نکل کر سڑک پر پہنچا۔ اس نے ٹیکسی روکی اور اسے صدر چلنے کو کہا۔ جلد ہی ٹیکسی نے اسے صدر کے چوک پر اتار دیا۔ نعمانی ایک ریٹائرڈ میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ کہاں جائے — ؟ عثمان نے راتش کا مسئلہ ان کے اپنے سر ڈال دیا تھا۔ وہ پہلی بار اس ملک میں آیا تھا اس لئے وہ اب پریشان تھا کہ اب کہاں جلتے۔ کسی ہوٹل میں ٹھہرنا بے حد خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس ہوٹل میں آنے والے ہر نئے مسافر پر گہری نظریں رکھ رہی ہوگی۔

کافی دیر تک وہ اسی سوچ بچا۔ میں مصروف رہا۔ اسے کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پیالی اس نے سامنے رکھی ہوئی تھی اور سوچ میں گم تھا۔ اسے وہاں بیٹھے ہوتے کافی سے زیادہ دیر ہو گئی تھی اور وہ اب تک تین چار بار چائے پی چکا تھا۔

کاؤنٹر پر موجود قوی میکسٹن شخص نعمانی کی طرف کافی دیر سے متوجہ تھا۔ جب نعمانی کو بیٹھے کافی دیر ہو گئی تو وہ کاؤنٹر سے باہر آیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا نعمانی کی میز کی طرف بڑھا۔

نعمانی نے اس وقت غنڈوں جیسا میک آپ کیا ہوا تھا اور پھر اس کا سٹول اور

مضبوط جسم دیکھنے والوں پر خواہ مخواہ رعب طاری کر دیتا تھا۔
 "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" — کاؤنٹر کلرک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 نعمانی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس نے ایک نظر بغور کاؤنٹر کلرک کو دیکھا
 پھر مسکرا کر اسے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔
 کاؤنٹر کلرک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔
 "مجھے جگہ کتنے ہیں؟" — اس نے بڑے مخزیہ لہجے میں اپنا تعارف کر لے
 ہوئے کہا۔

"مجھے ناگل کے نام سے پکارا جاتا ہے" — نعمانی نے اسے التماسیدھا
 بتلادیا۔
 "ناگل؟" — جگو اپنی جگہ سے بری طرح اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے
 پھٹنے کے قریب ہو رہی تھیں۔
 "ہاں! — مگر تم حیران کیوں ہو گئے؟" — نعمانی کی آنکھوں میں حیرت
 عود کر آئی۔

"ناگل دادا! — تم یہاں کیسے؟ اور پھر بڑے غیر بن کر بیٹھے ہو۔
 تمہارے مدت سے پرستار ہیں۔ ہمیں کوئی حکم دو" — جگو نے بڑے خوشامد
 انداز میں کہا۔

نعمانی کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگل کوئی مشہور غنڈہ ہوگا
 اور یقیناً کہیں باہر کا ہوگا۔ در نہ یہ پہچان جانا کہ وہ ناگل نہیں ہے۔ اس لئے وہ سنبھل
 گیا اور اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچا۔

"کچھ نہیں — میسر باز دہل میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ میں خود اپنے مسائل
 حل کر سکوں" — نعمانی نے خالص غنڈوں والے لہجے میں کہا۔

"تو چلو دادا سرکار فیروز کے پاس — وہ تمہیں دیکھ کر بڑا خوش ہوگا" —
 جگو نے کہا۔

"کہاں ہے وہ؟" — نعمانی نے پوچھا۔
 "یہ اڈہ اسی کا ہے دادا — اور ہمیں خوشی ہے کہ آپ یہاں آئے
 ہیں" — جگو نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔ اس کے چہرے سے ایسا
 محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بے انتہا خوش ہو۔
 "چلو" — نعمانی نے کہا۔

اور وہ دونوں اسی گھر سے ہوئے۔
 جگو نعمانی کو لے کر سیدھا منیجر کے کمرے میں گیا۔ وہاں جا کر اس نے میز کے نیچے
 لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور کمرے کی پشت کی دیوار پر لگی ہوئی الماری گھوم گئی۔ اب
 وہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں ان سیڑھیوں پر سے نیچے اتر کر ایک بہت بڑے
 بال میں پہنچ گئے۔

یہاں بڑے زوروں کا جوا ہورہا تھا۔ وہ دونوں لاپرواہی سے وہاں سے
 گزرتے ہوئے کونے میں بنے ہوئے ایک کیبن میں چلے گئے۔ کیبن خالی تھا۔
 وہاں لگے ہوئے ایک خفیہ بٹن کو جگو نے دبایا تو کیبن کی سائیڈ کی دیوار کھل گئی
 وہاں پر مزید سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں سیڑھیاں اترنے لگے۔

"بڑا چکر چلایا ہوا ہے فیروز نے" — نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "جی ہاں! — ہمارا سردار دارالحکومت کا سب سے بڑا دادا ہے جناب!
 جگو نے مخزیہ لہجے میں بتایا۔

"تو کیا کرنل فریدی کو اس اڈے کا پتہ نہیں ہے؟" — نعمانی نے سوال
 کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ کیونکہ ابھی تک سردار فیروز نے کرنل فریدی سے براہ راست ٹکریل سے گریز کیا ہے اس لئے۔۔۔ جگو نے بتلایا۔"

"اب وہ ایک کمرہ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے جو بند تھا۔ جگو نے آگے بڑھ کر دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی۔"

"آجاؤ۔۔۔ اندر سے بھیڑیے جیسی غراہٹ بلند ہوئی۔ جگو نے ہاتھ کا دباؤ دے کر دروازہ کھول دیا۔ اندر ایک صوفے پر قاضی شخص جو شکل سے بھی نامی گرامی غنڈہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک نیم عریاں اینگلو انڈین عورت کو بغل میں دباتے پڑا تھا۔"

سامنے میز پر شراب کی بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اینگلو انڈین عورت کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا اور فیروز کی آنکھیں کثرت شراب نوشی سے گہری سرخ ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے جگو۔۔۔؟ یہ کون سی تیرے ساتھ۔۔۔ فیروز نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ اسے شاید جگو کی دخل اندازی ناگوار گزری تھی۔"

"سردار!۔۔۔ یہ راج پور کے ناگل دادا ہیں۔۔۔ جگو نے اخانی کا تعارف کرایا اور نعمانی نے راج پور کا نام سن کر اطمینان کی طویل سانس لی۔ کیونکہ یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا جسے جگو نے خود ہی حل کر دیا تھا۔"

"اوہ ناگل دادا۔۔۔ فیروز حیرت سے اپنی جگہ سے اُچھلا۔ اس کی آنکھوں سے شدید حیرت صاف جھلک رہی تھی۔"

اینگلو انڈین عورت کے چہرے پر ناگل کا نام سن کر خون کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"ریٹا۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔ آؤ ناگل دادا۔۔۔ آؤ بیٹھو۔۔۔ زبے نصیب آج میرے

اڑے کی خوش قسمتی ہے کہ ناگل دادا یہاں آتے ہیں۔۔۔ ارے جگو فوراً دلا تھی شراب کی بوتلیں لے آؤ۔۔۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ناگل دادا شراب پینے میں دُور دُور تک مشہور ہے۔۔۔ فیروز کی خوشی سے باچھیں بھی نہیں مل رہی تھیں۔ اینگلو انڈین عورت جس کا نام ریٹا تھا، اس تیزی سے کمرے سے باہر نکلی جیسے اس کے پیچھے مہوت لگے ہوئے ہوں۔"

"ابھی لایا سردار۔۔۔ جگو واپس مڑا۔ "مٹھرو جگو۔۔۔ شراب مت لانا۔۔۔ میں نے سچے دنوں سے شراب پینی چھوڑ دی ہے۔۔۔ مجھے ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا ہے۔۔۔ نعمانی نے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہا۔"

"ارے ناگل دادا۔۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔؟ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔۔۔ وہ جو شراب پیتے والوں کے لئے ایک مثال بن گیا تھا۔ اس نے شراب چھوڑ دی۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ فیروز نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔"

"ہاں میں نے چھوڑ دی ہے۔۔۔ نعمانی نے نکتہ جواب دیا۔ "اچھا ناگل دادا۔۔۔ تمہاری مرضی۔۔۔ جگو تم کا ذہن پر جاؤ۔۔۔ فیروز نے جگو کو واپس بلانے کا حکم دیا۔"

"چاہے تو چاہے گئے۔۔۔ فیروز نے پوچھا۔ "ہاں۔۔۔ چاہے سنگھار لو۔۔۔ نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور جگو سر ہلاتا ہوا واپس مڑ گیا۔"

"تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو ناگل دادا۔۔۔ کوئی میسر لائق خدمت بر تو حکم دو۔۔۔ فیروز نے بغور نعمانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔"

"نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ وراسل ایک الجھن بھٹی بس اسی نے مجھے

پریشان کر رکھا ہے۔ — نعمانی نے کہا۔

کیا میں وہ الجھن معلوم کر سکتا ہوں جس کے لئے تمہیں یہاں دار الحکومت لانا پڑا۔ — فیروز نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ — پہلے تم یہ بتلاؤ کہ کرنل فریدی آج کل کہاں نعمانی نے سوال کیا۔

”ارے ناگل دادا — کہیں کرنل فریدی سے ملتا تو نہیں لڑا بیٹھے۔“

”تو قدرے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”فرض کرو اگر ایسا ہو گیا ہے تو — نعمانی نے ذرا طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

”اگر ایسا ہوا ہے تو بڑا ہی خطرناک معاملہ ہے۔ کرنل فریدی تو بہت بھوت — جس کے پیچھے لگ جائے۔ پاناں تک نہیں چھوڑتا۔“ فیروز کے

میں بدستور پریشانی ممتی۔

”اگر تم کرنل فریدی سے اتنے ہی خوفزدہ ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ تم سے کسی کے بارے میں بات کرنا ہی فضول ہے۔“ نعمانی نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ناگل دادا — تم نہیں سمجھتے کہ کرنل فریدی کیا چیز ہے۔ اس سے تم موت کو دعوت دیتا ہے۔“ فیروز نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

”تمہارے اعصاب پر کرنل فریدی سوار ہے۔ تم بے فکر ہو۔ ابھی ناگل کے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ کرنل فریدی کی گردن توڑ سکے۔“ نعمانی کے لہجے میں جیسا تک غراہٹ ممتی۔

”تم ٹھیک کہتے ہو ناگل دادا — تمہاری شہرت بھی تو کرنل فریدی سے کم

نہیں ہے مگر۔“ فیروز نے جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں تو نہیں کہہ رہا کہ تم میرا ساتھ دو۔ میں خود ہی کرنل سے نیٹ لوں گا۔“ مجھے بزدل انسانوں سے نفرت ہے فیروز! اس لئے

تم اس بات کو مزید نہ بڑھاؤ۔“ نعمانی نے غراتے ہوئے کہا۔

”دادا تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو۔ سردار فیروز کو جس کے سامنے آتے ہی بڑے بڑے غنڈوں کی روح فنا ہو جاتی ہے۔“ فیروز نے کہا۔

”کیا خاک کا پتے ہوں گے۔“ کرنل فریدی کے سلسے میں تو وہ بالکل عورتوں جیسی باتیں کرنے لگے سو۔“ نعمانی نے اسے غصہ دلاتے ہوئے کہا۔

”ناگل دادا! — تم مجھے غصہ دلارہے ہو۔ خدا کی قسم اگر فیروز مت بے میں آجائے کرنل فریدی کو بھی ایک بار چھٹی کا دورہ یاد آ جائے گا۔“ فیروز کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

”چھوڑو یار۔ ہمیں نہ بتاؤ۔ ابھی تم کچھ کہہ رہے تھے۔ ابھی غصہ آیا تو کچھ کہنے لگے۔“ نعمانی نے اسے مزید بانس پر چڑھایا۔

”ناگل دادا! — یہ تم کہہ رہے ہو اور میں سن رہا ہوں۔ درنہ کسی اور نے اگر اس سے آدھے الفاظ بھی کہے ہوتے تو اب تک اس کی لاش تڑپ رہی ہوتی۔“

تم بے فکر رہو۔ واقعی میں نے بزدلی سے کام لیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم دونوں مل کر فریدی کو بتلا دیں گے کہ وہ اب تک مہولارہا ہے۔“

فیروز بانس پر چڑھ ہی گیا۔

”سوچو۔ کہیں بعد میں ارادہ تبدیل نہ ہو جائے۔“ نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں ناگل دادا! — فیروز ایک بار جو فیصلہ کرے۔ صرف موت ہی اسے رک

سکتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے قید سے بٹا نہیں سکتی۔ فیروز نے اٹل متھا۔

”تو ٹھیک ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اب تم نے صحیح معنوں میں مردانہ فیروز کیا ہے۔“ نعمانی نے اس سے بات چلتے ہوئے کہا۔

”اب تم مجھے اپنی انجمن بتاؤ۔“ فیروز نے قدرے ٹھنڈے پڑے ہوئے کہا۔

”دراصل ایک بہت بڑی پانی نے مجھ سے بات کی ہے اور کہیں زندگی میں وعدہ اس پر نہ کی ہے میری ماں پہانی منی اس لئے میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتا ہوں۔ لیکن بہت مہنگی ہے۔ رقم میں کافی کمی ہے۔ دو سو رقم میں نہیں ہے۔ کیونکہ میں تو بہت احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں اس لئے میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گا۔“ نعمانی نے دادا نے کہا۔

”تم عظیم ہو دادا۔ تمہارے متعلق جیسے سنتے تھے تم ویسے ہی ہو۔ کام تو بدلتا ہے۔ فیروز نے اسے تحیہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کام صرف اتنا ہے کہ پاکیشیا کا ایک سائنس دان پرودہ ڈاکٹر ریمنا لڈ ہوا۔ فارمولے کے دباؤ سے فرار ہو کر میاں آیا ہے۔ اس فارمولے سے اور پرودہ سے اغوا کر کے واپس لے جانا ہے۔“ نعمانی نے اسل بات بتلا دی۔

”ادہ۔“ خاصا خطرناک کام ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ کرنل فریدی تعلق اس سے کیسے ہے؟ فیروز نے پوچھا۔

”کرنل فریدی آج کل اس پرودہ اور فارمولے کی حفاظت کر رہا ہے اس لئے صاف ظاہر ہے کہ متاثرہ براہ راست کرنل فریدی اور اس کی جیب فورس سے ہوگا۔“ نعمانی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ کتنی رقم کی آفر کی ہے پارٹی لے۔“ فیروز اپنے اصل مطلب پر آگیا۔

”دس لاکھ کی۔“ لیکن سوچ لو کہ پیشگی کچھ نہیں ملے گا۔“ نعمانی نے جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں نا گل دادا۔ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ بہر حال میں آج ہی اپنے گھر گئے چھوڑ دیتا ہوں۔“ فیروز نے رضامند ہوتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے تو یہ پتہ کرنا ہے کہ وہ پرودہ اور فارمولا کہاں ہے؟“ پھر کوئی انجمن لیا جاسکتا ہے۔“ نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تم بے فکر ہو دادا۔ کرنل فریدی کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور ہم فارمولے اور پرودہ کو اٹالیں گے۔“ فیروز نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں بھی آج سے میک آپ تبدیل کر کے کام کروں گا۔ مجھے ایک کار چاہیے استعمال کے لئے۔“ نعمانی نے کہا۔

”مل جائے گی دادا۔ تمہارے لئے کاروں کی کوئی کمی ہے۔“ چلتے ادہ شگواؤں۔“ فیروز نے پوچھا۔

”نہیں کافی ہے۔ اب میں آرام کروں گا۔“ نعمانی نے اکتاتے ہوئے بے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آؤ میں تمہیں کمرہ دکھا دیتا ہوں۔ امید ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نعمانی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کمرے کے پاس ہی ایک دوسرا کمرہ تھا جو ہر قسم کے ساز و سامان سے پوری طرح سجا ہوا تھا۔ فیروز اسے وہ کمرہ دکھا کر واپس چلا گیا اور نعمانی نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کیا اور پھر اٹلیان کی ایک طویل سانس لی۔ اس

نے ایک بہت بڑا مرحلہ طے کیا تھا۔ قدرت نے واقعی اس کی مدد کی تھی۔ اگر ناگوار نام اتفاقیہ اس کے منہ سے نکل نہ جاتا تو کہاں وہ اس محفوظ مقام تک پہنچ سکتا؟ اس نے گھڑی کا دنڈ بٹن کھینچا اور پھر عمران کو مکمل تفصیل سے آگاہ کرنے میں مدد ہو گیا۔



ناور عمران کو لے کر اپنے دوست کی کوٹھی شاداب کالونی نمبر ۲۱ میں لے گیا۔ ماضی وسیع و عریض کو مٹھی مٹھی کر چھٹی تک جاتے جاتے کیپٹن شکیل کو ہوش آ گیا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں دھوئیں۔ کوٹھی پہنچ کر عمران نے حمید کو ایک کرسی سے مضبوطی سے باندھ دیا۔ وہ ایک بے ہوش تھا اور عمران کیپٹن شکیل سے حالات سننے لگا۔ کیپٹن شکیل نے اپنی حمید اور کرنل فریدی کی جھڑپ کا حال تفصیل سے سنا دیا۔

لیکن کرنل فریدی تم تک اتنی جلدی کیسے پہنچ گیا؟ — عمران نے متحیر ہو کر سوچا۔

”میں نے خیال میں اس نے مجھے راستے میں چیک کر لیا تھا۔ آپ بتا رہے کہ اس کے پاس لنگن ہے۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ لنگن میرے پاس سے گزرا۔“

تھی اور پھر کافی دور جا کر رک گئی تھی۔ مجھے چونکہ خیال بھی نہیں تھا اس لئے میں نے ایک بھی نہیں کیا۔ — کیپٹن شکیل نے رائے پیش کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے تمہیں پہچان کیسے لیا؟ — جبکہ تم نے میک آپ بھی نہیں کیا تھا اور کرنل فریدی تمہیں پہلے سے جانتا بھی نہیں تھا۔ — عمران نے سوچتے ہوئے کہا۔

”وہ دراصل میرے چہرے پر میک آپ سمجھا۔ اسی لئے پیچھے لگ گیا۔“ کیپٹن شکیل نے کہا۔

”تم بھیک کہہ رہے ہو۔ — یہی بات ہو سکتی ہے؟ — عمران اب وجہ سمجھ گیا تھا۔

ناور خاموش بیٹھا تھا۔

ناور! — تم ذرا کیپٹن حمید کو ہوش میں لے آؤ۔ — عمران نے نادر کی طرف دیکھ کر کہا۔

ناور کرسی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ چند لمحے بعد وہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لے کر واپس آ گیا۔ اس نے حمید کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ جلد ہی حمید ہوش آ گیا۔

”کیا حال میں کیپٹن حمید؟ — مزے ہو رہے ہیں؟ — عمران نے ہنستے ہوئے کیپٹن حمید سے کہا۔

”عمران! — تم کسی دن میرے ہی ہاتھوں مارے جاؤ گے۔“ حمید نے غصہ سے بے بسی سے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔

”شہید ناز کہلاؤں گا ڈیر۔“ عمران نے جواب دیا۔

”ہول۔“ شہید ناز کا صرف لفظ ہی سنا ہے تم نے۔ — اس وقت پوچھ نہ سکتا تھا۔

جب موت بن کر تم پر چھٹوں گا۔ — حمید ابھی تک شدید غصہ میں مبتلا تھا۔

”ارے ارے کیوں غصہ دکھلا رہے ہو — تم تو صرف آنکھ مار دو۔“

پٹ سے گر کر مر جاؤں گا۔ — عمران نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

”تم اس لئے باتیں بنا رہے ہو کہ میں بندھا ہوا ہوں درنہ تمہاری زبان کہ

خاموش ہو چکی ہوتی۔“ حمید نے اسے غصہ دلانا چاہا۔

”حمید ڈیڑھ — میرے دماغ میں غصہ والا خانہ ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں

اس لئے تمہاری کوشش فصول ہے۔“ — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بے غیرت ہو اس لئے۔“ حمید نے جل کر کہا۔

”کنفیو شس نے کہا ہے کہ دو چار سوتیوں سے عزت جاتی نہیں — اور ہر

سو کوئی مارنے نہیں آتا۔“ کیا سمجھے؟ — عمران نے ڈھیٹ بن کر کہا۔

حمید خاموش رہا۔ خواجہ جی جلانے کا کیا نامہ —؟

”اچھا تمہید صاحب! — یہ بتائیے کہ پروفیسر آج کل کون سی لیبارٹری میں کام

کرتے ہیں۔“ — عمران نے سنجیدہ ہو کر پہلا سوال کیا۔

”جہنم میں۔“ — حمید نے غصہ میں جواب دیا۔

”بہت خوب۔“ بڑی اچھی جگہ ملی ہے اسے ساگا لیسنڈ میں۔“

نہ جواب دیا اور نادور سنس پڑا۔

”ہاں۔“ تمہیں بھی عنقریب وہاں بھیج دیا جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔“

نے غصہ سے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔

”جہاں تم جیسے آدمی ہوں وہاں میرے جیسے شریف آدمی کے لئے کہاں جگہ

ہو سکتی ہے۔“ — عمران نے چوٹ کی۔

”گد عاسب سے زیادہ شریف ہوتا ہے۔“ حمید نے چوٹ کی۔

”بے شک بے شک۔“ بڑا اچھا لقب دیا ہے تم نے اپنے آپ کو۔“ جواب

نہیں۔ اچھا یہ تو بے تلافی۔ وہ تمہاری جہنم جہنم کہاں واقع ہے۔“

”مران دوبارہ اپنے مطلب پر آگیا۔“

”میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دینگا۔“ حمید نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

”نہ دو۔“ اگر میں تمہاری جہنم جہنم بتا دوں تو۔“ — عمران نے بھی بڑے اعتماد

سے جواب دیا۔

”بتاؤ۔“ حمید اسے چیلنج کرتے ہوئے بولا۔

”جہنم۔“ عمران نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

اور پٹن شکیل اور نادور کھٹکھٹا کر سنس پڑے اور حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔

اسی وقت عمران کی رلیٹ واپس سے ہلکی سیٹی کی آواز آنے لگی۔ وہ

فریاد اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”نارنار پر صفر بول رہا تھا۔ اس نے اپنے دوست کے متعلق تمام رپورٹ اسے دے

دی۔ عمران اسے مزید احکامات دے کر واپس آگیا۔ وہ جو کچھ حمید سے پوچھنا چاہتا

تھا وہ صفر نے اسے بتا دیا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آگیا۔

”نادور! — حمید صاحب کو نیچے تہہ فلنے میں بند کر دو۔“ عمران نے کمرے میں

واپس آکر نادور سے کہا۔

نادور نے حمید کی رسیاں کھول دیں لیکن اس کے ہاتھ اب بھی سچھلی عورت بندھے

ہوئے تھے۔ ریوالتور کی نال پر وہ اسے نیچے تہہ خانے میں لے گیا۔

”کیپٹن شکیل! — تم ایسا کرو کہ میک آپ کر لو۔ اس کو مٹھی کے سامنے والی

کونٹھی خالی پڑی ہوئی ہے۔ تم اس کی دوسری منزل پر ٹھیرہ لگا لو۔ نادور تمہیں دور بین

دے دیگا۔“ تمہارا کام فی الحال اس کو مٹھی کی نگرانی کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے شک

سے کو کرل فریدی ضرور اس کو معنی کو تلاش کر لے گا۔ کسی بھی مشتبہ آدمی کو درپور فوراً مطلع کرنا۔ کہیں بے خبری میں مارے نہ جائیں۔ — عمران نے کیپٹن شکیل سے کہا، اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میسر بیگ میں میک آپ کا سامان ہے۔ تم اپنی مرضی سے میک کر لو۔ — عمران نے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور کیپٹن شکیل نے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد نادور آگیا۔

”نادور! — صبح ہل کا لوٹی کی کو معنی نمبر ۱۲ چلے جانا۔ وہاں سے ایک لاکش غسل خانے میں موجود کپڑے اٹھا کر لے آنا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ —“

”بہت بہتر۔ — میں صبح چلا جاؤں گا۔“ نادور نے جواب دیا۔

”ایک اور بات — میرا خیال ہے کہ میں اکیلا کسی اور جگہ سٹنٹ ہو جاؤں گا۔ کسی وقت کرل فریدی کو پتہ چل جائے تو دونوں چکر میں نہ پڑ جائیں۔“ عمران رائے پیش کی۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ نادور نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ تم صبح ایسا کرنا کہ حمید کو بیہوش کر کے ساتھ لے جانا اور راستے میں ڈال دینا۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔“ عمران نے کہا۔

”بہتر۔ — نادور نے کہا۔

”اچھا اب میں سونے کے لئے بنانا ہوں۔ تم آدھی رات تک پہرہ دینا اور آدھی رات کے بعد میں پہرہ دوں گا۔“ عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ ضروری ہے؟“ نادور نے سوال کیا۔

”ہاں۔ بے مد ضروری ہے۔“ عمران نے کہا اور پھر جمانی لیتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔



کیپٹن شکیل رات سے ہی سامنے والی کو معنی کی دوسری منزل پر ڈیرہ جمانے ہوئے تھا۔ صبح نادور اس کے سامنے ہی کارے کر کو معنی سے نکلا تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی وہ کار واپس بھی آئی تھی لیکن چند لمحے بعد وہ ایک اور کار کو معنی سے دور دور رکتے دیکھ کر چونک پڑا۔

کار میں سے ایک خوش رو مضبوط جسم والا نوجوان باہر نکلا اور پھر محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس کو معنی کی پشت کی طرف چلا گیا۔ بلدی کو معنی کی اصل عمارت کی سائڈ میں بنی ہوئی پشتی دیوار جو کیپٹن شکیل کو صاف نظر آ رہی تھی وہاں سے اسے ایک سر ابھرتا ہوا نظر آیا۔ یہ وہی شخص تھا۔ پھر وہ کو معنی کے اندر کود پڑا۔ اب وہ رنگتا ہوا کو معنی کی عمارت کی طرف آ رہا تھا۔

کیپٹن شکیل کو دور بین میں اس کی تمام حرکات بخوبی نظر آ رہی تھیں۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی کیا کرنا چاہتا ہے۔

اسی لمحے عمران کسی کام کے لئے پورچ سے نکل کر لان میں آیا۔ نووارد جھپٹ کر عمارت کی دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ زمان چند لمحے بعد واپس مڑ گیا۔ اور وہ شخص

بھی واپس ریگھنے لگا۔ جلد ہی وہ کوٹھی کی دیوار تک پہنچ کر اس پر چڑھ گیا۔
کیپٹن شکیل نے اپنی گھڑی کا ونڈ بٹن کھینچا۔ وہ عمران کو اس کی موجودگی سے
گرمایا جتا تھا۔ مگر دوسری طرف سے عمران نے کال ریسیو کرنے میں بڑی دیر لگا۔
اور وہ شخص اب کوٹھی کے سامنے سے گزر کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کار کی طرف
رہا تھا اور پھر عین اس لمحے جب عمران نے کال ریسیور کی، اس کی کار اسٹارٹ
تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

”عمران سپیکنگ اور“ — دوسری طرف سے عمران کی آواز سنائی دی۔
”عمران صاحب! — میں کافی دیر سے کال کر رہا ہوں لیکن آپ ریسیو ہی نہ
کر رہے تھے۔ اور“ — کیپٹن شکیل نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔
”کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔ اور“ — عمران نے اس کی شکایت
نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”نادر صاحب ابھی کار لے کر آئے ہیں — ان کے پیچھے تعاقب میں ایک کار
ہے۔ اس میں سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی میں داخل ہوا۔ پھر جب آپ باہر
تو وہ آپ کو دیکھ کر تیزی سے واپس ہٹ گیا تھا۔ اور“ — کیپٹن شکیل نے
رپورٹ دی۔

”پھر اب وہ کہاں ہے۔ اور“ — عمران نے تیزی سے پوچھا۔ اس
لہجے میں پریشانی تھی۔

”آپ نے کال ریسیو کرنے میں دیر لگا دی اور وہ کار لے کر نکل گیا۔ اور“ —
کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”تم نے کلر کے نمبر چیک کئے تھے۔ اور“ — عمران نے پوچھا۔
”جی ہاں! — جی۔ ایل۔ فور۔ ون۔ زیرو۔ نائین۔ ڈالٹن تھی۔“

کی — کلر لائٹ پلیو — اور“ — کیپٹن شکیل نے کار کی تفصیل بتا دی
۔ اس کا مطلب ہے کہ کوٹھی کرنل فریدی کی نظر میں آگئی ہے — اچھا کیپٹن!
تم یہیں رہو — ہم یہ کوٹھی خالی کر رہے ہیں — مجھے یقین ہے کہ کرنل فریدی
ابھی یہاں آئے گا — تم بعد میں مجھے ان کی نقل و حرکت کی رپورٹ دینا۔ اور“ —
عمران نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ اور“ — کیپٹن شکیل نے کہا۔
”اور اینڈ آل“ — عمران نے جواب دیا اور پھر رابطہ ختم ہو گیا۔
”نادر — نادر“ — رابطہ ختم ہوتے ہی عمران چیخا۔
نادر مہاگتا ہوا کمرے میں آیا۔

”کیا بات ہے جناب“ — اس نے پریشانی سے پوچھا۔
”مردا دیا تم نے — بلیک فورس کو اپنے پیچھے لگا کر لے آئے ہو — اب
مذہر بھی خطرے میں پڑ گیا ہے“ — عمران جھنجھلایا ہوا تھا۔
”اوہ! — لیکن شہاب کالونی کی بیرونی سڑک تک کوئی بھی نہیں تھا۔ بعد میں
میں خیالوں میں گم ہو گیا تو ہو سکتا ہے“ — نادر نے مذمت بھرے لہجے میں
جواب دیا۔

”تمہیں یقین ہے کہ کوٹھی سے تمہارا تعاقب نہیں ہو رہا تھا“ — عمران
نے پوچھا۔

”کوٹھی سے بیرونی سڑک تک تو یقیناً نہیں ہو رہا تھا — بعد کی میں کہہ نہیں
سکتا“ — نادر نے جواب دیا۔

”اچھا تم نے تیمور کی لاش کا چہرہ مسخ کر کے گٹر میں بہا دی“ — عمران
نے پوچھا۔

جی ہاں۔ — ابھی اس کام سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔ — نادرنے جواب
اور کپڑے۔ — ؟ عمران نے سوال کیا۔

ان کو جلا کر ان کی راکھ گٹر میں بہا دی ہے۔ — نادرنے جواب دیا۔
ٹھیک ہے۔ — اب کار باہر رستے دو اور تم بھاگ چلو یہاں سے۔ —
کرنل فریدی بلیک فورس سمیت چھاپہ مارے گا۔ — عمران نے اٹھتے ہوئے
کہا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ دونوں ایک ایک بیگ اٹھاتے سائیڈ والی کو بھٹی کی دیوار
پھانڈ کر دوسری کو بھٹی میں داخل ہوئے اور پھر بڑے اطمینان سے اس کے گیٹر
نکل کر سڑک پر آ گئے۔

مٹروٹی دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور وہ دونوں اطمینان سے
ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

کیپٹن شکیل انہیں باہر نکلتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر طویل سانس
کہ کسی نے انہیں چیک نہیں کیا۔ وہ کو بھٹی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جلد ہی اس
کے جرنل سکڑ گئے۔ کیونکہ کئی افراد کو بھٹی کے گرد پھیلے ہوئے نظر آئے تھے۔
تقریباً پندرہ منٹ بعد لیکن وہاں پہنچ کر ایک سائیڈ میں رک گئی۔ کرنل فریدی
اس میں سے باہر نکلا۔ اس کے باہر نکلتے ہی ایک اور قوی ہیکل آدمی ایک درخت
کے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر وہ دونوں کو بھٹی کی پشت کی
طرف چلے گئے۔

عمران ابھی اندر ہے۔ — کرنل فریدی نے پشت کی دیوار کے قریب
پہنچ کر نمبر الیون سے پوچھا۔

جی ہاں! — رپورٹ تو یہی ہے۔ — اور کار بھی ابھی اندر موجود ہے۔
نمبر الیون نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

چلو پھر اندر کو دو۔ — لیکن احتیاط سے۔ — کرنل فریدی نے نمبر الیون
کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

اور نمبر الیون جمپ لے کر دیوار پر چڑھ گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور نمبر
الیون اندر پائیس باغ میں کود گیا۔

پندرہ لمحوں کے بعد کرنل فریدی بھی اندر کود گیا۔ پھر وہ دونوں رینگتے ہوئے اصل
عمارت کی طرف بڑے۔ پورچ سے ہوتے ہوئے وہ برآمدے میں آ گئے۔
کو بھٹی خالی معلوم ہوتی ہے۔ — کرنل فریدی کی چھٹی جس جاگی۔

لیکن۔ — نمبر الیون نے کچھ کہنا چاہا۔

کرنل فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ اس نے
ریڈالور ہاتھ میں لیا اور پھر تیزی سے ایک کمرے میں گھس گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ پھر
دو دونوں جلدی جلدی دوسرے کمرے میں گھوم گئے۔ لیکن تمام کو بھٹی خالی تھی۔

عمران نکل گیا ہے۔ — فریدی نے قدرے مایوسی سے کہا۔

لیکن وہ کس راستے سے باہر نکلے گا؟ — ممبر الیون بھی زندہ تھا۔

پشتی دیوار یا پھاٹک کے علاوہ اور کونسا راستہ ہو سکتا ہے؟ — نے اکتلتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

ممبر سکسٹی نے تمہیں رپورٹ فون پر دی تھی یا ٹرانسمیٹر پر؟ — کرلڈ نے سوال کیا۔

ٹیلیفون پر۔ — ممبر الیون نے بتلایا۔

تو پھر وہ اسی دوران میں نکل گئے۔ — تمہیں چاہیے کہ اپنے میرز کو لڑاں مہیا کرو۔ — فریدی نے غصہ میں جواب دیا۔

ممبر سکسٹی ابھی اس پوزیشن میں نہیں آیا کہ اسے ٹرانسمیٹر مہیا کیا جائے۔ — الیون نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

ہوں۔ — فریدی خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر الجھنیں ہی الجھنیں تھیں۔ کہیں اس کو مٹی کے نیچے تہ خانہ نہ ہو۔ — اچانک فریدی نے کہا۔

ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمران وغیرہ تہ خانے میں چھپے ہوئے ہوں۔ — الیون نے قدرے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں ہی چھان پھٹک کر کمرے میں تہ خانوں کا راستہ ڈھونڈنے کافی دیر کی محنت کے بعد ایک کمرے میں جب فریدی نے دیوار میں ابھری ہوئی ایک جگہ کو دبایا تو سامنے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی وارڈ روب اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ اب وہاں ایک دروازہ تھا۔ فریدی ہاتھ میں ریلوے لٹے اس دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دباؤ دیتے ہی دروازہ کھل گیا۔ فریدی اور ممبر الیون دونوں سڑھیاں آئے۔

جے۔ بیڑھیاں کافی نیچے تک اترتی چلی گئیں۔

بیڑھیوں کا اختتام ایک گیلری میں ہوا جس کے دونوں سائیڈوں پر کمرے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے کمروں کے دروازے کھول کر دیکھے لیکن سب کمرے خالی تھے۔ البتہ ایک کمرے میں انہیں ایسے آثار ملے جیسے وہاں کوئی آدمی رہا ہو۔

یقیناً یہاں حمید کو قید کیا گیا ہوگا۔ — فریدی نے گھبراہٹ میں کہا۔ ممبر الیون خاموش رہا۔

آؤ چلیں۔ — فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں سڑھیاں پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے۔

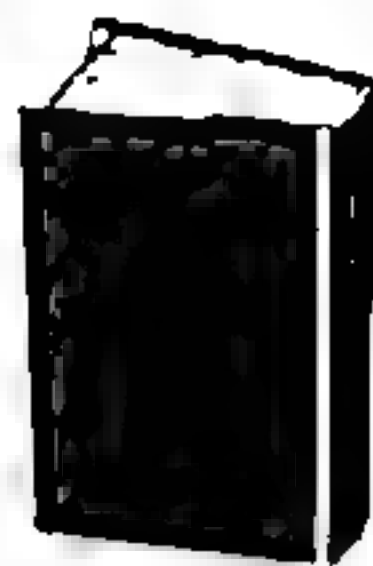
اب وہ دونوں پورچ میں تھے۔ پورچ میں ناور کی کار موجود تھی۔ اس کار کے ممبر نوٹ کر لو۔ — اور رجسٹریشن آفس سے پتہ کرو کہ یہ نمبر کس کے ہیں۔ — فریدی نے ممبر الیون سے کہا۔ اور پھر وہ کوشٹ سے باہر نکل آیا۔ ممبر الیون بھی ممبر نوٹ کر کے اس کے پیچھے چلا آیا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر اچانک فریدی ٹھٹھکا۔ اس کی آنکھوں پر کسی شے کی چمک پڑی تھی۔ اس نے بغیر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے سامنے والی کوٹھی کی دوسری منزل پر شے چمکتے ہوئے نظر آئے۔

یہ دوہین کے شیشے تھے۔ مالا نکہ دور بین سے دیکھتے والا شخص فاسی آڑ میں تھا لیکن فریدی کی تیز نظروں سے وہ چھپا نہ رہ سکا۔

ممبر الیون۔ — اس سامنے والی کوٹھی کو گھیر لو۔ — اب میں سمجھا کر عمران کو ہماری آمد کا کیسے پتہ چل گیا۔ — فریدی نے تیز لہجے میں ممبر الیون سے کہا اور ممبر الیون کچھ نہ سمجھتے ہوئے تیزی سے بائیں طرف مڑ گیا۔ اور فریدی آہستہ آہستہ

پلتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا۔



صفدر نے جو تیمور کے میک آپ میں تھا۔ سب سے پہلے کار ایک بکر پر رد کی۔ بجٹال کا مالک ابھی دکان کھول ہی رہا تھا۔
"کیا آپ کے پاس دارالحکومت کا تفصیلی نقشہ مل جائے گا؟" صفدر سوال کیا۔

"جی ہاں! — مل جائے گا" — دکاندار نے صبح صبح گاہک کو دیکھ کر خوشی کا جواب دیا۔

"وکلایت" — صفدر نے لاہر دہی سے جواب دیا۔ وہ زیادہ دلچسپی اس ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں دکاندار کھٹک نہ جلتے۔
دکاندار نے ایک ہنڈل کھولا اور اس میں سے ایک نقشہ نکال کر صفدر کے سامنے رکھ دیا۔

صفدر نے بغور نقشہ کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیا اس سے اچھا نقشہ اور آپ کے پاس نہیں ہے؟" —

"جی نہیں" — دکاندار نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے — کتنی قیمت دوں؟" — صفدر نے جیب سے بڑھ نکالا۔

ہوتے کہا۔

صرف ایک روپیہ — دکاندار نے کہا۔

صفدر نے بڑے سے ایک روپیہ نکال کر دکاندار کو دیا اور نقشہ لے کر کار میں آ بیٹھا۔ کمانی دور جا کر اس نے کار رد کی اور پھر بغور نقشہ کو دیکھنے لگا۔ وہ دراصل کمانی کی پہاڑی کا محل وقوع دیکھنا چاہتا تھا۔

نقشے میں دیئے گئے راستوں کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس نے نقشے کو ضائع کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ سڑک قدرے سنسان تھی۔ اس نے کار سے باہر نقشے کو سنبھالا اور پھر اسے آگ لگا دی۔ اور خود کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

شہر سے نکل کر جلد ہی صفدر کمانی کی پہاڑی کی طرف جانے والی سڑک پر آ پہنچا۔ اس سڑک پر کمانی کاریں اور اسکوٹر جا رہے تھے۔ وہ بھی مناسب رفتار سے کار چلاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

کمانی کی پہاڑی خشک اور بے برگ دگیاہ اور خاصی خوفناک تھی۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر ایک سڑک بائیں طرف مڑ گئی تھی جس پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا۔
"خطرناک علاقہ" — ادھر جانا سخت منع ہے۔

آگے جانے والی ایک اور کار تیزی سے ادھر ہی مڑ گئی۔ صفدر سمجھ گیا کہ یہی سڑک پہاڑی کی طرف جاتی ہوگی۔ اس نے بھی بلا جھجک کار ادھر ہی موڑ دی۔ یہ سڑک بل کھاتی ہوئی پہاڑی کی پچھلی طرف چلی گئی تھی۔ اس پہاڑی کی پچھلی طرف ایک وسیع و عریض جنگل تھا۔ لیکن یہ جنگل پہاڑی سے کافی فاصلہ پر تھا۔ جنگل اور پہاڑی کے درمیان خاصا وسیع و عریض میدان تھا جس میں لمبی لمبی خود رو لکڑیاں آگی ہوئی تھیں۔ سڑک پہاڑی کی جڑ پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ آگے راستہ بند تھا۔ پھر جیسے ہی صفدر سے آگے جانے والی کار واپس جا کر رکی۔ فوراً ہی صفدر

نے بھی کار اس کے پیچھے روک دی۔ صفر نے کے پیچھے بھی ایک اور کار اکر /
صفر نے بیک مر میں دیکھا کہ پچھلی کار کی بتیاں جل رہی تھیں۔ اس نے پو
اپنی کار کی ہیڈ لائٹس جلا دیں۔ اس کا کاشن کا اسے علم نہ تھا۔ یہ تو اچھا ہر
کے پیچھے کار آگئی اور اس کی جلتی ہوئی بتیاں اس کی نظر میں آ گئیں۔ درز
مرحلے میں ہی وہ پکڑا جاتا۔

پندرہ لمبے بعد ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوتی اور پہاڑی کا ایک بڑا سا حصہ
کی طرح کھل گیا۔

یہ ایک طویل سڑک تھی۔ سڑک آگے تک چلی گئی تھی۔ صفر نے اگلی کار کی
کرتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ سڑک میں کافی دور جا کر ایک موڑ آیا۔ وہاں پر
چیک پوسٹ تھی۔ صفر نے کار روک دی۔ ایک باوردی سپاہی صفر کی طرف
بڑھا۔

”کوڑے“ اس نے قدرے سخت آواز میں پوچھا۔

”زیر دھری“ صفر نے باوقار لہجے میں جواب دیا۔ اور سپاہی نے
آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔

اگلی کار پہلے ہی جا چکی تھی۔ صفر نے کار آگے بڑھا دی۔
پہاڑی کو نیچے سے کاٹ کر بڑے بڑے ستونوں پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اندر
عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ بھی انجینئرنگ کا کمال تھا کہ اتنی بڑی پہاڑی کو کاٹ کر
ستونوں پر جما دیا گیا تھا۔

عمارتوں کے شروع میں ایک اور چیک پوسٹ تھی جہاں صفر نے دیکھا
کار والا نیچے اتر کر جامہ کشن دے رہا تھا۔ اس نے کار روکی اور پھر نیچے
کھڑا ہو گیا۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اس کی جان تو شی لی۔ اس کی کار کو

دھچک کیا گیا اور پھر اسے آگے جانے کی اجازت مل گئی۔
صفر نے طویل سانس لیتے ہوئے کار اسٹارٹ کی۔ وہ ابتدائی مراحل تو کامیابی
سے طے کر آیا تھا۔ کسی کو بھی اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ سائیڈ میں کار پارکنگ بنی
ہوئی تھی۔ اس نے کار وہاں روک دی اور خود نیچے اتر آیا۔

اب اصل مسئلہ تھا تیمور کے آفس کا پتہ کرنا۔ کسی سے پوچھنے کا تو سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال تن بہ تقدیر وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔ اور پھر اسے یہ
دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ کمروں کے باہر آفسز کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔

صفر بڑے اطمینان سے گھومتا ہوا برآمدہ مڑا۔ سامنے ہی ایک دروازے پر
نور آفیسر کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ سیدھا ادھر ہی چلا گیا۔

دروازے پر ایک چپڑا سی بیٹھا ہوا تھا۔ صفر کو آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
اس نے بڑی پھرتی سے سلام کیا اور پھر آگے بڑھ کر پردہ اٹھا دیا۔

صفر سر کو ہلکی سی جنبش دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ آفس بڑا اچھا سجا ہوا
تھا۔ وہ سیدھا جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھے ہی چپڑا سی نے کونے سے
ایک رجسٹر اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

یہ نامی رجسٹر تھا۔ جہاں تاریخوں کے آگے تیمور کے دستخط تھے۔ صفر نے
ایک نظر تیمور کے دستخطوں پر ڈالی اور پھر قلم اٹھا کر اس طرح دستخط کر دیے۔ صفر
دو غیر کو خط سے خط اور دستخطوں سے دستخط ملانے کی عمر ان نے کافی ٹریننگ دے
رکھی تھی۔ اس لئے اسے ہو بہو نقلی دستخط کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ چپڑا سی نے
رجسٹر اٹھا کر واپس کونے میں رکھ دیا۔ اور خود بازنکل گیا۔

صفر نے میز کی دراز کھولی۔ وہاں ایک ناکل موجود تھی۔ وہ اس ناکل کو کھول
کر پڑھنے لگا۔ اس میں لیبارٹری میں بھیجے جانے والے مال کی تفصیلات تھیں۔

ابھی صفر فائل کا مطالعہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان ہاتھ میں کاغذات کو
مقلے اندر داخل ہوا۔ اس نے صفر کو سلام کیا اور پھر وہ کاغذات اس کے
پڑی ہوئی ٹرے میں رکھ دیئے۔ اور خاموشی سے باہر چلا گیا۔

صفر نے کاغذات الٹ کر دیکھے۔ یہ سامان کے متعلق مختلف آرڈرز تھے۔
سب کاغذات پر تیمور کے دستخط کئے اور دوسری ٹرے میں ڈالتا چلا گیا۔ اس کے
دوبارہ فائل کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

صفر تیمور کے آفس کے متعلق بر چیز جاننا چاہتا تھا تا کہ کسی لمحے اس سے
ہو بات۔ فائل میں اس کی نظر ایک ایسے کاغذ پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا کہ آر
ڈی کوڈ اطلاع ثانی — ڈی. آر. ففٹین — مقرر کیا جاتا ہے۔ آپ اپنے عہدہ
اور کسی سے بھی بات کرتے ہوئے پہلے اپنا کوڈ دہرائیں۔

صفر کے لئے یہ ایک قیمتی اطلاع تھی۔ اسی اثناء میں ٹیلیفون کی گھنٹی
لگی۔ صفر نے سیورامٹا کو اپنے کاناوے سے لگایا
"ڈی. آر. ففٹین" — صفر نے تیمور کی آواز میں کوڈ دہرایا۔

"ڈی. آر. ٹو جس سائنڈ" — دوسری طرف سے پروتارسی آواز سن
اور صفر اس کے نمبر سے ہی سمجھ گیا کہ یہ ادنیٰ رینک کا آفیسر ہے۔

"فرمائیے" — صفر نے قدرے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔
"مسٹر تیمور! — آپ ایک گھنٹے بعد میٹنگ ہال میں پہنچ جائیں —
آر. ون نے ہنگامی میٹنگ ہال کی ہے — ڈی. آر. ونے اسے حکم
ہوتے کہا۔

بہتر جناب — میں پہنچ جاؤں گا — صفر نے جواب دیا اور پھر
طرف سے رابطہ ختم ہونے پر اس نے سیورامٹا کو دیا۔

ب صفر سوچ رہا تھا کہ پروفیسر اور فارموس کے اڑانے کے سلسلے میں وہ
بھیڈ کر کتنا کردار ادا کر سکتا ہے — اس کی پوسٹ اس طرز کی تھی کہ
بہتر جناب میں داخل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال اسے ایک اطمینان
کہ وہ لیبارٹری کے اندر تو پہنچ گیا ہے۔ اب کچھ نہ کچھ ہاتھ پیر مارے جاسکتے ہیں
نقربا ایک گھنٹے بعد وہ کرسی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ چپڑا سی نے
شکر ادا کیا۔ صفر نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا اور پھر برآمدے سے
نکل آیا۔

اب میٹنگ ہال کا پتہ کرنا تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ میٹنگ ہال کس جگہ ہے
نئے لیبارٹری کی اصل عمارت تھی۔ اس نے دیکھا کہ چند لوگ ایک طرف بڑھتے چلے
جائے ہیں۔ وہ خود بھی تنہا تقدیر ہو کر ادھر ہی چل پڑا۔ اب وہ آگے جانے والے
نکل آدی کے پیچھے تھا۔ ایک عمارت میں داخل ہو کر مختلف گیلریاں گزرنے کے بعد وہ
بڑے ہال دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس پر میٹنگ ہال کی تختی پڑھ کر اس
دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ صحیح پہنچ گیا تھا۔

دروازے پر موجود گارڈ کو اس نے اپنا نمبر بتلایا اور پھر ہال میں داخل ہو گیا۔ ہال
بڑے قریب کرسیاں سجھی ہوئی تھیں۔ ہر کرسی کے پیچھے نمبر لگے ہوئے تھے۔ وہ
نمبر ۱۲ کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ جلد ہی سب کرسیاں بھر گئیں۔ پھر اس نے ایک ادھیڑ
کے غیر ملکی کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ سب لوگ اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے
اور کڑک گزرا کہ یہی غیر ملکی پروفیسر ہو گا۔

غیر ملکی کرسی پر بیٹھتے ہی میٹنگ کی کارروائی شروع ہو گئی۔ کرسی نمبر دو پر بیٹھے
تھے ایک ضعیف العمر شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔

آپ حضرات کو یہاں اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ محترم ڈی. آر. ون آپ سے

کچھ کہنا چاہتے تھے۔

یہ کہہ کر وہ شخصیں بیٹھ گیا۔

اب وہی عینہر علی کھڑا ہوا جسے ڈی. آر. دن کہا گیا تھا۔

”دوستو! — مجھے خوشی ہے کہ میں آپ جیسے دوستوں کے درمیان کام کر رہا ہوں۔“

آپ لوگوں نے جس محنت اور لگن کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا ہے اس کے لئے میں

لوگوں کا شکر گزار ہوں — میرا مولا مکمل ہونے میں بس اب صرف چند در

گتے ہیں۔ اس کے بعد میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے ملک اور جواب پر

بھی بن چکا ہے ہر قسم کے بیرونی حملے سے بچ جائے گا — دنیا کی کوئی طاقت

کے بعد ہمارے ملک پر حملہ آور نہیں ہو سکتی — میں اس کے بعد اور بھی ایسا

کروں گا جن کے فارمولے میسک ذہن میں ہیں اور جن کے بعد ہمارا ملک ذہن

سینے سے زیادہ طاقتور ملک شمار ہوگا — آج میں نے آپ لوگوں کو یہاں

لے بلایا ہے کہ آج سے میرا تجربہ آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے

لئے مجھے دن رات کام کرنا پڑے گا — اس مرحلے میں ذرا سی کوتاہی یا غلط

کا مطلب یہ ہوگا کہ فارمولے کی ناکامی — اور میرا خیال ہے کہ کم از کم آپ

نہیں چاہیں گے کہ یہ مولا ناکام ہو جائے۔ اس لئے جو حضرات غیر شاؤن

ہوں اور جو دن رات یہاں لیبارٹری میں کام کر سکتے ہوں وہ رفعا کارانہ طور پر

ہاتھ اٹھا دیں۔“

تقریباً دس آدمیوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جن میں صفدر بھی شامل

”ڈی. آر. ٹو! — آپ ان حضرات کے نمبر نوٹ کر لیں — میں میٹنگ

بعد ان سے بات کروں گا۔“ پروفیسر نے نمبر نوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے

”ٹھیک ہے۔ میں نے نوٹ کر لئے ہیں۔“ نمبر نوٹنے سامنے

ہونے کاغذ پر جلدی جلدی نمبر نوٹ کرتے ہوئے کہا۔

”جیادوستو! — باقی حضرات کے لئے میری یہ گزارش ہے کہ اب انہیں

جو بس گھنٹوں میں سے صرف پانچ گھنٹے کی چھٹی ملے گی — کیا آپ لوگ تیار ہیں۔“

ڈی. آر. دن نے پوچھا۔

”ہم سب تیار ہیں — ہم ملک کے لئے اپنی جانیں بھی قربان کر سکتے ہیں۔“

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ لوگ جاتیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں۔“

اب آپ کا مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔“ پروفیسر نے کہا۔ اور آٹھ آدمی

نڈکر باہر چلے گئے۔

اب ہال میں نمبروں اور نمبر نوٹ کے علاوہ دس آدمی رہ گئے۔ اب نمبروں نے

ہر ایک سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ مختلف سوالات کرنے کے بعد وہ ان

کے ذمے مختلف کام لگاتا اور پھر انہیں جانے کی اجازت دے دیتا۔ جلد ہی صفدر کا

نمبر آگیا۔ نمبروں نے اس سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔

”آپ کا نمبر —؟ اس نے پہلا سوال کیا۔“

”فصلین — صفدر نے جواب دیا۔“

”آپ کس پوسٹ پر کام کر رہے ہیں؟“ دوسرا سوال کیا گیا۔

”سلور آفیسر کے طور پر۔“ صفدر نے جواب دیا۔

”اوہ! — آپ کی تو مجھے ہر وقت ضرورت پڑے گی کیونکہ کوئی پتہ نہیں کہ

کس وقت کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔“ آپ ایسا کریں کہ آپ میسک ساتھ

لیبارٹری میں موجود رہیں۔“ آپ کی یہ ڈیوٹی ہوگی کہ جس وقت بھی جس چیز کی

ضرورت پڑے — فوراً مہیا کریں۔“ پروفیسر نے کہا۔

آپ بے فکر رہیں۔۔۔ میسر ہوتے ہوتے آپ کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔۔۔ صفدر نے موڈ بانہ انداز میں جواب دیا۔

ٹھیک ہے۔۔۔ آپ جائیں۔۔۔ پروفیسر نے اسے جانے کا حکم دیا۔
 "ففتین!۔۔۔ آپ یہ کارڈ لے جائیں اور کل آتے وقت اپنے کپڑے وغیرہ لے
 جب تک نارمول مکمل نہ ہو جائے۔۔۔ آپ کو لیبارٹری میں رہنا پڑے گا۔"
 نے ایک کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر سر۔۔۔ صفدر نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔ یہ کارڈ
 کپڑے لے آنے کا اجازت نامہ تھا اور پھر پیکنگ ہال سے باہر چلا گیا۔

صفدر کا دل خوشی سے جیوں اچھل رہا تھا کہ قدرت نے اسے پروفیسر کے
 روم سے کامرتع دے دیا ہے۔ وہ اپنے آفس میں آکر بیٹھ گیا۔ پھر سارا دن آفس
 مختلف کاموں میں مشغول رہا۔

شام کو چھٹی کا سائرن بجتے ہی وہ اپنے آفس سے نکلا اور پھر کار پارکنگ
 بڑھ گیا۔ کار نکال کر وہ چیک پوسٹ پر آیا، وہاں اپنی اور کار کی تلاشی دینے
 بعد وہ باہر نکل آیا، سڑک کے موڑ پر اسے کوڑھنریتا پڑا۔

اب وہ آزاد تھا۔ جلد ہی وہ کوٹھی پہنچ گیا۔ اس نے کوٹھی آنے کے بعد
 کوٹھی کی اچھی طرح تلاشی لی کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں کوئی چکر نہ چل گیا ہو
 وہاں اسے ایسے کوئی آثار نہ ملے۔ اس نے دروازہ بند کیا اور پھر عمران کو کال
 لگا۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

"صفدر سپیکنگ۔ اور۔۔۔ اس نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔

"اوہ!۔۔۔ صفدر ڈبیر۔۔۔ سناؤ کیا حال ہیں۔ کیا گزرا آج کا دن
 دوسری طرف سے عمران کی چبھتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

سب ٹھیک ہے عمران صاحب۔۔۔ کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور پھر اس نے
 ہمدون کی تفصیلی رپورٹ عمران کو دینی شروع کر دی۔

انگٹ۔۔۔ یہ تو اور بھی اچھا ہوا کہ تمہیں پروفیسر کے قریب رہنے کا موقع مل گیا ہے
 اور۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

جی ہاں!۔۔۔ گراب اس موقع سے فائدہ کیسے اٹھایا جائے، اور۔۔۔ صفدر
 پوچھا۔

تم بے فکر رہو۔۔۔ کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا، اور۔۔۔ عمران نے جواب
 دیتے ہوئے کہا۔

لیکن اب، ہاں، کہ میں آپ کو رپورٹ کیسے لے سکوں گا، اور۔۔۔ صفدر
 نے ایک پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ہاں۔۔۔ البتہ یہ ایک پرابلم ہے۔۔۔ میں اس کے لئے سوچوں گا۔۔۔ میری
 بیٹی میڈ کمپوٹی ہندو کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی۔ تم صبح جانے سے پہلے مجھے
 انفرم کرینا، اور۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

بہتر۔ اور۔۔۔ صفدر نے جواب دیا۔

اور اینڈ آل۔۔۔ عمران نے کہا، اور صفدر نے فونڈ مین دیا۔

صفدر اب اس مسئلے پر ذہن لگانے لگا کہ وہاں سے رپورٹ دینے کا کیا طریقہ ہو سکتا
 ہے۔ لیکن جب کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے سر جھٹک کر ذہن سے
 ان خیال کو نکالا اور پھر اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

ہاتھ چلا دیا۔ اس کی کھڑی ہتھیلی نیچے پڑے ہوئے شخص کی گردن پر پڑی۔ ہلکی سی ٹپک کی آواز آئی اور وہ تڑپنے لگا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اتنے میں پہلا شخص جو نیچے گرا تھا، اس پر آگرا۔

کیپٹن شکیل تو اس وقت بھلی بنا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے اس کی گردن پر ہتھوڑا اور پھر وہ اس کے سر پر سے سوتا ہوا دوسری طرف جاگرا۔ اس طرف شاید ہی دو آدمی تھے۔ اور کوئی ہوتا تو ضرور اب تک الجھ چکا ہوتا۔ اس کے نیچے گرتے ہی کیپٹن شکیل نے لگا کر اس کے چہرے پر بوٹ کی ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ اس کے بوٹ کی ٹوہ خاصی نوکدار تھی۔ تیسری ضرب اس شخص کی تنہی پر خاصی زوردار پڑی اور تہہ ہونے والی تھی۔ دوبرہن تہہ ہو گئی۔ اس نے دوبرہن جیب میں

اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ سریدی کے وہاں پہنچنے سے پہلے نکل جاتا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ غنچلی منزل پر آیا اور پھر تیزی سے کمرشل کی دیوار کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے اسے لنگن پھاٹک سے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی اور وہ جلدی

دیوار کے پاس لمبی لمبی گھاس میں دبک گیا۔
سریدی کار سے اتر کر کوٹھلی کے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی سریدی اندر داخل ہو گیا، کیپٹن شکیل نے جمپ لگایا اور دو سکڑے لمحے وہ دیوار کی دوسری طرف تھا۔ لیکن وہ کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اسے چھاپ لیا۔ یہ یقیناً بلیک فورس تھی۔ جس نے اسے ہتھوڑے کر دیا اور پھر تیزی سے اس میں سوار ہو گیا۔
کامخاسہ کر لیا تھا۔ کیپٹن شکیل چھتے کی طرح تڑپا اور حملہ آور اچھل کر دوسری طرف جاگرا۔

کیپٹن شکیل سریدی کے ٹھکنے اور پھر بغور اپنی طرف دیکھنے پر کھٹک گیا۔ سریدی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ جلدی سے اٹھا۔ اس نے دوبرہن کا بوٹ دیا۔ یہ بوٹ کی ٹوہ خاصی نوکدار تھی۔ تیسری ضرب اس شخص کی تنہی پر خاصی زوردار پڑی اور تہہ ہونے والی تھی۔ دوبرہن تہہ ہو گئی۔ اس نے دوبرہن جیب میں اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ سریدی کے وہاں پہنچنے سے پہلے نکل جاتا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ غنچلی منزل پر آیا اور پھر تیزی سے کمرشل کی دیوار کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے اسے لنگن پھاٹک سے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی اور وہ جلدی دیوار کے پاس لمبی لمبی گھاس میں دبک گیا۔

سریدی کار سے اتر کر کوٹھلی کے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی سریدی اندر داخل ہو گیا، کیپٹن شکیل نے جمپ لگایا اور دو سکڑے لمحے وہ دیوار کی دوسری طرف تھا۔ لیکن وہ کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اسے چھاپ لیا۔ یہ یقیناً بلیک فورس تھی۔ جس نے اسے ہتھوڑے کر دیا اور پھر تیزی سے اس میں سوار ہو گیا۔ کامخاسہ کر لیا تھا۔ کیپٹن شکیل چھتے کی طرح تڑپا اور حملہ آور اچھل کر دوسری طرف جاگرا۔

"خبردار! — اگر حرکت کی تو گولی مار دوں گا" — ایک آدمی چیخا۔ لیکن کسی نے رپوالہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔
وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے نیچے آگے کیپٹن شکیل نے نیچے

تھی۔ اسی کاشن کے انتظار میں وہ بٹھرا ہوا تھا۔ پردگراں کی تمام تفصیلات پہلے سے طے کر لی گئی تھیں۔

کیپٹن شکیل! — فامولا کتا بڑا سوگا — — — عمران نے دقت گزارنے کے لئے کیپٹن شکیل سے چیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

”جگہ کا کوئی دو چار سو کلو کا“ — کیپٹن شکیل نے مسکاتے ہوئے جواب دیا۔
 ”اے باپ رے — آنا دزنی — پھر تو دو مزدوروں اور ایک بیل گاڑی کا انتظام بھی کرنا پڑے گا“ — عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاٹتے ہوئے کہا۔
 ”کیا ضرورت ہے — ہم جو مزدور ہیں — اگر آپ مزدوری گمڑی دیں گے تو ہم نہ بنائے گا“ — کیپٹن شکیل نے بھی چیڑ چھاڑ میں مزہ لیتے ہوئے کہا۔
 ”توڑی سے کہیں تمہارا مطلب بقول تاسم گمڑی عورت سے تو نہیں؟ —“
 عمران نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تاسم صاحب کون ہیں؟“ — کیپٹن شکیل نے حیران ہو کر پوچھا۔
 ”ارے تم تاسم کو نہیں جانتے؟ — میرا خالہ زاد بھائی — بڑا گریٹ آدمی ہے“ — عمران نے آنکھیں پھاٹتے ہوئے کہا۔
 ”پھر ملو ایسے کسی دقت“ — کیپٹن شکیل نے اشتیاق سے جواب دیا۔
 ”ابھی چلو — اس دقت شام ہے۔ کسی نہ کسی سوئل میں مل جائے گا“ — عمران نے یکدم فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”ابھی“ — کیپٹن شکیل بوکھلا گیا۔

”کیوں اس دقت تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ہے؟“ — عمران نے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے“ — کیپٹن شکیل گڑبڑا کر کوئی جواب نہ دے سکا۔

عمران پچھلے تین دنوں سے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں چھپا ہوا تھا۔ کیا شکیل بھی اس کے ساتھ تھا۔ نادر کو اس نے شہر میں رہنے کے لئے کہا ہوا تھا اور نادر شہر میں اپنے کسی دوست کے پاس تھا۔

عمران اس انتظار میں تھا کہ فامولا مکمل ہو جائے تو اس پر ہاتھ صاف کئے جائیں گے اس کے لئے اس نے ایک انتہائی خطرناک ترکیب سوچ رکھی تھی۔ لیکن اس ترکیب پر عمل کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

صفدر بدستور لیبارٹری میں کام کر رہا تھا۔ اس نے وہاں سے کوئی رپورٹ نہیں تھی کیونکہ عمران نے اس کو رپورٹ دینے سے منع کر دیا تھا۔

نعمانی کو عمران نے لیبارٹری کے پیچھے جنگل میں بھیجا تھا تاکہ جس دقت بھی مکمل ہو جائے۔ صفدر اتر کاشن دے دے۔ یہ ایک چھوٹا سا کیپسول تھا جو صفدر اپنے منہ میں چھپا کر لیبارٹری میں لے گیا تھا۔ جس دقت فامولا مکمل ہو جاتا۔ صفدر کیپسول کو توڑ دیتا۔ اس میں سے مخصوص قسم کی نظر نہ آنے والی شعاعیں نکلتی اور پھر ہوا کے رخ پر لیبارٹری سے باہر نکل کر بالائی فضا میں چلی جاتیں۔ اسے بالائی منزل کافی ٹھنڈک سونے کی جہت سے وہ شعاعیں چاکم ہی اٹھتی تھیں جس سے کافی گرم پیدا ہوتی۔ یہ ایک کاشن تھا۔ جس کو نعمانی نے چیک کرنا تھا اور پھر اسے رپورٹ

مل گیا اس کا پتہ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔
 ہاں! — اس وقت وہ سلورکنگ ہوٹل میں ہو گا — عمران نے بڑے اعتماد
 سے جواب دیا۔

اس وقت کہ کیا مطلب — کیا اخبار میں اس کی مصروفیت کے پروگرام کا
 نامہ وقت کے لحاظ سے اعلان ہوتا ہے؟ — کیپٹن شکیل واقعی حیرت زدہ
 تھا۔ وہ قاسم کی عظمت کا تصور کر رہا تھا کہ وہ کیسا آدمی ہو گا جس کی مصروفیت کا
 نامہ اخبار میں اعلان ہوتا ہے۔

عمران نے ایک ٹیکسی روکی اور پھر اس میں بیٹھ گیا۔ اور کیپٹن شکیل بھی
 بیٹھ گیا۔

سلورکنگ ہوٹل — عمران نے ٹیکسی والے کو بتلایا اور ٹیکسی چل پڑی۔
 عمران صاحب! — مجھے بتا دیجیے کہ یہ کون صاحب ہیں اور کس حیثیت کے
 ہیں؟ — کیپٹن شکیل نے اپنی حیرت دور کرنے کے لئے پوچھا۔

ارتے بھی کیوں پریشان ہوتے ہو —؟ وہ ایک رئیس زاوہ — باقی
 جیسا کہ ہم جانتے ہیں — عقل سے خالی ہے — کیپٹن حمید کا یار ہے — بس اتنا
 فخر کافی ہے — عمران نے بتلایا۔

لیکن وہ اخبار — کیپٹن شکیل مزید حیرت زدہ ہو گیا۔
 بھئی میں اخبار میں دیکھ رہا تھا کہ آج کس ہوٹل میں ڈانس کا خصوصی پروگرام
 ہے۔ وہ یقیناً وہاں موجود ہو گا — اب صرف سلورکنگ ہی ایک ایسا ہوٹل ہے جہاں
 ایک غیر ملکی رقاصہ کا میلے ڈانس ہے اس لئے قاسم لازمی وہاں موجود ہو گا —
 عمران نے مسئلہ حل کر دیا اور کیپٹن شکیل نے یوں ٹول سالن لی جیسے ایک بڑا بوجھ
 اگل کے کانٹھوں سے اتر گیا ہو۔

مطلب و طلب چھوڑو — یہاں بھی تو بے کاری بیٹھے ہوئے ہیں — پھر
 تفریح ہی سہی — عمران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
 چلیے — کیپٹن شکیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں میک آپ میں تھے اس لئے انہوں نے صرف کپڑے تبدیل کئے۔ بیگ اور
 اینٹوں کے ایک ڈھیر میں چھپایا اور پھر شکستہ اور تباہ حال کھنڈر سے بائزکل آئے بڑے
 پر پیدل چلتے ہوئے وہ کافی دور نکل آئے تب کہیں جا کر انہیں ٹیکسی ملی۔

مین مارکیٹ پلو — ٹیکسی میں بیٹھ کر عمران نے کہا اور ٹیکسی ڈرائیو نے بڑے
 آگے بڑھادی۔

جلد ہی وہ مین مارکیٹ پہنچ گئے۔ مین مارکیٹ اتر کر عمران سیدھا ایک کھانے
 کی طرف بڑھا۔ اس نے وہاں سے اخبار خریدا اور پھر اسے بغور دیکھنے لگا۔
 یہ آپ کیا دیکھنا چاہتے ہیں؟ — کیپٹن شکیل نے عمران کو بربلہ نظر
 بغور اخبار پڑھتے دیکھ کر کہا۔

قاسم دی گریٹ کا پتہ — عمران نے جواب دیا۔
 کیا اس کا پتہ اخبار میں ہوتا ہے؟ — کیپٹن شکیل پر حیرت کے
 ٹوٹ پڑے۔

ہاں ڈیر! — تم نہیں جانتے کہ وہ کتنا گریٹ آدمی ہے۔ اس کا پتہ
 روزانہ اخبار میں چھپتا ہے — عمران نے کہا۔

کمال ہے! — یہ سیکر لے نئی بات ہے — کیپٹن شکیل بدستور حیرت
 زدہ تھا۔

ابھی جب تم میرے خیال باد سے طوے نو پر نئی باتوں کا انکشاف ہو گا
 عمران نے اخبار توجہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹیکسی جلد ہی سولرنگ ہٹل کے کپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئی۔ کیپٹن شکیل
عمران نیچے اتر آئے، عمران نے ٹیکسی والے کو کرایہ دیا۔ اور پھر وہ دونوں مڑ کر ہٹل
کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ہٹل کا بال کچی کچھ میز ہوا تھا۔ کوئی میز بھی خالی نہیں تھی۔ عمران نے
ایک نظر ال پر ڈالی۔ پھر اسے سیٹج کے قریب ہی تاسم اپنی تمام تر جولا نیوں کے ساتھ
بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ اس کی میز کی باقی تین کرسیاں خالی تھیں اور وہ کسی اور اس
کی طرف منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔ اور بال میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو حسرت بھری نظر
سے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ۔۔۔ وہ سامنے بیٹھا ہے۔" عمران نے کیپٹن شکیل کو کہا۔
"ارے وہ صاحب!۔۔۔ تو بہ تو بہ۔۔۔ یہ آدمی ہے یا کوئی دیو۔" کیپٹن
شکیل نے حیرت سے تاسم کی جسامت کو دیکھتے ہوئے کہا۔
وہ دونوں چلتے ہوئے تاسم کی میز کے قریب پہنچ گئے۔
"کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟" عمران نے بڑے پیٹھے لہجے میں تاسم
پوچھا۔

تاسم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ بسکٹن پھر ان کے ساتھ کوئی لڑکی نہ دیکھ
اس کا منہ بگڑا گیا۔

"یہ میز چرو ہے۔" تاسم نے اپنی طرف سے نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔
"یہ تو میں میں پتہ ہے۔" ویسے اجازت دینے کا شکریہ۔
نئے کرتی گسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو مہربانی!۔۔۔" اپنے سیٹھ صاحب نے ہمیں بیٹھنے کی اجازت
دی ہے۔" عمران نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا جو ابھی تک

شش و پنج کے عالم میں کھڑا تھا۔ عمران کے کہنے پر وہ بھی بیٹھ گیا۔
"ارے ارے۔۔۔ یعنی کہ مان نہ مان۔ میں تیرا میجبان۔ یعنی کہ میں نے
اب اجابت دیا ہے۔" کھا مکھا کو جی جبر دستی ہے۔" تاسم بڑی طرح
بہنچا گیا۔

ایک تگڑی سی فل فلوٹی سے طواؤں۔۔۔ خدا قسم بڑی چور دار ہے۔
ان نے اس کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے رازدارانہ انداز میں تاسم
سے پوچھا۔
"تگڑی سی فل فلوٹی۔" تاسم کی ذہنی رو یکدم بدل گئی۔ اس کے منہ میں
پانی بھر گیا۔

"مباحی تو نہیں کر سبت دوست؟" تاسم نے کہا۔
اب عمران اس کا دوست مہی بن گیا۔ کیپٹن شکیل دھیرے سے مسکرا دیا۔ وہ
تاسم کی ٹاپ کو کسی حد تک سمجھ گیا تھا۔
"ایمان سے سچ کہہ رہا ہوں۔" مزے کر دگے مزے۔" عمران نے ہنجیگ
سے کہا۔

"کہاں ہے وہ؟" تاسم نے چٹخارہ لیتے ہوئے پوچھا۔
"پاسے واسے تو پلاؤ۔" ابھی آجاتی ہے۔" عمران نے اسے پلٹے کا
دھڑلواتے ہوئے کہا۔
"پیو۔۔۔ جتنی مرتب آتے پیو۔" اس سارے ہٹل کی ساری چائے پیو۔ مگر
ناراضی۔۔۔ تاسم موجد میں آگیا۔

"ایک بار کہا جو ہے۔" آجائے گی۔" عمران نے تدریسے اکتائے ہوئے اوج
یک جواب دیا۔

بہرہ — ارے اوہرے کی اولاد — اوہر آ — وہاں کھڑا کیا میرا۔
ربا ہے — سالے حرام خور — کام کے نہ کاج کے — دسمن اناج کے —
نے منہ پھاڑتے ہوتے کہا۔

اور اوہر اوہر بیٹھے لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔
بیرا تیر کی طرح اڑتا ہوا قاسم کے ماکس پہنچا۔

”سرایتے حضور! — اس نے قدرے جھک کر بڑے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔
بے سالے سیدھا کھڑا ہو — کیا پیٹ میں درد ہو رہا ہے؟ —
کو اس کے جھکنے پر غصہ آگیا۔

بیرہ سیدھا ہو گیا۔ قاسم کے نخرے انہیں برداشت کرنے پڑتے تھے کیونکہ
جو بڑی موٹی طعنی سکتی۔

”جائے ولتے لایڈ — اندھے ہو۔ نجر نہیں آتا — یہ سالے دوست میرے
آتے ہیں میرے — اس نے بیرے کو آؤر دیتے ہوئے کہا۔
عسراں اور کیپٹن شکیل اپنے نئے لقب پر بے اختیار مسکرا پڑے۔
بیرہ واپس مڑ گیا۔

”ہاں تو دوست! — وہ نسل فلورٹی — قاسم دوبارہ اپنے مقصد پر آگیا۔
”تمہارا یار حمید کہاں ہے آج کل؟ —“ عسراں نے اس کا سوال نظر
کرتے ہوئے کہا۔

”اس کا نام نہ تو میرے سامنے — سالہ سالٹ حرام ہر دفعہ مجھے چکرتے
ہے — — — میں — مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟ —“ قاسم بات کرتے کرتے
اچانک چونک پڑا۔

”میرا کھالا جادو ہے وہ“ عسراں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

کھالا جادو — قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
”ارے — تم کہیں عسراں و مران تو نہیں؟ —“ قاسم کو یاد آگیا کہ عسراں ہی
کھالا جادو استعمال کیا کرتا تھا۔

”نہیں نہیں — وہ کوئی اور ہوگا —“ میرا نام تو ابن بطوطہ ہے —“ عسراں
نے اسے اٹھانے کے لئے کہا۔ ورنہ وہ وہیں شام گھٹے مٹی ملنے کی کوشش کرتا۔ اور
اس سے گھٹے ملنے کا مطلب ہے۔ اپنی پسلیاں تڑوانا۔

”طوطا — کیوں مجاہق کرتے ہو؟ — تم تو آدمی ہو“ — قاسم کی ہی ہی
ٹانٹ ہو گئی۔

”نستے وقت قاسم کی باجیس کانوں سے جالیں۔ آنکھیں گوشت میں دھنس گئیں
اور سر زور زور سے آگے پیچھے ہلنے لگا۔

”عسراں! — سیدھے کھڑے ہو جاؤ — خبردار! اگر حرکت کی“ — عسراں
بھیڑ سے یو الور کی نال لگی اور ساتھ ہی کرنل فریدی کی سرد آواز آئی۔
قاسم کی ہنسی میں یکجہت بریک لگ گئے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے چلتا موٹر کھڑ
رہ گیا ہو۔

”عسراں اور کیپٹن شکیل چونک کر مڑے۔ اور پھر عسراں نے یہ دیکھ کر ایک طویل
نفس کو کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور ان کے دو ساتھی بری الور لئے انہیں
دیکھ کر مڑے تھے۔

چپ کر اس دراز کی اینٹیں کھسکا کر دوبارہ فٹ کر دی تھیں تاکہ کسی وقت بھی ان
بٹنوں کو بٹھا کر دراز میں گھسا جاسکے۔
صفر اب فارمولے کے مکمل ہونے کے چکر میں تھا کہ کب فارمولا مکمل ہو اور وہ
نہانی کو کاشن دے۔

پروفیسر ڈاک رینالڈ ان دونوں میں صفر سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا۔
لیکن صفر بدستور لے دیتے رہتا تھا۔ تاکہ کسی کو اس پینک نہ ہو سکے اور وہ
کبیں پروگرام پورا ہونے سے پہلے ہی پکڑا نہ جاسکے۔

آج تیسرا دن تھا اور صفر کو ابھی لیبارٹری سے چھٹی ملی تھی۔ وہ سونے
کے لئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک ایک سکیورٹی آفیسر اسے اپنی طرف
آواز دے دیا۔

”مٹریور — ذرا ٹھہریے! — اس نے آواز دی۔

صفر رک گیا۔

”فریٹے — کیا بات ہے؟ —“ صفر نے قد سے ناگواری سے جواب دیا۔
”آپ میرے سامنے ذرا سکیورٹی آفس چلیے“ — اس نے قدرے سخت
لہجے میں کہا۔

”کیوں؟“ صفر نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کا جواب آپ کو دہیں ملے گا“ — سکیورٹی آفیسر نے جواب دیا۔

”چلیے“ — صفر نے لا پرواہی سے کہا۔ لیکن اس کے دل میں کچھ بہہ رہا
تھا۔ یہی کہ کہیں کسی کو اس پر شک تو نہیں پڑ گیا۔ لیکن شک ہونے والی کوئی وجہ
بظاہر نظر نہیں آتی تھی۔ بہر حال وہ دونوں چلتے ہوئے سکیورٹی آفس میں پہنچ
گئے۔ وہاں چیف سکیورٹی آفیسر موجود تھا۔

صفر اب پروفیسر ڈاک رینالڈ کے ساتھ لیبارٹری میں کام کر رہا تھا۔
یہاں کام کرتے بہتے دو دن ہو گئے تھے۔ وہ چار گھنٹوں کے لئے اُسے چھٹی
اور اسے وہاں آکر دیا گیا تھا جہاں وہ جا کر سوتا تھا۔ لیکن ان
دونوں میں وہ سویا نہ تھا۔ اس نے لیبارٹری کے محل وقوع کی چھان بین
کی تھی۔

سٹو آفیسر مرنے کی وجہ سے صفر لیبارٹری میں ہر جگہ بڑی آسانی سے
سکتا تھا۔ اس نے دونوں میں تمام لیبارٹری کو اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔
لیبارٹری سے باہر نکلنے والے ایسے راستے کی تلاش تھی جہاں سے وہ پروفیسر
اٹھا کر کمرے تک لے جاسکتا ہو۔

آج صبح وہ ایسے راستے کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیبارٹری
میں سے باہر نکلنے والے ایک دروازے پر ایک پتلی گئی تھی۔ اس
دراز کو اینٹوں سے پڑ کیا گیا تھا۔ یہ دروازہ شاید اس وقت پیدا ہوئی تھی جب
کوئیچے سے کھوکھل کرنے کے لئے ڈائنامیٹ استعمال کیا گیا ہو گا۔

دراز خاصی پڑی تھی لیکن وہ اوپر تک سیدھی چلا گئی تھی۔ بغیر سیر
رہنے کے یہاں سے اوپر جانا تقریباً ناممکن تھا۔ صفر نے احتیاطاً ایک

تشریف رکھتے مقرر ہوئے۔ اس نے بڑی نرمی سے صغدر کو کرسمس
بیٹھنے کے لئے کہا۔

صغدر کسی پر بیٹھ گیا۔ سیکورٹی آفیسر اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔
فریاد کیا: کس لئے بلوایا ہے مجھے؟ صغدر نے ناگواری ظاہر
کرتے ہوئے پوچھا۔

آپ سی بارٹری کی کشت پر موجود دروازے کے قریب گئے تھے۔
سیکورٹی آفیسر نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اور صغدر اس غیر متوقع سوال پر چونک پڑا۔ لیکن جلد ہی اس نے پوچھا
آپ پر قابو پایا۔

جی ہاں۔ کیا تھا۔ اس نے اقرار کرنا ہی مناسب سمجھا۔
کیا میں وہ وجہ جان سکتا ہوں جس کے تحت آپ کو وہاں جانے کی ضرورت
پیش آئی؟

چیف سیکورٹی آفیسر نے قدرے طنزیہ لہجے میں پوچھا
"در اصل سی بارٹری میں کام کرتے کرتے میں بہت تنگ آیا تھا اس لئے
میں نے یہاں آ ہی تھی۔ میں ٹھہرتا ٹھہرتا اب ہر نکل گیا۔ صغدر نے بہانہ بنا
اس کا دل کھرا ہوا تھا کہ بہانہ معقول نہیں ہے۔

تو پھر آپ نے وہاں کیا حرکات کیں۔ کیا آپ تفصیل سے مجھے بتا
ہیں؟

چیف سیکورٹی آفیسر نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔
آپ تیز سے بات کریں۔ میں یہاں کا ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔
پورے عینہ نہیں۔ صغدر نے سخت لہجے میں اس پر رعب جما دیا
ہوئے کہا۔

آپ کو ذمہ دار آدمی سمجھتے ہوئے تو میں نرمی سے بات کر رہا ہوں۔ ورنہ

نجانے آپ کے ساتھ کیا سلوک ہو چکا ہوگا۔ — چیف سیکورٹی آفیسر نے
پوچھا۔

کیوں؟ میں نے ایسی کوئی حرکت کی ہے جو آپ اس طرح کی باتیں کر
سکتے ہیں؟ کیا اس دروازے کے پاس جانا جرم ہے یا گناہ ہے؟ — صغدر
تیز لہجے میں کہا۔

صرف دروازے کا ہونا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ لیکن دروازے میں لگی ہوئی
بڑی کھسکا ا یقیناً جرم ہے۔ — چیف سیکورٹی آفیسر نے اصل بات اگلتے
کہا۔

لیکن اس کا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ — صغدر نے آخری حربہ
تیار کیا۔

آپ کو وہاں چیک کیا گیا ہے؟ — چیف سیکورٹی آفیسر نے جواب دیا۔
آپ کے پاس چیکنگ کا کیا ثبوت ہے؟ — صغدر کو اب قدرے ڈھارس
پہنچ رہی تھی۔

تیس سال سے ایک آدمی نے رپورٹ دی ہے۔ اور چیکنگ پروگرام انٹیلیجنس
ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ چیف سیکورٹی آفیسر کا لہجہ اب قدرے ڈھیلے پڑ گیا تھا۔ کیونکہ
صرف رپورٹ پر کسی ذمہ دار آدمی کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہیں کی جاسکتی۔
میں زبانی رپورٹ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر الزام تراشی کر
سکتے ہیں۔ — صغدر نے اب مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

بہر حال تیمور صاحب! — ہم نے کرنل مندری کو اطلاع دی ہے۔ وہ
یہاں آئیں گے اور پھر جو وہ فیصلہ مناسب سمجھیں گے۔ کریں گے۔ — ویسے
آپ کو یہ خلوں مشورہ ہے کہ آپ کرنل مندری کے سامنے جھوٹ بولنے سے

گریز کریں تو اچھا ہے۔ — درنہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ — چیز
آفسر نے اسے ڈھکے پیچھے اپنے میں دازنگ دیتے ہوئے کہا۔
آپ مجھے دھمکیاں مت دیں۔ — کرنل فریدی صاف آپ کے زبان پر
پر یقین نہیں کر سکتے۔ — اور پھر مجھے کیا ضرورت ہے وہاں سے اینٹی
کرنل کی۔ — سفدر نے جواب دیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ
قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ گہری سوچ میں غرق ہو گیا کہ صبح کرنل فریدی
ساتنے پیش روئے کا مسند بڑا ٹیڑھا تھا۔ اس سے ایک غلطی جوئی تھی
سیکوریٹی دلوں کے دماغ میں تو نہیں آئی تھی لیکن کرنل فریدی یقیناً وہ
پکڑ لے گا۔

چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کرنل فریدی کے آنے سے پہلے وہ اس غلطی
تدارک کرے تو اچھا ہے۔ دراصل وہ جلد ہی میں ان اینٹوں پر اپنی انگلیوں کے
چھوڑ آیا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل کر چھپتا چھپاتا اس
کی طرف بڑھا۔ درایڈ کے قریب پہنچ کر اس نے جیب سے رومال نکالا اور
اینٹوں کو اس سے اچھی طرح صاف کرنا شروع کر دیا۔

ابھی وہ نشانات کو پوری طرح صاف نہ کر سکا تھا کہ اچانک درایڈ والی جگہ
ظہور پر روشن ہو گئی۔ وہ اب سرچ لائٹ کی زد میں تھا۔
"ہینڈز آپ مٹر تھمور۔" چیف سیکوریٹی آفسر کی سرد آواز صفحہ کے
سے ٹکرانی اور وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔

کرنل فریدی اور بیٹن حمید کو مٹی میں بیٹھے گہری سوچوں میں غرق تھے۔ کچھ
دوڑوں سے عمران اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تمام
بیک ڈورس انہیں جھونڈنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔ اور یہ چیز کم از کم فریدی کی نظریں بے حد
خطرناک تھی۔ کیونکہ اس طرح اسے عمران اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت کے
معلق کچھ تم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسی طرح میں گم تھا کہ کس طرح عمران کا پتہ لگایا جائے
راپاک ٹیلی فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔
فریدی نے چونک کر سیور اٹھالیا۔

"بارڈ اسٹون۔" اس نے سرو بے میں جواب دیا۔
"نمبر الیون سر۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔
"کیا بات ہے؟" — فریدی کا لہجہ بدستور سرد تھا۔
"سر! — عمران اور اس کے ساتھی کا پتہ چل گیا ہے۔" — "نمبر الیون نے
مخفی کیا۔"

"اوہ! — کہاں ہے وہ؟" — فریدی نے چونک کر پوچھا۔
"سر! — اس وقت وہ دونوں سورنگنگ ہوٹل میں قاسم کی میز پر موجود ہیں۔"
"نمبر الیون نے جواب دیا۔"

”سلورنگنگ ہوٹل اور قاسم کے ساتھ — فریدی بڑبڑایا۔

”جی ہاں جناب“ — نبرالیون کا لہجہ موڈبانہ تھا۔

”کیسے پتہ چلا؟“ — فریدی نے پوچھا۔

”سر — نبرون سکسٹی جو کہ ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ نے انہیں مین مارکیٹ سے سلورنگنگ ہوٹل میں چھوڑ دیا — سفر کے دوران عمران کے ساتھی نے اسے علم کیا کہ نام سے پکارا جاتا ہے اور وہ قاسم اور حمید کے متعلق باتیں کر رہے تھے — نبرون نے انہیں وہاں چھوڑ کر ہوٹل میں چیک کیا تو وہ دونوں قاسم کی میز پر موجود تھے۔“

نبرالیون نے پوری رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

”اب ان کی نگرانی کون کر رہا ہے؟“ — فریدی نے پوچھا۔

”ون سکسٹی سر —“ نبرالیون نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — میں اور حمید وہاں پہنچتے ہیں — تم دو آدمی اور نگرانی کے ذمہ دو“ — کرنل فریدی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر جناب“ — نبرالیون نے جواب دیا۔ اور کرنل فریدی نے یہ رکھ دیا۔

”چلو تمید — میں عمران کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا“ — کرنل فریدی نے اہجیہ انداز میں کہا۔

”تمید کے جسم میں چیونٹیاں سی ریگنے لگیں کیونکہ فریدی کا اس قدر سرد لہجہ اس کے کسی خطرناک ارادے کا مظہر تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا اور پھر وہ دونوں پورے میں کھڑی سکن پر سوار ہو گئے۔ لیکن کوٹھی سے نکل کر سڑکوں پر تیزی سے دوڑ لگی۔ اور پھر جلد ہی وہ سلورنگنگ ہوٹل کے کپڑوں میں پہنچ گئے۔

لیکن سے اتر کر کرنل فریدی اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مین گیٹ کی طرف

بڑھے بیک فورس کے دو اور ممبر جو ابھی ابھی وہاں پہنچے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھ ہریلے۔

”دل میں داخل ہوتے ہی انہیں قاسم کے سامنے بیٹھے ہوئے دو آدمی نظر آئے۔ وہ سیدھے ان کی میز کی طرف بڑھے۔“

عمران در کیٹن تشکیل کی چونکہ دروازے کی طرف پشت تھی اس لئے وہ فریدی وغیرہ کو آتے نہ دیکھ سکے

عمران کے قریب پہنچ کر کرنل فریدی نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی نال عمران کی پشت سے لگا دی۔

”عمران! — سیدھے کمرے میں جاؤ — خبردار اگر حرکت کی“ — فریدی کا سرد آواز بال نہیں گونج اٹھی۔

ارد گرد لوگوں کے ساتھ ساتھ عمران اور لیٹن تشکیل چونک کر مڑے۔ قاسم جو اس وقت ہنسنے میں مصروف تھا بیدار خاموش ہو گیا۔

عمران نے کرنل فریدی کو دیکھ کر ایک اطمینان کی سانس لی اور پھر وہ ہاتھ اٹھا کر کسی سے امٹ کھڑا ہوا۔ لیٹن تشکیل نے بھی اس کی پیروی کی۔

کرنل فریدی، لیٹن حمید اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ریوالور دیکھ کر بارگاہ بدلتے ہوئے لوگ بے اختیار امٹ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہروں سے خوف و ہراس عیاں ہوتا۔

”تم بھی چلو قاسم“ — کرنل فریدی نے قاسم کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

”مم — مم — مگر یہ عمران و عمران نہیں — یہ تو طوطا ہے طوطا“ — قاسم نے ہیرت اور خوف سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔

”خاموش ہو“ — فریدی نے سرد آواز میں اسے ڈانٹ دیا۔ اور قاسم نے یوں

منہ پیچ لیا جیسے اب وہ ساری زندگی نہیں بولے گا۔

مینجر یہ صورت حال دیکھ کر بھاگتا ہوا قریب آیا۔ وہ کرنل فریدی کو پہچاننا نہ سکا۔
 "سر — سر — مگر — میسٹر ہوٹل کی ریسپشن — خوف کے ہمارے
 اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"شٹ اپ — خاموشی سے چلے جاؤ — چلو عمران باہر چلو — مگر کرنل
 حرکت مت کرنا ورنہ — فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"م — م — مگر کرنل صاحب! — حرکت میں برکت ہے" — عمران نے
 ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ اس کے چہرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خوف نے
 باعث وہ ابھی بے ہوش ہونے والا ہے۔

"نہیں — اگر حرکت کی تو یہ ریوالور تمہارا لحاظ نہیں کرے گا" — فریدی نے
 اتنے ڈانٹ دیا۔

"بہتر کرنل صاحب جیسے آپ کی مرضی — حکم حاکم مرگ مفاعیات" — عمران نے
 زبان بدستور حرکت میں مٹی۔

"باہر چلو" — فریدی نے اسے حکم دیا۔ لیکن عمران بدستور اپنی جگہ بے حس و
 حرکت کھڑا رہا۔

"میں کہہ رہا ہوں — باہر چلو" — کرنل فریدی نے کھاٹ کھانے والے
 لہجہ میں کہا۔

"م — مگر کرنل صاحب! — خود ہی تو حکم دیا ہے کہ حرکت نہ کرو — خود ہی
 کہہ رہے ہو کہ باہر چلو — اب بغیر حرکت کیے میں باہر کیسے جاسکتا ہوں؟ —
 عمران بول پڑا۔

"شرافت سے باہر چلے چلو عمران — میں دوسری بار اپنی بات دہرانے کا ہمتی

نہیں ہوں" — کرنل فریدی سانپ کی طرح مچھنکارا۔

عمران خاموشی سے باہر کی طرف مڑ گیا۔ کیپٹن شکیل جو خاموش کھڑا عمران اور فریدی
 کے ڈائیلاگ سن رہا تھا اس کے پیچھے چل پڑا۔ ہوٹل کے مین گیٹ سے باہر نکل کر
 فریدی نے انہیں پھٹہرنے کا حکم دیا۔

"حمید! — دونوں کی تلاشی لو" — فریدی نے حمید کو حکم دیا اور حمید نے
 چمچے کھڑے ہو کر دونوں کی تلاشی لی اور دونوں کی جیبوں سے ریوالور نکال لئے۔
 چلو کار میں بیٹھو" — کرنل فریدی نے لنگن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

حکم دیا۔
 "اپنی ہنگامی کار میں — توبہ توبہ — میں یہ جرات کر سکتا ہوں" — عمران نے
 مصوم لہجے میں کہا۔

"بیٹھو" — فریدی نے مال سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ اور عمران خاموشی
 سے کار کی طرف چل پڑا۔

"دن سکسٹی! — تم تاسم کو اپنی کار میں لے کر کو مٹی آؤ" — فریدی نے دن سکسٹی
 کو حکم دیا۔ اور تاسم دن سکسٹی کے اشارے پر مڑ گیا۔

"حمید! — تم کار ڈرائیو کرو۔" — عمران اور تم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھو" — فریدی
 نے حکم دیا۔

"حمید ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عمران اور کیپٹن شکیل بھی اگلی سیٹ پر
 بیٹھ گئے۔

کرنل فریدی ریوالور لئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دروازے بند ہو گئے اور حمید
 نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"حمید! — ڈور لاک کر دو" — فریدی نے حمید سے کہا اور حمید نے ایک

عمران بھی نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گیا۔ ویسے وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا

ہوا تھا۔

کیپٹن شکیل بدستور خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں سے الجھنوں کے آثار نمایاں تھے اور حمید نے کار کو مٹی کے پھاٹک میں موڑ دی۔ اور پورچ میں جا کر کار رک گئی۔ حمید نے لاک کھولنے والا بٹن دبا دیا اور سب سے پہلے کرنل فریدی کا سر سے نیچے اترا۔ عمران اور کیپٹن بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے۔

ہاتھ نیچے کر لو۔۔۔ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے ہاتھ نیچے کر لئے لیکن عمران بدستور ہاتھ اٹھاتے ہوئے کھڑا رہا۔

عمران!۔۔۔ ہاتھ نیچے کر لو۔ اور اندر ڈرائیونگ روم میں چلو۔ کرنل فریدی نے عمران سے کہا۔

خواجہ کو نیچے کروں۔ یعنی اب آپ کے ظلم کے خٹلا آواز تو آواز۔ ہاتھ بھی بلند نہ کروں۔ عمران نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ اور دوسرے لمحے فریدی مسکرا دیا۔

اسی لمحے ایک ٹیکسی کو مٹی میں داخل ہوتی۔ یہ نہروں سکسٹی کی ٹیکسی تھی۔ اس کی شکل بوٹل میں دیکھتے ہی عمران سمجھ گیا تھا کہ ان کی بوٹل میں موجودگی کا کرنل فریدی کو کیسے پتہ چلا ہے۔ ٹیکسی میں قاسم تھا۔

اب سب لوگ ڈرائیونگ روم میں موجود تھے۔ کرنل فریدی کے ہاتھ میں بدستور ریوالور موجود تھا۔ حمید ریوالور لئے عمران اور کیپٹن شکیل کے پیچھے کھڑا تھا۔ قاسم بھی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بدستور خوف کے آثار تھے۔

بٹن دبا دیا۔

اب حمید ہی دوبارہ بٹن دبا کر دروازے کھول سکتا تھا۔ ورنہ دروازے بند ہو سکتے تھے۔ گاڑی بوٹل کے کپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

بڑی آرام دہ کار رکھی ہوئی ہے کرنل فریدی!۔۔۔ اور پھر حمید جیسا انارڈڈ کتنی تنخواہ دیتے ہیں آپ سے۔؟ عمران یوں مطمئن تھا جیسے وہ پکٹ نہ جا رہے ہوں۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ حمید سے نہ رہا۔ وہ بول پڑا۔

تم اس دن پوچھ رہے تھے کہ جہنم کہاں ہے۔ آج تمہیں وہاں کی یہ کھا۔۔۔ حمید کا لہجہ بے حد جھلکا تھا۔

اچھا۔۔۔ تو تم دونوں جہنم کے واروغے ہو۔۔۔ جیسی میں اور میرا ساتھی۔ معصوم اور نیک ہیں۔ ساری زندہ گی اللہ اللہ کرتے گزاری ہے۔ ناکردہ میں پکڑے گئے ہیں۔۔۔ عمران نے بڑی معصومیت اور عاجزی بھرے میں جواب دیا۔

تمہاری ساری معصومیت کا بھرم ابھی کھل جاتا ہے۔ تمہاری یہ دو گز کی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔۔۔ حمید نے کہا۔

توبہ توبہ!۔۔۔ اتنی بے ایمانی۔ چار انچ کی زبان کو دو گز بنا دیا ہے۔ خدا قسم اگر تم کپڑا بیچنے بیٹھو تو دو دن میں کروڑ پتی بن سکتے ہو۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

حمید!۔۔۔ تم خاموش رہو۔۔۔ کرنل فریدی نے حمید کو سختی سے ڈانٹا اور حمید جس نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا۔ سختی سے منہ بھینچ لیا۔

”قاسم! — عمران تم سے کیا گفتگو کر رہا تھا؟ —“ کرنل فریدی نے پوچھا۔
قاسم سے کیا۔

”عمران —؟ پھر مدق صاحب! میں نے پہلے بتایا ہے کہ یہ عمران و مران نہ
بلکہ طوطا ہے۔“ قاسم کے ذہن پر ابھی تک ابن بطوطہ کا قبضہ تھا۔

”یہ طوطا نہیں — عمران ہے۔“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔
”سچ —؟ قاسم نے یقین نہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔

”ہاں — میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ یہ میک آپ میں ہے۔“ کرنل فریدی نے
جواب دیا۔

”ارے پھر تو یہ میرا کھانا ہوا۔“ قاسم کی ذہنی روپٹ گئی۔ بنجانے
کے جسم میں اتنی پھرتی کہاں سے آگئی۔

اس سے پہلے کہ کرنل فریدی یا حمید کچھ سمجھتے۔ قاسم لپک کر اٹھا اور پھر
سے گلے ملنے لگا۔

عمران نے یہ موقع سمجھا اور اس نے پھرتی سے کیپٹن شکیل کو کہنی ماری اور
لمحے قاسم کے موٹے ہیٹ کے گرد عمران کے ہاتھ لپٹ گئے۔ قاسم تو خود ایسا چاہتا تھا
اس لئے اس نے چھڑانے کی کوشش ہی نہ کی۔

اب عمران اور فریدی کے درمیان قاسم آگیا تھا۔ اسی لمحے کیپٹن شکیل اپنی
جگہ سے اچھلا اور اڑتا ہوا وہ اپنے پیچھے کھڑے حمید پر جا پڑا۔ وہ فوری طور پر اس
پیشکش کو نہ سمجھ سکا تھا۔ دیوالور اس کے ہاتھ سے کل گیا تھا۔

”رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔“ فریدی سچویشن سمجھتے ہی چیخا۔ مگر
عمران نے اپنی پوری قوت سے قاسم کو فریدی پر دھکیل دیا۔ ایک زوردار ٹکراؤ ہوا
اور فریدی تو اپنی کرسی سے ہی اٹھ رہا تھا۔ چونکہ پہلے سے تیار نہیں تھا۔ قاسم کے

بڑبھڑکناؤ سے نیچے جاگرا۔

ادھر کیپٹن شکیل کا داؤ چل گیا اور اس نے حمید کو بھی ان دونوں پر اچھال دیا۔
فریدی جس نے دھکا دے کر قاسم کو ایک طرف کیا تھا۔ حمید کے اوپر آگرنے
سے دوبارہ نیچے گر پڑا۔

”بھاگو۔“ عمران کی آواز گونجی اور پھر وہ دونوں برق جیسی تیزی کے ساتھ
بہی چھٹنگ میں کمرے کا دروازہ پار کر گئے۔ فریدی نے دیوالور چلایا مگر حمید جو
اٹھ رہا تھا اس کا ہاتھ لگنے سے نشانہ چوک گیا۔

عمران اور کیپٹن شکیل دونوں تیزی سے بھاگتے ہوئے کوٹھی کے گیٹ سے باہر
نکل گئے۔ شکرست کو دن سکٹی اپنی ٹیکسی لے کر جا چکا تھا۔ کوٹھی سے باہر نکلتے ہی
نہوں نے سڑک پار کی۔

”ادھر اس کو معیض میں۔“ عمران جو آگے بارہا تھا۔ ایک کوٹھی کا چھانک کھلا
دیکھ کر ادھر رہ گیا۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے پلچ میں پہنچے اور برآمدہ میں دو نوجوان کھڑے انہیں
اس طرح بھاگتے دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھاڑ رہے تھے۔
”کوئی شخص تو یہاں نہیں آیا۔“ عمران نے ان دونوں کو قریب پہنچتے

ہی پوچھا۔
”نہیں تو۔ ہم یہاں دو ہی ہیں۔ اور تو کوئی نہیں آیا۔“ ایک نوجوان
نے بولکھٹ میں جواب دیا۔

کیپٹن شکیل بھی پہنچ گیا تھا۔
”شکیل۔“ عمران نے تیزی سے آنکھ دبا کر کیپٹن شکیل کو اشارہ کیا۔ اور پھر
دوسرے عمران اور شکیل ان دونوں پر ٹوٹ پڑے اور پھر اس سے پہلے کہ وہ شور

مچاتے یا چیتے۔ وہ انہیں گھسیٹ کر کمرے میں لے گئے۔ درپھر ان دونوں ایک ایک ہاتھ ہی کافی تھا۔ چند لمحے بعد وہ دونوں بیہوش پڑے تھے۔
پچھلی طرف نکل چلے۔ عمران نے کہا اور پھر وہ دونوں بھاگتے ہوئے
کی پچھلی طرف چلے گئے۔ کوٹھنی کی پشتی دیوار چھوٹی سی تھی۔

وہ دونوں دیوار چاند گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی سڑک تھی۔ مختلف کوٹھنیوں
ہوتے ہوئے جہد ہی وہ ایک اور سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک بالکل سنسان تھی
ایک کوٹھنی کی دیوار کے ساتھ کار کھڑی تھی۔ عمران نے پورے زور سے
کار کی کھڑکی پر حک مارا۔ شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس نے ہاتھ اندر کر کے کار کا دروازہ
اور پھر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ اور کیپٹن شکیلا
سے کار میں بیٹھ گیا۔

عمران شیرنگ پر تھا۔ اس نے کوٹھنی کی خفیہ پاکٹ سے ایک چھوٹی سی
مکالمی۔ بیسٹر کی تھی۔ اور پھر جیسے ہی اس نے اسے استعمال کیا۔ کار
ہو گئی۔

یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہو گیا۔ دوسرے دن کارز ناٹے بھرتی ہوئی سڑک
دوڑتی چلی گئی۔ شہر سے دور انہوں نے کار چھوڑ دی اور پھر پیدل ہی مختلف
پر سے ہوتے ہوئے شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پل پڑے۔
رات ہو گئی تھی اس لئے انہیں اپنے پہچان لئے جانے کی اتنی فکر نہ رہی
وہ سڑک چھوڑ کر کھیتوں کے درمیان چل رہے تھے۔ جلد ہی وہ اس کنڈرٹر
گئے جہاں سے وہ تفریح کرنے نکلے تھے۔ وہاں پہنچ کر دونوں نے اطمینان
ایک علوی سانس لی۔

”آج بڑے چھنے تھے۔ بھلا ہو میرے کھالا جادو کا لہذا آج رات ہی“

عمران نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
”سرن سنریڈی نے ہمیں تلاش تو کیا ہوگا۔“ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔
”بھینا کیا ہوگا۔“ عمران نے جواب دیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں جیسے اسے
نہیں آرہی ہو۔

”ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے چھٹکارا ہو جائے گا۔“ کیپٹن شکیل
نے کہا۔

”ہاں۔ کبھی کبھی کوئی کام جو بے حد مشکل نظر آتا ہے اس کا حل بڑا سادہ سا
ہوتا ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔
”اب مزید کیا پروگرام ہے؟“ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔
”پارسلینے دو۔ بڑی زور کی نیند آرہی ہے۔ وہ کیا مصرعہ ہے؟“
”جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا“

عمران نے کہا اور کیپٹن شکیل مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اور پھر چند لمحوں بعد
عمران کے خزانوں سے کھنڈر گونج رہا تھا۔



”اب بتائیے مشر تمبر! کیا خیال ہے آپ کا اس الزام کے متعلق؟“
چیف سیکورٹی آفیسر نے زہر خند لہجے میں کہا۔

صنذر جو ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ جھٹکے سے ہاتھ نیچے کر لئے۔

آپ کیا چاہتے ہیں آفیسر صاحب! — میں نے کیا جرم کیا ہے؟
میرے پیچھے پڑ گئے ہیں —؟ صنذر نے انتہائی کراخت لہجے میں کہا۔

”کیا آپ یہاں اپنی موجودگی کا جواز پیش کر سکتے ہیں؟“ — چیف نے
آفیسر نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”کیا یہاں آنا کوئی جرم ہے؟“ — مجھ پر آپ نے جو الزام لگایا تھا، اس
بنا پر میں یہ چپ کرنے آتا تھا کہ کیا واقعی یہاں سے اینٹیں ڈھیل کی گئی ہیں
نہیں؟ — صنذر کا جواب مدلل تھا۔

”ہوں — تو آپ کے ہاتھ میں رومال کس لئے ہے؟“ — کیا آپ نشانات
رہے تھے؟ — چیف سیکورٹی آفیسر کا لہجہ اب نرم تھا۔ شاید اسے خود بھی
ہرگز بتا کہ صنذر کا پتہ بھاری رہا ہے۔

”ہاں — دیکھتے ہوئے اتفاق سے ایک اینٹ سے میری انگلی چٹو گئی تھی
اسے صاف کر رہا تھا —“ صنذر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”چلو ایسے ہی سہی — بہر حال آپ اپنے آپ کو حراست میں سمجھیں“ — چیف
سیکورٹی آفیسر نے کہا۔

”آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے چیف سیکورٹی آفیسر صاحب! — ڈی آر
کے حکم کے بغیر آپ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے“ — صنذر نے غصہ ناک لہجے میں
جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — آپ پہلے ڈی آر۔ دن کے پاس چلیں“ — چیف سیکورٹی
آفیسر نے کہا۔

صنذر خاموشی سے ایسب۔ ڈی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ

نہ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ یہ لوگ تو ایک آپ پہچان نہیں کئے۔ البتہ کرنل مندریتی
بچتے ہی پہچان جائے گا۔ چنانچہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے جلد از جلد کرنا ہے۔ اور
آفیسر کا شمار لاکھوں نہیں ہو رہا تھا۔

ناہیولا مکمل ہوئے سے پہلے پروفیسر کو لے بھاگنا فضول تھا۔ وہ چلتا جاتا تھا
دوسرے جاتا تھا کہ اب وہ کیا کرے؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

بلکہ یہ ایسب۔ ڈی میں پہنچ گئے۔ پروفیسر ڈاک رینالڈ جو ایسب۔ ڈی میں پہنچ
چکا تھا۔ صنذر کو اس طرح سیکورٹی کے حلقے میں دیکھ کر چونک پڑا۔

”کیا بات ہے مشریمور؟“ — اس نے حیرت سے پوچھا۔

”سرا! — مشریمور کی پوزیشن مشکوک ہو چکی ہے“ — چیف سیکورٹی آفیسر
نے موزبانہ لہجے میں کہا۔

”دیکھیے —؟ تفصیل بتاؤ —؟ آپ تشریف رکھیں مشریمور — پروفیسر
صنذر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صنذر خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”سرا! — کل رات ہمارے ایک آدمی نے مشریمور کو اس وقت چیک کیا جب
ایسب۔ ڈی کی لیشٹ میں موجود دروازے والیں آ رہے تھے — میں نے رپورٹ

دے دی وہاں چیکنگ کی تو پتہ چلا کہ دروازے کی اینٹیں جو اسے بند کرنے کھلے لگائی
گئیں تھیں ان میں سے کافی تعداد میں اینٹیں اپنی جگہ سے کھسکائی گئی ہیں — آج

رات جب یہ ایسب۔ ڈی سے فارغ ہو کر آئے تو میں نے ان سے پوچھ گچھ کی تو انہوں
نے اسے اکیلا کہ وہ دروازے کی طرف گئے تھے۔ لیکن اینٹیں کھسکانے کے الزام سے منکر
نہ گئے — میں نے جان بوجھ کر انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں اینٹوں پر انگلیوں کے

نشانات موجود ہیں — چنانچہ میرے ساتھ بات کرنے کے مقصد سے دیر بعد یہ

حسب توقع دراز پر پہنچے اور انہوں نے رومال سے وہاں انگلیوں کے نشان مٹانے شروع کر دیئے اور میں نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ اب انہیں کرنے کے لئے آپ کی اجازت ضروری ہے۔ اس لئے پہلے آپ کے پاس آئے ہیں۔ چیف سیکورٹی آفیسر نے تفصیل پیش کی۔

آپ تشریف رکھیں۔ جیسے ہی آفیسر نے رپورٹ مکمل کی پروفیسر اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

آفیسر شکر ادا کرتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

ہاں تو سٹریمور! آپ کا اس بارے میں کیا بیان ہے؟ پروفیسر نے قد سے سخت بلجے میں صفر سے پوچھا۔

سر! دراصل بات یہ ہے کہ کل رات یسبارٹری سے چھٹی کرنے کے بعد مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ میں ٹہلتا ہوا اس دراز کی طرف نکل گیا۔ اس سے پہلے یسبارٹری کی پشت کی طرف کبھی نہیں گیا تھا اس لئے دراز دیکھ کر مجھے قہر سے حیرت ہوئی۔ میں اس دراز کا جائزہ لیتا رہا اور پھر واپس چلا۔ آج یسبارٹری سے چھٹی کے بعد سیکورٹی آفیسر نے مجھے بلوایا اور مجھ پر الزام لگایا کہ در و دھکیاں دیں۔ میں نے جو بات تھی صحیح صحیح انہیں بتلا دی۔ انہوں نے مجھے بیچ کر نل سریدی کے سامنے پیش کرنے کا رعب دیا۔ ان سے واپس آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ دیکھوں آیا واقعی وہاں اینٹیں ڈھیلی بھی ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ میں دراز کی طرف جا نکلا۔ وہاں اینٹیں واقعی ڈھیلی تھیں۔ انہیں چیک کرتے ہوئے اتفاقاً میری انگلی ایک اینٹ سے چھو گئی۔ میں اسے رومال سے صاف کر دیا۔ اسی وقت انہوں نے مجھے بینڈز آپ کرادیا اور اگر ہونے کا حکم سنایا۔ میں نے انہیں پوزیشن بتلائی اور کہا کہ ڈی۔ آر۔ دن کے

غیر آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ اب مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ صفر نے بھی تفصیلاً اپنا بیان سنا دیا۔

ہوں!۔ پروفیسر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں تک وہاں گہری خاموشی طاری رہی۔ پھر پروفیسر چونک کر اپنی کرسی سے اٹھا۔

آفیسر! آپ میرے ساتھ آئیے۔ سٹریمور! آپ یہیں موجود ہیں۔ پروفیسر نے آفیسر سے اور صفر سے کہا۔

چیف سیکورٹی آفیسر اٹھ کر پروفیسر کے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔

ان بات ہی صفر تیزی سے اٹھا اور پھر وہ اس کمرے کے صدارت کے قریب پہنچا۔ اس نے کی ہول سے اپنے کان لگا دیئے۔ آفیسر اور پروفیسر کے درمیان رونے والی گفتگو کو سننا اس کے لئے بے حد ضروری تھا۔ کیونکہ اسی پر تمام پروگرام کا رد و بار تھا۔

پروفیسر اور چیف سیکورٹی آفیسر کی باتیں اس کے کانوں تک پہنچتی رہیں۔ پروفیسر آفیسر سے کہہ رہا تھا۔

دیکھئے آفیسر!۔ فارمولا اتنا اہم ہے کہ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ آپ بے شک کرنل سریدی کو اطلاع دے دیں اس کے بعد سچ اور جھوٹ کا اندازہ کرنا ان کا کام ہے۔ لیکن ایک بات ہے۔ میرا فارمولا آج نام مکمل ہو جائے گا۔ اس وقت وہ آخری مراحل میں ہے اور میں بتائے گا آخری مراحل میں اس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ میری ساری محنت برباد ہو سکتی ہے جو میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے تم ایسا کرو کہ

شام کے آٹھ بجے کے بعد کرنل فریدی کو اطلاع دے دینا۔ پھر مجھے کوئی بھی نہ ہوگی۔ اس سے پہلے میں کوشش کروں گا کہ وہ لیبارٹری سے باہر نہ سکے۔ ویسے لیبارٹری کے ارد گرد تم اپنے آدمی پھیلادو تاکہ اگر وہ باہر بھی تو اس کی نگہبانی بھی کی جائے۔ پروفیسر سیکورٹی آفیسر کو سمجھا رہا تھا کہ بہت بہتر سر۔ ایسا ہی ہوگا۔ سیکورٹی آفیسر کی موڈبازہ آواز اور صفدر تیزی سے واپس آیا اور کرسی پر لیوں بیٹھ گیا جیسے وہ کرسی سے نہ ہو۔

چند لمحوں بعد پروفیسر دروازہ کھول کر لیبارٹری میں آیا۔

”مسٹر تیمور! آپ بے فکر رہیں۔ میں نے انہیں سمجھا دیا ہے کہ ان کا غلط ہے۔ آپ اطمینان سے کام کریں۔“ پروفیسر نے صفدر سے کہا۔ صفدر نے باقاعدہ ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس کے بارے میں اچھے خیال رکھتا ہے۔ اس کے بعد لیبارٹری میں کام کرنے والے باقی لوگ بھی آگے پروفیسر نے فارمولے پر کام کرنا شروع کر دیا۔

صفدر سوچ رہا تھا کہ فارمولا مکمل ہوتے ہی وہ اسے لے اڑے۔ درجہ فریدی کے آنے کے بعد تمام پروگرام نامکام ہو جاتے گا۔ دروازے کی طرف سے جانے والا مشکل تھا کیونکہ سیکورٹی آفیسر نے یقیناً وہاں اپنے آدمی تعینات کر رکھے ہوں گے۔ مگر اور کوئی ذریعہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس سلسلے میں خاصا پریشان تھا۔ وہ کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ اگر دروازے کا ہی پروگرام بنایا جائے تو اس کے لئے دروازے کی پوزیشن بتانی پڑے گی اور اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے وہ عمران کو صورت حال سے مطلع کرتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

رہے اور کیا نہ کرے۔

آج سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ گو اس میں رسک تھا مگر اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے اس ترکیب پر عمل کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔

پروفیسر تجربہ گاہ میں پورے انہماک سے مصروف تھا۔ شام کے قریب جب وہ ریسٹ کرنے کے لئے فارغ ہو کر ایک کرسی پر بیٹھا تو صفدر اس کے پاس گیا۔

”سر! مجھے سیکورٹی آفیسر نے فوری طلب کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ

”ممنٹ کا کام ہے۔“ صفدر نے بڑے موڈبازہ لہجے میں کہا۔

”اوہ! کوئی بات نہیں۔ تم فکر مت کرو۔ کوئی اور کام ہوگا۔ تم چند منٹ کے لئے چلے جانا۔“ پروفیسر نے تھکے لہجے میں کہا۔ ”ابا! ذرا

بہتر سر۔“ صفدر نے موڈبازہ انداز میں سر ہلایا اور پھر تیزی کے ساتھ لیبارٹری سے باہر نکل گیا۔

وہ سیدھا سیکورٹی آفس کی طرف چلا جا رہا تھا۔ تین تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ آفس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ چیف سیکورٹی آفیسر کمرے میں اکیلا تھا۔ صفدر نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے چپخنی چڑھا دی۔ چیف سیکورٹی آفیسر چونک کر حیرت میں انداز میں صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کا ردائی کا مطلب نہ سمجھ سکا ہو۔

دروازہ بند کرتے ہوئے صفدر سیکورٹی آفیسر کی طرف بڑھا۔ اس کے لبوں پر بڑی

”کیا بات ہے مڑتیمور؟“ — صفدر کے قریب آنے پر چیف سیکورٹی نے پوچھا۔

”وہ ٹرانسپٹر کہاں ہے جس سے تم نے کرنل فریدی سے بات کرنی ہے۔“
صفدر نے اس کے قریب پہنچ کر بڑے پراسرار انداز میں پوچھا۔

”مگر کیوں؟“ — چیف آفیسر مزید حیرت زدہ ہو گیا اور دوسرے لمحے وہ ایک جھٹکے سے کرسی سمیت فرش پر جا گرا۔ صفدر کا زیر دست مگر اس کے جبرے پر پڑا۔ میز پر پڑا ہوا ریوالور جسے سیکورٹی آفیسر استعمال بھی نہ کر سکا تھا۔ اب صفدر ہاتھ میں تھا۔

”خاموش رہو۔ اگر چیخنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔“ صفدر کے میں بھیڑتے جیسی غراہٹ مٹی۔

آفیسر نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گیا کیونکہ صفدر کا لہجہ ہی بتا رہا تھا کہ اپنے کہے پر عمل کر دے گا۔

جلدی بتاؤ۔ وہ ٹرانسپٹر کہاں ہے؟“ صفدر غرایا۔

”میسرے پاس کوئی ٹرانسپٹر نہیں۔“ آفیسر نے کہا لیکن اخطاری طور پر نے اپنا وہ بازو چھپانا چاہا جس پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ صفدر کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

”گھڑی تیار کر مجھے دو۔ جلدی کرو۔“ صفدر نے حکم دیا اور ٹریگر پر کاواؤ تدر سے بڑھا دیا۔

”دیتا ہوں۔ دیتا ہوں۔“ سیکورٹی آفیسر کی آنکھوں میں موت کے سیا لہرائے۔ اس نے گھڑی تیار کر صفدر کو کپڑا دی۔ شاید اسے خیال ہو کہ یہ گھڑی نہ

نٹ ٹرانسپٹر کو نہیں مجھ کے گاسکین یہ تقریباً اسی قسم کی گھڑی تھی جیسی صفدر

کے پاس تھی۔

دوسرے لمحے سائیلنسر گئے ریوالور نے شعلہ اگلا اور آفیسر کی کمپوٹی پر زے پڑے ہو کر بکھر گئی۔ وہ آہ بھی نہ کر سکا تھا۔

صفدر نے ایک لمحے کے لئے گھڑی کو دیکھا۔ پھر اس نے ڈنڈ بن کھینچ کر گھڑی کی سہیل کو محسوس بند سول پر بیٹھ کیا۔ گھڑی کی تاریخ والا خانہ سرخ ہو گیا۔ جلد ہی

نئے کا رنگ، بنری میں تبدیل ہو گیا۔

”بینڈ سمران صاحب! میں صفدر بول رہا ہوں اور“ — صفدر نے تیزی سے کہا۔

”خیریت ہے صفدر۔ اور“ — سمران کے لہجے میں پریشانی تھی۔

”عمران صاحب! حالات بڑے نازک ہیں۔ مجھ پر سیکورٹی کو شک ہو گیا ہے۔ ایک آدمی گھنٹے بعد فارمولا مکمل ہو جانے گا۔ میں اس وقت سیکورٹی

آفیسر کو ختم کر کے اس کے ٹرانسپٹر سے بات کر رہا ہوں۔ یہ ہمارے ٹرانسپٹر سے ملتا جلتا ہے۔ یہاں لیبارٹری کی لپشت پر ایک دراڑ ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد فارمولا

اور پروفیسر کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔ آپ الٹ رہیں۔ اوپر سے رسی کی ریڑھی پھینک دیں۔ میں اوپر آ جاؤں گا۔ یہ دراڑ لیبارٹری کے مغربی جانب ہے۔

ہم وہاں سے آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ اور“ — صفدر نے تیزی سے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن اگر تم کو پہلے ہی چیک کر لیا گیا تو۔ اور“ — سمران کے لہجے میں بے پناہ تشویش تھی۔

”میں کوشش کروں گا کہ حالات کو سنبھال لوں۔ بہر حال یہ ایک اچھا راستہ ہے اگر آپ کہیں تو۔ اور“ — صفدر نے جواب دیا۔

محبوب سے — پھر میں پہلے والا پر گرام ملتوی کرتا ہوں — میں اور میرے
آدمی ایک گھنٹے بعد پہاڑی پر پہنچ جائیں گے — تم پروفیسر اور نادر مولے کو لیٹر
دیا آجانا۔ اور — عمران نے جواب دیا۔

”بہتر۔ اور — صفدر نے کہا۔

”اور اینڈ آل — عمران نے جواب دیا۔

صفدر نے ڈنڈن واکر جلدی سے گھڑی مینر کی دروازے میں رکھی اور پھر ریوالور
کو کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ آفیسر کی لاش
مینر کی آڑ میں پڑی تھی اس لئے دروازے سے دیکھنے والے شخص کو فوری طور پر نظر
نہیں آسکتی تھی۔ وہ اطمینان سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا۔ اس نے آہستہ سے
چٹخنی کھولی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

دروازے پر بیٹھا چپڑا اسی صفدر کو باہر نکلتے دیکھ کر مودبانہ طور پر کھڑا ہو گیا۔
”دیکھو! — آفیسر کا حکم ہے کہ وہ نہایت اہم کام میں مصروف ہیں اس لئے ایک
گھنٹے تک نہ خود اندر جانا۔ اور نہ کسی اور کو اندر جانے دینا۔ چاہے وہ کوئی
بھی ہو۔“ صفدر نے بڑے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”بہت بہتر سر۔“ چپڑا اسی نے بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔

صفدر سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

چپڑا اسی واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ایسے احکامات کا عادی تھا۔ اس
لئے اسے اس حکم پر کوئی حیرت نہ ہوئی اور نہ ہی اس نے اندر جا کر وضاحت مانگنی
مزدوری سمجھی۔ کیونکہ بہر حال صفدر ایک ذرا آفیسر تھا۔ وہ خاموشی سے مستعد ہو کر
کرسی پر بیٹھا رہا اور صفدر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب اس کا رخ دوبارہ لیبارٹری کی طرف
تھا۔

مشفق احمد
نبی ذریعہ
MA

عمران کال ملتے ہی مستعد ہو گیا کیونکہ فیصلہ کن لہجہ آپہنچا تھا۔ اس نے کیٹن شکیل
کو بھی تیاری کا حکم دیا اور پھر ڈائریکٹر پر نغانی کو کال کرنے لگا۔
رابطہ جلد ہی مل گیا۔

”ہیلو — نغانی سپیکنگ اور —“ دوسری طرف سے نغانی کی آواز آئی۔

نغانی! — میں عمران بول رہا ہوں — میری ہدایات غور سے سنو۔ تم
یہ جے اپنے دوست فیروز کے پاس جاؤ اور وہاں سے پارچ مضبوط جسم والے
لاٹائی ممبرانی میں ماہر آدمی لے کر ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس لیبارٹری پہنچ جاؤ
لیبارٹری کے مغربی حصے میں تم سب نے چھپ جانا ہے۔ وہاں سے ایک دروازے
کے ذریعے صفدر فارمولا اور پروفیسر کو پہاڑی پر لے آئے گا۔ ہم نے فارمولا اور
پروفیسر کو لے آنا ہے۔ اس کے بعد کی ہدایات موقع پر دی جائیں گی۔ ویسے
موقع محل دیکھ کر جو کچھ کرنا چاہو — میری طرف سے اجازت ہے اور — عمران
نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر — میں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جاؤں گا۔ اور —“ نغانی
کا آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے — اور اینڈ آل —“ عمران نے کہا اور ڈنڈن واکر رابطہ

ختم کر دیا۔

ایک دو لمحے مٹھ کر اس نے ایک اور فنکونسی سیٹ کی اور پھر کال کرنے جلد ہی رابطہ مل گیا۔

”نارہ سپیکنگ سر۔ اور“ — دوسری طرف سے نادر کی آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں نارہ! — ایک گھنٹے کے اندر اندر پہاڑی کے شاخصے میں پہنچ جاتے — ایک گھنٹے بعد ہم نے وہاں سے فارمولا اور پروفیسر کو نہ کرنا ہے — تم سمجھ گئے۔ اور“ — عمران نے کہا۔

”سمجھ گیا ہوں سر — آپ بے فکر رہیں۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ اور“ — دوسری طرف سے نادر کی آواز سنائی دی۔

”اور اینٹ ریل“ — عمران نے کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔ کیپٹن شکیل تیار ہو کر اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ بولا۔

”سب ٹھیک ہے عمران صاحب!“

”ہاں! — فی الحال تو سب ٹھیک ہے — تم نے اندر سیاہ لباس پہن لیے“ — عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں! — پہن لیا ہے“ — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے چلو“ — عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

”والپسی کا پروگرام بھی سوچا ہے آپ نے؟“ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

”والپسی کا والپسی کے وقت دیکھا جائے گا — فی الحال تو جانے کا ہی پرزہ ہے“ — عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بہر حال پہلے سے سوچ لینا بہتر ہے“ — کیپٹن شکیل نے کہا۔

”ارے یہ میری ریڈی میڈ کھوپڑی کب کام آئے گی — تم یہ کام اس پر چھو“

”کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی“ — عمران نے کہا اور چل دیا۔ کیپٹن شکیل بھی سر ہلا کر اس کے پیچھے چل پڑا۔



کرنل خریدیے کا رچلاتے ہوئے اچانک چونک پڑا۔ ٹرانسمیٹر کا بلب پارک کر رہا تھا۔ اس نے تیزی سے گاڑی ایک سائیڈ میں روکی اور پھر ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔

”بارڈر اسٹون سپیکنگ“ — کے الفاظ ابھی آس کے منہ میں ہی تھے کہ دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر وہ بڑی طرح چونک پڑا۔

”ہیلو“ — ہیلو صفدر سپیکنگ اور“ — ایک آواز آس کے کان میں پڑی اور اس نے سختی سے مونٹ بیچنے لگے۔

”ہیلو“ — عمران وی سائیڈ۔ اور“ — دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی اس کے کانوں سے ٹکرائی اور بے اختیار اس کے مونٹول پر مسکراہٹ پھیلی چلی گئی۔

صفدر عمران کو رپورٹ سے رہا تھا۔ پورا پروگرام سیٹ کیا جا رہا تھا اور کرنل خریدی خاموشی سے کار میں بیٹھا تمام پروگرام سن رہا تھا۔ صفدر کی زبانی ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ چیف سیکورٹی آفیسر کو ختم کر کے اس کی ٹرانسمیٹر واپس

سے رپورٹ دے رہا ہے۔

یہ ایسا ٹرانسمیٹر تھا جس پر کوئی بھی فریکوئنسی سیٹ کی جاتی تو کرنل من کی کار میں موجود طاقت ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر ختم ہو جاتی۔ اگر وہ اس کار میں موجود نہ ہوتا تو یقیناً وہ اس وقت اس پر دگرم سے لاعلم رہتا اور یہ کرنل مندریدی کی بد قسمتی ہوتی۔

رابطہ ختم ہو چکا تھا، لیکن کرنل فریدی ابھی بیٹھا اس پر دگرم کے متعلق رہا تھا۔ پہلے تو اسے خیال آیا کہ ایسا بڑی جاکر صند کر چیک کرے لیکن پھر نے سوچا کہ صرف ایک گھنٹے کا وقفہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران وہ صند کو جبر نہ کر سکے اور عمران وغیرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے پھر ہی عمران وغیرہ کو بکڑنے کا پروگرام بنالیا۔

چند لمبے عوز کرنے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر ایک فریکوئنسی سیٹ کی اور پھر کرنے لگا۔

”ہارڈ اسٹون سپیکنگ۔ اور“ — رابطہ ملتے ہی اس نے کہا۔

”نمبر الیون سر۔ اور“ — دوسری طرف سے نمبر الیون کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

”نمبر الیون! — ایک گھنٹے کے اندر اندر بیک فوئرس کے بیس ممبرز کامائی پہاڑی کے ارد گرد اور اوپر پھیلے ہوئے — یہ کام فریدی ہونا چاہیے — جب تک میں کوئی ہکاشن نہ دوں، کوئی سب سے اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے اور نہ ہی کوئی نمبر کے سامنے آئے — عمران اور اس کے ساتھی ایک گھنٹے بعد پروفیسر اور اس کے فارمولے کو اغوا کرنے والے ہیں — تمام کام پوری ہوشیاری سے ہونا چاہیے۔ کرنل مندریدی نے نمبر الیون کو تفصیلی پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر سر! — لوگ ابھی پہنچ جاتے ہیں۔ اور“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”اور اینڈ آل — فریدی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر بند کر کے اس نے ہارنگ بڑھا دی۔ اب اس کی ٹنکن بڑن تیز رفتاری سے کوٹھڑی کی طرف چلی جا رہی تھی۔ حمید کو بھی میں موجود تھا۔ فریدی نے جلد کو فوراً تیار ہونے کا حکم دیا اور وہ خود کوٹھڑی کے اندر اپنے مخصوص تہ خانے میں چلا گیا۔

تہ خانے سے اس نے ایک کسٹین گن اٹھائی اور پھر کپڑے بدل کر وہ تہ خانے سے باہر نکل آیا۔

حمید بھی سیاہ لباس میں ملبوس موجود تھا۔ شاید موقع کی نزاکت دیکھ کر اس نے کرنل مندریدی کی ہدایت پر فوری عمل کر لیا تھا۔

”چو بیٹو“ — فریدی منے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر حمید تیزی سے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اور پھر کار تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی کامائی پہاڑی کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔



کرنل فریدی نے کہا۔ پہاڑی کی سائیڈ پر ایک گھنے درخت کی آڑ میں رک اور پھر دونوں نیچے اتر آئے ان کے نیچے اترتے ہی دوا دی گھنی جھاڑیوں

کی آڑ سے نکل کر ان کی طرف بڑھے۔

”نمبر الیون سر“ — ان میں سے ایک نے مودبانہ لہجے میں کہا
”بارڈ اسٹون“ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

کرنل فریدی نے ایک اصول بتایا ہوا تھا کہ چاہے کتنے ہی بلیک ز
کے آدمی آپس میں شناسا کیوں نہ ہوں۔ بغیر پہلے اپنا کر: دہراتے اور دوسرے
سے کبھی بات چیت نہ کریں۔ اس لئے یہاں بھی دونوں طرف سے پہلے اپنے
دہراتے گئے تھے۔

”پہاڑی کا محاصرہ کر لیا ہے“ — کرنل فریدی نے سوال کیا۔
”یس سر! — تقریباً تیس آدمی ہفت گھنٹوں پر چھپے ہوئے ہیں اور
طرح مسجد ہیں“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”گڈ! — اچھا میں اور حمید اس دروازے کے قریب رہیں گے۔ آپریشن
سگنل میری طرف سے اسٹیشن گن کی فائرنگ ہوگی“ — کرنل فریدی نے کہا
”یس سر“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”اپنے تمام ساتھیوں کو ہدایت دے دو کہ غائبانہ اور اس کے ساتھیوں
بلا شد ضرورت گڈ لی مت ماریں۔ انہیں زندہ گردانا کرنے کی کوشش
جانے — ہاں! اگر ایسی کوئی سچویشن پیدا ہو جائے کہ ان کو ختم کرنا اشد ضرورت
ہو تو بے شک گولی ماریں“ — کرنل فریدی نے ہدایت دی۔

”بہتر سر! — میں ابھی ہدایت دے دیتا ہوں“ — نمبر الیون نے
جواب دیا۔

”ہم اوپر پہاڑی پر چلتے ہیں۔ تم ہوشیار رہنا“ — کرنل فریدی نے
ادھر پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر آگے چل دیا۔

آپ کوہ پیمائی کا سامان لے آئے ہیں“ — حمید نے پوچھا۔

”کوہ پیمائی“ — فریدی نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں ہاں! — اب ظاہر ہے کہ آپ نے اور میں نے پہاڑی پر چڑھنا ہے تو
میں کے لئے کوہ پیمائی کے سامان کی ضرورت پڑے گی“ — حمید نے دفاحت
سے ہوئے کہا۔

”سامان کی کیا ضرورت ہے“ — فریدی نے سنستے ہوئے کہا۔

”اب یہاں پہاڑی پر چڑھنے کے لئے لفٹ تو لگی ہوئی نہیں — اور ظاہر
ہے کہ لنگور ہم نہیں ہیں“ — حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اپنے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ میں لنگور نہیں — ویسے تمہارے متعلق
وہ یقینی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا“ — فریدی نے سنستے ہوئے جواب دیا۔
”میں تو آپ کی دم ہوں — اب ظاہر ہے کہ دم کی موجودگی میں آپ اپنے متعلق
بھی دعویٰ نہیں کر سکتے“ — حمید نے چوٹ کی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکے تھے۔

”ٹھیک ہے۔ دم کی مدد تک تو تم نے تسلیم کر لیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ باقی
تسلیم کر لو گے“ — فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور حمید کٹ کر رہ گیا۔

لیکن اس نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

”میں اپنی دم کی بات نہیں کر رہا — آپ کی بات کر رہا ہوں۔“

”حمید! — یہ بتاؤ کہ میں نے اپنے اور تمہارے درمیان کبھی کوئی فرق روا رکھا
ہے“ — فریدی نے پہاڑی پر چڑھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا لہجہ بے حد
سنجیدہ تھا۔

حمید فریدی کے لہجے میں اتنی سنجیدگی دیکھ کر گھبرا گیا کہ سبجانے کیا بات ہو گئی۔

”نہیں۔ بالکل نہیں۔“ — حمید نے بوکھلا کر جواب دیا۔ ویسے وہ سنا سکا تھا کہ بات کیا ہو گئی ہے۔
 ”یعنی تم اور میں ایک ہیں۔ دو نہیں؟“ — فریدی نے بدستور سنجیدگی میں پوچھا۔

”ہاں ہاں۔ ایک بار کہہ جو دیا ہے۔ اب آپ نے کوئی اشتعال بے مجھ سے؟“ — حمید چڑسا گیا۔

”تو پھر سب تو تم نے اپنی دم کی بات کی تھی یا میری؟“ —
 نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور حمید بڑا سامنے بنا کر رہ گیا وہ اور کر بھی کیا
 وہ تو خود و ہر بات اپنے من سے تسلیم کر چکا تھا۔

تقریباً آدھی پہاڑی وہ سر کر چکے تھے۔ اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ دینہ اللہ فیصلہ — کیا ضرورت ہے مفت کا جھنجھٹ پالنے کی؟
 کسی پگڈنڈی کی بجائے ویسے ہی چٹانوں کو چھلانگتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔

کرزل فریدی کو خطرہ تھا کہ عمران کے کسی آدمی کی نظر ان پر نہ پڑے۔
 ہو سکتا تھا معاملہ خراب ہو جاتا۔ یا پھر عمران اپنی سیکم تبدیل کر دیتا۔
 جلد ہی وہ پہاڑی پر پہنچ گئے۔ چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کی آواز
 ہوتے وہ اس دراڑ کی طرف بڑھ رہے تھے جو آج کے ڈرامے میں ایک
 کردار ادا کرنے والی تھی۔ جلد ہی وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔

عمران اور اس کے ساتھی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔

فریدی نے بڑے محتاط انداز میں دراڑ اور اس کے ارد گرد کے ماحول کو
 لیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کہاں چھپ کر زیادہ آسانی سے عمران پر گرفت کرے۔
 دراڑ سے تقریباً درمیان نٹ دور ایک کافی بڑی چٹان تھی جس کے پیچھے

سے چھپا جاسکتا تھا۔

اس چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں؟ — کرزل فریدی نے فیصلہ کن
 میں کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ الٹا طریقہ کیوں اختیار کر رہے ہیں؟
 نے بیزارت سے لہجہ میں کہا۔

الٹا طریقہ؟ — فریدی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

ہاں! — سیدھا سا دھماکا طریقہ ہے۔ ہم چھپ کر یہاں بیٹھ جاتے ہیں
 عمران اور اس کے ساتھی آئیں تو انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ اس کا
 ہتھیار بیگ لیکر اوپر آتے تو اسے بھی گولی مار کر بیگ حاصل کر لیا جاتے۔

کیا ضرورت ہے مفت کا جھنجھٹ پالنے کی؟ —
 نے کہا۔

حمید۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عمران کیا آدمی ہے۔ وہ کوئی
 بگڑا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ میں اسے اس طرح بزدلوں کی طرح مارنا
 نہیں پاتا۔ میں اس پر ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ لاکھ بھی عیار سہی لیکن
 اسے بھی شکست دے سکتا ہے۔ — فریدی نے کہا۔

تو پھر ایک اور تجویز ہے۔ کیوں نہ ہم لیبارٹری میں جا کر اس آدمی کو
 نشانہ کر لیں اور تمام جھنجھٹ ہی ختم ہو جائے۔ — حمید نے تجویز پیش
 کرتے ہوئے کہا۔

لیکن تم اس آدمی کو پہچانو گے کیسے؟ — وہ سنا جانے کس آدمی کے
 برابر میں ہے۔ ہم وہاں میک اپ پہنچاتے رہیں اور وہ لوگ اپنا
 کرتا رہیں۔ — دوسرا اس وقت عمران اور اس کے ساتھی میری پوری بلیک فیس

کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس سورت میں وہ تارے لئے کس بھی وقت غائب ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہاں وہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ ہم ایک ہی وفد ان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔۔۔ فریدی نے اپنی تجویز بتلائی۔

حمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ ماحول پر قطعی خاموشی چھاتی ہوئی تھی۔ ہر چیز سکون کی گہری جھیل میں ہونی معلوم ہو رہی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد وہاں آہٹ سی ہوئی اور کرنل فریدی اور حمید چوکنے ہو گئے۔

دوسرے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس دراز کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دراز کے قریب آ کر رک گئے۔ ان میں سے ایک سایہ علی عمران اور دوسرا کیپٹن تھا۔ فریدی عمران کو صاف پہچان سکتا تھا۔

عمران نے چند لمحے تک ادھر ادھر ماحول کا جائزہ لیا اور بولا۔
"میرا خیال ہے کہ اب صفر کو کاشن دے دینا چاہیے۔۔۔" کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

فریدی کو عمران کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔
"ہاں!۔۔۔ تاکہ اسے یقین ہو جاوے۔ ہم لوگ بالکل تیار ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔

"ولیس مجھے یہاں ماحول کچھ غیر فطری سا محسوس ہو رہا ہے۔" عمران ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیا مطلب۔۔۔" کیپٹن شکیل نے چونک کر پوچھا۔
"میری جھپٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہاں ہم محفوظ نہیں ہیں۔ کچھ خفیہ ہمیں دیکھ رہی ہیں۔" عمران نے کہا۔

آپ کا وہم ہے عمران صاحب!۔۔۔ ورنہ یہاں تو چپڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے۔ کیپٹن شکیل نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں۔۔۔ میری جھپٹی حس مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔ تم یہاں ٹھہرو۔ ذرا ادھر ادھر کا راز دنگا آؤں۔" عمران نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے۔۔۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ کیپٹن شکیل نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

عمران اس چٹان کی طرف چل دیا جس کے پیچھے کرنل فریدی اور حمید چھپے ہوئے تھے۔ کرنل فریدی کی گرفت اضطراری طور پر سٹین گن کے دستے پر مضبوط ہو گئی۔ اس کی نظریں عمران پر لگی ہوئی تھیں۔

عمران قدم بہ قدم چلا ہوا اس چٹان کے نزدیک آنے لگا۔ ویسے وہ برابر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی جھپٹی حس واقعی برحق تھی۔ چٹان کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ بس ایک قدم آگے بڑھنے کا تکلف رہ گیا تھا۔

فریدی اور حمید نے سانس روک لیا تھا۔ عمران نے آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اسی لمحے اس کی نظریں ریلیٹ واپچ پر پڑیں اور اس کا قدم واپس ہو گیا۔ صفر کا دیا ہوا ٹائم پورا ہو چکا تھا۔ اور پھر عمران نہیں چاہتا تھا کہ وقت نالغ کرے اور صفر کسی مشکل میں پھنس جائے۔

پہانچہ اس نے ہر شک جھٹکا دیا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا واپس کیپٹن شکیل کی طرف بڑھ گیا۔

کرنل فریدی نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ بس ایک انچ کی کسر رہ گئی تھی۔ ورنہ سارا پروگرام درہم برہم ہو جاتا۔

کیپٹن شکیل کے قریب پہنچ کر عمران نے واپچ ٹرانسمیٹر کا ڈنڈ بن کھینچ کر فریدی

سیٹ کی گھڑی موثر و نماز سرخ ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ خانہ سبز ہو گیا اور عمر نے ونڈ بٹن دبا کر گھڑی بند کر دی۔ اور پھر وہ دونوں گھنٹوں کے بل واپس سامنے جھک گئے۔

”سیڑھی کہاں ہے؟“ — عمران نے پوچھا۔

کیپٹن شکیل نے کوٹے کا جیب سے ایک بٹل نکالا اور پھر اس میں سے نائیلون کی رسی کی سیڑی کو نکال لیا۔

”اسے نیچے لٹکا دو“ — عمران نے کہا اور کیپٹن شکیل نے رسی کی سیڑی نیچے لٹکا دی۔

چند ہی لمحوں بعد انہیں بہت دور نیچے ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ہنگامہ شروع ہو گیا ہے۔ — عمران نے سنجیدگی سے کہا۔
”ہاں“ — کیپٹن شکیل بھی سنجیدہ تھا۔

اب گزرنے والا ہر لمحہ ان دونوں پر قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ سارے مشن کا دار و مدار صرف پر تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو کر آگیا تو وہ میدان بائیں کسے — ورنہ —

اس کے بعد وہ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے — کچھ عجیب سی کیفیت تھی ان دونوں کی — جسے محسوس تو کیا جاسکتا تھا بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔

لنہانی نے عمران کی کال ملتے ہی فوری عمل کے لئے تیار ہو گیا کیونکہ فیصلہ کن لمحہ اپنے ہاتھ تھا۔

اس وقت وہ ہڈل میں اپنے مخصوص کمرے میں تھا۔ اس نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کیے۔ جیب میں ریوالتور رکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا فریڈ کے کمرے کی طرف چل دیا۔

فریڈ کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ لنہانی نے ہلکی سی دستک دی مگر ہل دستک پر کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری بار اس نے زور سے دستک دی اور ایک منٹ تک مسلسل دستک دیتا چلا گیا۔

”کون ہے؟“ — بھاگ جاتے — اس وقت میں کس سے نہیں مل سکتا۔
”فریڈ کی سخت غصے کے عالم میں گر جتنے کی آواز سنائی دی۔“

”فریڈ — میں ہوں ناگل دادا — دروازہ کھولو جلدی“ — لنہانی اونچی آواز میں سیکن قدرے سخت لہجے میں بولا۔

”ناگل دادا تم —“ فریڈ کا لہجہ اس بار نرم تھا سیکن آواز سے جھلا بٹ نہایت ظاہر تھی۔

چند لمحے بعد دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور فریڈ سرخ آنکھوں سے ناگل دادا

کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے دادا۔“ — فیروز نے بڑی مشکل سے لہجے کو نرم کرتے ہوئے
”راستہ دو — مجھے فوری کام ہے۔“ — نعمانی نے اس کا ہاتھ سختی سے
طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

فیروز ایک طرف ہٹ گیا۔

نعمانی جیسے ہی اندر داخل ہوا اس کی ناک میں ویسی شراب کی تیز بو گھس کر
اور سامنے ہی بیڈ پر ایک نیم عریاں اینگلو انڈین لڑکی بیٹھی اسے غصیلی نظروں سے
دیکھ رہی تھی۔ جیسے نعمانی کی بے وقت دخل اندازی اسے بھی بڑی لگی ہو۔
”لڑکی — تم باہر جاؤ۔“ — نعمانی سانپ کی طرح چھٹکارا۔

لڑکی اس کا لہجہ سن کر گھبرا گئی۔ اس نے ایک نظر فیروز پر ڈالی اور پھر
کا اشارہ پا کر وہ پیپ چاپ اٹھٹی اور تیر کی طرح کمرے سے باہر نکل گئی۔
”فیروز — دروازہ بند کر دو۔“ — نعمانی نے ایک سو فہرہ بیٹھتے ہوئے فیروز
کا حکم دیا۔

فیروز نے دروازہ بند کیا اور پھر خود بھی صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اب وہ
چمکا تھا۔ جذباتی اکاٹھٹ کا جھوٹ اتر گیا تھا۔

”کیا بات ہے ناگل دادا۔“ — بڑے غصے میں معلوم ہوتے ہوئے —
نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تمہاری یہ عادت مجھے پسند نہیں — ہر دم عورتوں کے پاس گھسے رہتے ہو
کسی دن عورت ہی کی بدولت مارے جاؤ گے۔“ — نعمانی نے بیزاری سے کہا۔
”کیا کروں ناگل دادا۔“ — بعض اوقات میں خود بھی یہی محسوس کرتا ہوں
لیکن کیا کروں۔ اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔“ — فیروز نے جواب دیا۔

”اچھا چھوڑو اس چکر کو۔“ — یہ تو جوتا ہی رہتا ہے۔ کام کی بات منو۔
”آج رات میری پارٹی نے سامانی پھاڑا۔ یہ ایک چیز وصول کرنی ہے۔ ایک آدمی
نے وہ چیز وہاں پہنچائی۔ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کرنل سریدی اور اس کے آدمی
مزاحمت کریں۔ میں خود بھی وہاں جا رہا ہوں۔ تم پانچ آدمی جوڑنے بھرنے
کے باہر اور جی دار ہوں۔ میرے ساتھ بیچ دو۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو تمہیں تمہارا
معاوضہ پہنچا دیا جائے گا۔“ — نعمانی نے مختصر طور پر اسے اپنا مقصد بتا دیا۔
”ابھی لو ناگل دادا۔“ — پانچ کیا۔ پانچ ہزار آدمی تم پر تشریف لائے جاسکتے
ہیں۔ ویسے میرے خیال میں اگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں تو کیسا ہے۔؟
فیروز نے اپنی خدایات بھی پیش کر دیں۔

”نہیں۔“ — ابھی تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں کرنل سریدی
سے مقابلہ ہو جائے اور ہم کامیاب بھی نہ ہو سکیں تو تم کرنل سریدی کی نظروں میں
آ جاؤ گے۔“ — نعمانی نے کہا۔

”ہاں!۔ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ چار ٹھیک ہے۔ میں ایسے پانچ آدمی مہیا
کر دیتا ہوں جن کا تعلق میرے اڈے سے نہیں ہے لیکن میں وہ بھی میرے
فاس آدمی۔“ — فیروز نے کہا۔

”بزدل اور جھگڑے آدمی مجھے پسند نہیں۔“ — آدمی ایسے ہوں جو مرنا جانتے
موت۔ قدم پیچھے ہٹانا نہیں۔“ — نعمانی نے کہا۔

”تم بے فکر رہو ناگل دادا۔ میں ایسے ہی آدمی دوں گا جیسے تم کہہ رہے ہو۔
فیروز نے کہا۔

”تو میری جلدی سے اسٹاپ ہو۔“ — مجھے ایک گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچنا
ہے۔“ — نعمانی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

ابھی لو۔۔۔ فیروز نے کہا اور پھر اس نے میز کے کونے میں لگایا ہوا ایر
بٹن دبا دیا۔

چند ہی لمحوں بعد دروازے پر دستک مونی۔

”کم ان۔۔۔“ فیروز نے گرجدار لہجے میں کہا۔

دروازہ کھلا اور پھر ایک تہ سے بھاری جسم کا شخص جس کے چہرے پر زخموں
بے شمار نشان تھے اور آنکھوں سے شیطانیٹ ٹپک رہی تھی اندر داخل ہوا اور
موزبانہ انداز میں کہنا ہو گیا۔

”جانی!۔۔۔ یہ تباہی۔۔۔ جگہ۔۔۔ شیرا۔۔۔ بومی۔۔۔ اور ماسٹر کہاں ملیں گے۔۔۔“
فیروز نے سوال کیا۔

”باس!۔۔۔ اس وقت وہ کیف ہائی وے کے نیچے تہہ خانے میں جوا کھیل رہے
ہیں۔۔۔ جانی نے موزبانہ لہجے میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ان کو فوراً میاں بلاؤ۔۔۔ اور تم خود بھی تیار ہو جاؤ۔۔۔ تم
سب کو ناگل دادا کے ساتھ جانا ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے وہاں تمہیں کرنل مسرہین
اور اس کے ساتھیوں سے لڑنا پڑے۔۔۔ تم ناگل دادا کے سامنے مجھے شرمندہ نہ
کرانا۔۔۔“ فیروز نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”بے فکر رہیں باس!۔۔۔ ناگل دادا کے لئے ہم خون کا آخری قطرہ بھی پہنچا دیں
گے۔۔۔ اور انہیں نہیں کریں گے۔۔۔“ جانی نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”اچھا بہو۔۔۔ اور ان سب کو فوراً بلاؤ۔۔۔“ فیروز نے کہا اور جانی سلام
ہوا واپس مڑ گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پانچوں نعمانی کے سامنے کھڑے تھے۔ جانی کو تودہ پہلے
ہی دیکھ چکا تھا۔ باقی چاروں کو دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ واقعی وہ

پانچوں روتے بھڑنے میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کے مضبوط اور سڈول جسم اور
ان کے غنڈوں والے چہرے صاف بتلا رہے تھے کہ وہ کیا ہیں۔

فیروز نے انہیں تفصیل سبتائی کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ اور انہوں نے بھی
وہ بات کہی جو ان سے پہلے جانی کہہ چکا تھا۔

”اچھا چلو میسر ساتھ۔۔۔ اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“ نعمانی
اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے اڈے سے باہر
نکل آئے۔

نعمانی نے دو ٹیکیاں پٹیس اور انہیں کاماٹی پہاڑی کا پتہ بتا دیا بلکہ ٹیکیاں
انہیں کاماٹی پہاڑی کے نزدیک اتار کر چلی گئیں۔

نعمانی اور اس کے ساتھ اتر کر نعمانی کے پیچھے پہاڑی کی طرف چل دیتے۔ وہ
مخاطبہ انداز میں پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ پہاڑی پر مکمل سکوت چھایا ہوا تھا
بلکہ وہ پہاڑی کے اوپر پہنچ گئے۔

نعمانی نے انہیں مختلف چٹانوں کی اوٹ میں بٹھا دیا۔ وہ پانچوں پوری طرح مسح
تھے۔ نعمانی خود بھی ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور چوکنی نظروں سے چاروں
طرف دیکھنے لگا۔

بلکہ ہی اسے سمران اور کیپٹن شکیل آتے ہوئے نظر آئے۔ نعمانی خاموش
بیٹھا رہا۔

وہ دونوں دراڑ کے قریب آکر رک گئے۔ نعمانی انہیں بزرگ دیکھ رہا تھا پھر جس
وقت سمران اور کیپٹن شکیل دونوں دراڑ پر جھکے ہوئے تھے۔ اسی لمحے نعمانی نے ایک
جگہ سی آہٹ سنی۔ جیسے قریب ہی کہیں کھٹکے ہوا ہو۔ نعمانی چونک پڑا۔ اس نے
مخاطبہ نظروں سے اس طرف دیکھا۔ یہ دھراس کے خیال کے مطابق کھٹکا ہوا تھا۔

چند سی لمحوں بعد نعمانی نے ایک چٹان کی آڑ میں ایک آدمی کو لیٹے ہوئے دیکھا۔
اس آدمی کے ہاتھ میں ریوالتور تھا اور اس کی نظریں دراڑ پر لگی ہوئی تھیں اور ریوالتور
رخ بھی دراڑ کی طرف ہی تھا۔

نعمانی سمجھ گیا کہ کرنل سنریدی اور اس کے آدمی ہم سے پہلے یہاں چھپے ہوئے
ہیں۔ اس کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عمران اور کیپٹن شکیل سخت غصے
میں تھے۔ کسی بھی لمحے کہیں سے چلی ہوئی دو گولیاں ان دونوں کو ہمیشہ کے لئے
ختم کر سکتی تھیں۔

نعمانی نے سوچا کہ عمران کو اس بات سے آگاہ کر دے تاکہ وہ بے خبر
میں نہ مارا جائے۔ چنانچہ اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے عمران سے بات کرنا چاہی لیکن
عمران نے پیغام وصول نہیں کیا۔ کیونکہ نعمانی دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ دراڑ کی طرف
متوجہ ہیں۔ عمران کی نظر گھڑی پر پڑی ہی نہیں تھی جو وہ اشارہ سمجھتا۔ نعمانی
نے مایوس ہو کر بات کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ پھر وہ آہستہ سے ریگتا ہوا اس چٹان
کی طرف بڑھنے لگا جہر وہ آدمی موجود تھا۔

اس شخص کی تمام تر توجہ دراڑ کی طرف تھا۔ یا وہ شاید جان بوجہ کر اسے نظر انداز
کر رہا تھا۔

نعمانی جلد ہی اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ ویسے اپنے طور پر اس نے ریگتے میں
اتنی احتیاط برتنی تھی کہ ہلکی سے ہلکی آواز بھی پیدا نہ ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ
اچانک اس آدمی کی چھٹی جس پیدار ہو گئی۔ وہ اس کی طرف پلٹا۔ ایک لمحہ کے لئے
حیرت سے وہ نعمانی کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ آدمی کہاں سے ٹپک پڑا ہے؟

اسی لمحے نعمانی اپنی جگہ سے تیزی سے اچھلا اور اس آدمی کے اوپر جاگرا۔ اس
نے ایک ہاتھ سے اس کا ریوالتور پکڑ لیا مگر پھر ان دونوں میں ایک خوفناک مگر خاموش

جنگ چھڑ گئی۔ بسکین نعمانی تیز نکلا۔ جلد ہی وہ اس آدمی کو بہوش کرنے میں کامیاب
ہو گیا۔ اب وہ خود اس کی جگہ موجود تھا۔

اسی لمحے نعمانی نے دیکھا کہ اس آدمی کے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی کا خزانہ
رخ ہو گیا تھا۔ نعمانی نے جلدی سے اس کی گھڑی اتار لی۔ یہ ٹرانسمیٹر بھی اسی سینئر
پرام کرتا تھا جس طرح نعمانی کا۔ اس لئے نعمانی ایک لمحے میں اس کی تکنیک سمجھ
گیا۔ اس نے ونڈ بیٹن کھینچ لیا اور خانہ سبز ہو گیا۔ اس نے گھڑی کو کان سے لگا لیا
ایک ہلکی سی آواز آرہی تھی۔

”ہیلو نمبر ون فور سکس ٹو۔ نمبر الیون دس اینڈ اور۔“
”نمبر ون فور سکس ٹو۔ اور۔“ نعمانی نے آہستہ سے جواب دیا۔

”کیا بات ہے۔“ تمہاری آواز کمزور کیوں ہے اور تدرے بدلی ہوئی کیوں
ہے۔ اور۔“ ”؟ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں زیادہ اونچی آواز نہیں نکال سکتا۔ ماحول ہی ایسا ہے۔ اور۔“ نعمانی
نے جواب دیا۔

”اچھا سنو!۔ تمہارے ذمہ ایک اہم ڈیوٹی ہے۔ جیسے ہی بیگ عمران کے
ہاتھ میں آئے۔ تم نے عمران کے اس ہاتھ پر فائر کر دینا ہے۔ تمہارے پاس
مانٹر لگا رہوالتور ہے۔ پھر بارڈر اسٹون کی فائرنگ کے بعد جنگ شروع ہو
جائے تو تم نے وہ بیگ وہاں سے اڑالانا ہے۔ اور۔“ ”نمبر الیون نے اسے
ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

”یس سر۔ میں سمجھ گیا۔“ نعمانی نے جواب دیا۔
”بارڈر اسٹون تمہارے فائر کا انتظار کریں گے۔ اور۔“ ”نمبر الیون نے
نہرہ کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ اور۔۔۔" نعمانی نے جواب دیا اور گو
سبز خانہ تارک ہو گیا۔

نعمانی نے اطمینان کی ایک مہی سانس لی اس نے اس آدھی پر بروقت
کر دیا تھا ورنہ بیگ ہاتھ سے جاتا رہتا۔ نعمانی ان کا پروگرام سمجھ گیا اور عمران کے
ہمت پر نارت کر کے کامطلب یہ تھا کہ عمران کا ہاتھ زخمی ہو جائے اور بیگ
کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اس سے فوری جنگ کا اعلان کر دے گا۔ عمران چونکہ
جوگا اس لئے لڑ نہیں سکے گا اور نہ ہی وہ بیگ کی طرف متوجہ ہو سکے گا اس
اس پر جلد ہی قابو پایا جائے گا لیکن نعمانی کی وجہ سے ان کی یہ سکیم نپ
ہو گئی تھی۔



صفدر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایسا بڑی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یہاں
کی پولیس اس وقت ہنگامی معلوم ہو رہی تھی کیونکہ تجربہ آخری مراحل میں
اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"ویل ڈن۔ ویل ڈن۔ میں کامیاب ہو گیا۔ میں کامیاب ہو گیا۔
پروفیسر اپنی کرسی پر کھڑا خوشی سے ناچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خود
پھول پڑ رہی تھی۔ اس نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اب۔۔۔"

دبا کے غلیم ترین سائنسدانوں میں سے ایک تھا۔

یسبا بڑی میں موجود ہر آدمی خوش تھا۔ لیکن صفدر کینہ کنہ نظروں سے
پروفیسر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بظاہر اس کی حرکات سے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ
بھی بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہو۔ لیکن یہ تو اس کا دل جانتا تھا کہ وہ کتنی خوشی
محسوس کر رہا ہے۔

چند لمحے کی ہنگامی خوشی کے بعد پروفیسر نے میز کی دراز سے ایک چھوٹا سا
بیگ نکالا اور پھر میز پر کھڑے ہوئے کاغذات کو جن پر نارموں کے اشارات
تفصیل سے درج تھے اس میں دیکھنے لگا۔ کاغذات رکھ کر اس نے بیگ بند کیا
اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا باقی لوگوں کی طرف بڑھا۔

"اب آپ چھٹی کریں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے میرے ساتھ بھرپور
تعاون کیا ہے۔" پروفیسر نے کہا اور پھر سب لوگ اس سے مصافحہ کر کے
باہر جانے لگے۔

"دلی مبارک باد پروفیسر۔" صفدر نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"تھینک یو مسٹر تھور۔" پروفیسر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اور
پھر صفدر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی گھڑی کا خانہ سُرخ
ہو گیا تھا۔

یہ کمیشن تھا کہ عمران وغیرہ پہاڑی پر تیار کھڑے ہیں۔ اس وقت یسبا بڑی
نالی ہو چکی تھی۔

کیا بات ہے مسٹر تھور!۔ آپ تو بچے کیوں۔۔۔ پروفیسر نے حیرت
بھری لہجے میں پوچھا۔

"وہ دراصل میں نے آپ کو ایک چیز دینی تھی۔" صفدر نے جلدی جلدی

نہیں مٹا لیتے مرنے کہا۔

وہ کیا —؟ پروفیسر جرنل نے اس کے لئے قدم اٹھانے ہی والا تھا۔ رز
بوتے بولا۔

دوسرے لمحے صفر کے ہاتھ میں ریو اور چمک رہا تھا۔ پروفیسر خود مزہ ہو کر
دو تہ پیچھے ہٹ گیا۔

”کیا مسٹر تیموٹ —؟ اس کے لہجے میں رکھڑا ہٹ مٹھی۔
مگر صفر نے پھرتی دیکھ لی۔ اس نے بگ پر چھٹا مارا۔ دوسرے لمحے بگ
پروفیسر کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

اپنا بگ پروفیسر اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کی زوردار لات صفر کے ہاتھ پر
یڑی۔ اگر صفر سو شیار نہ ہوتا تو یقیناً بگ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ پروفیسر
نے وارنا لیا ہاتھ وچہ نہ چھوڑا بگ لگائی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ لیبارٹری
میں نہ ہونے اپنے مخصوص کیبن کے دروازے کی طرف اڑتا ہوا گیا۔

صفر اپنے طرح باتا تھا کہ اگر وہ کیبن میں داخل ہو گیا تو پھر دنیا کی کوئی
طاقت صفر کو نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ وہاں صرف ایک بٹن دہانے کی دیر ہوتی
اور پوری لیبارٹری خطرے کے سائرنوں سے گونج اٹھتی۔ اب مجبوری تھی۔
اس لئے صفر نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک شعلہ نکلا اور پروفیسر جو دروازے میں دھڑکا
ہوا ہی چاٹتا تھا اس کی کمر میں نیگیں سوراخ ہو گیا اور وہ دروازے میں ہی ڈھیر
ہو گیا۔

صفر کے پاس اب اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ وہ پروفیسر کو گولی مار دے
ورنہ نامول بھی ہاتھ سے نکل جاتا۔ گولی تلنے کے بارے پروفیسر آگے کی طرف
گھست رہا تھا۔ صفر ٹریگر دبا اچھا گیا۔ دو تین گولیاں پروفیسر کے جسم میں مزید

براخ بناتی چلی گئیں اور پروفیسر ایک لمحے بے لختہ تر ہوا اور ٹھنڈا ہو گیا۔
صفر کے دل میں اس کے لئے رحم یا ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا کیونکہ
اس کے ساتھ نہ غدار تھا۔

جب صفر کو یقین ہو گیا کہ پروفیسر ختم ہو چکا ہے تو وہ بگ پر تیزی
سے لیبارٹری سے ملحقہ دوسرے کمرے میں آیا۔ اس کی حرکات میں انتہائی تیزی
تھی۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کی بجائے پارہ دوڑ رہا ہو۔
لیبارٹری کے سامنے حصے سے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور
بک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی شخص لیبارٹری میں آسکتا تھا۔

صفر بھاگتا ہوا پچھلی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف گیا۔ اس نے ریو اور
ہوستانہ مار کر اس کا شیشہ توڑا اور پھر ایک ہی چھلانگ میں وہ کھڑکی کے باہر
نکل پڑا۔

اسی لمحے ایک گولی اس کے بائیں کندھے میں گھسن گئی۔ صفر کو ایسا محسوس
ہوا جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ اس کے کندھے میں تیر گیا ہو۔ وہ مڑا اور پھر ایسے
گولی مارنے والا سامنے ہی نظر آگیا جو دوسری گولی چلانے ہی والا تھا۔ صفر نے
پھرتی سے ٹریگر دبا دیا۔ گولی سپر صی اس کے سینے پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر
ہو گیا۔

یہ سیکورٹی کا آدمی تھا جو دباں پہرہ دے رہا تھا۔
صفر کے بازو سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ
کی۔ وہ بھاگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اسی لمحے پوری لیبارٹری خطرے کے سائرنوں سے گونج اٹھی۔ شاید کسی نے
پروفیسر کی لاش کو دیکھ لیا تھا۔ ساری لیبارٹری میں ایک ہنگامہ مچا رہا ہو گیا۔

صفدر تیزی سے دراڑ کے قریب پہنچا۔ اس نے لائیں مار مار کر دباں سے ر
مولی اینٹیں توڑ دیں۔ اب دباں کم از کم ایک آدمی کے گھسنے کی جگہ بن گئی تھی
صفدر تیزی سے اندر چلا گیا۔ دراڑ میں رسی کی ایک پتلی سی سیڑھی لٹک رہی
عمران وغیرہ شاید اوپر درجود تھے۔

صفدر نے سیڑھی پکڑ کر جھٹکا دیا اور پھر بیگ کو زخمی ہاتھ میں پکڑ کر
سیڑھی پر پاؤں رکھا اور پھر تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔
اوجھرا اوپر سے شاید عمران وغیرہ نے سیڑھس اوپر کھینچنا شروع کر دی
صفدر نے چڑھنا بند کر دیا۔ کیونکہ سیڑھی خود بخود اوپر جا رہی تھی۔

ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک نیچے دراڑ میں کوئی ر
موا اس نے دیکھا کہ داخل ہونے والے کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ اس
پہلے کہ مشین گن کہ رخ صفدر کی طرف ہوتا۔ صفدر نے بیگ اٹے ہاتھ سے پڑ
پکڑی اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریلوے سے گولی چلا دی۔ گولی اس
کے سر پر پڑی اور وہ رہیں ڈھیر ہو گیا۔

صفدر بڑی نازک پوزیشن میں پھنس گیا تھا۔ اب اس کے ریلوے میں
ایک گولی بھی تھی۔ اور ابھی فاصلہ کافی سے زیادہ تھا۔ اور صفدر یہ بھی جانتا
اگر مشین گن نے گولیاں اگلا شروع کر دیں تو ایک تو وہ مارا جائے گا۔ دوسرا اسے
کھینچنے والے عمران وغیرہ بھی یقیناً زخمی ہوں گے۔

اسی لمحے ایک اور آدمی دراڑ میں داخل ہوا۔ صفدر نے تیزی سے آخری گ
دی۔ وہ آدمی بھی ختم ہو گیا۔ اب صفدر اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ریلوے لوڈ
سکتا۔ اس نے سیڑھی کو دو تین بار زور سے جھٹکا دیا۔ کسی نے اوپر سے جھن
اسی لمحے دو اور آدمی دراڑ میں داخل ہوئے ان کی مشین گنوں کا رخ اوپر ہوا مگر

بے بس تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ مگر اوپر سے درنا تر ہوتے اور وہ دونوں بھی ختم ہو گئے
وہ نے یقیناً صفدر کی نازک پوزیشن کو سمجھ لیا تھا۔ اب تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تھا
پہنچنے کے بعد وہ یہ فاصلہ بھی طے کر چکا تھا۔ اوپر سے عمران کا ہاتھ نیچے آیا اور
بے صفدر نے اسے وہ بیگ دیدیا اور پھر رسی کے سہارے وہ بھی اوپر آ گیا۔
اس نے اطمینان کا ایک گہرا سانس دیا۔ کیونکہ اب وہ قندے محفوظ ہو چکا تھا۔
جلدی چلو۔ عمران کی سرگوشی ابھری۔ مگر دوسرے لمحے وہ اچیل پڑا کیونکہ
پہلی پہاڑی گولیوں کے دھماکوں سے گونج اٹھی تھی۔

پست کا نہیں فولاد کا بنا ہوا ہے۔

ادھر علی عمران — دنیا کا اعتبار ترین آدمی — جس کے ہاتھ بیٹھارہ بن الا فوامی
پروں کی گردنیں مروڑ چکے تھے اس وقت آٹھ منے سامنے تھے۔

اس دفعہ حملہ کرنے میں پہل فریدی نے کی۔ عمران دار بچانے کی بجائے اپنی جگہ
بڑھار ہا۔ فریدی پورے زور سے عمران سے ٹکرایا اور عمران کو یوں محسوس ہوا کہ
جیسے کوئی بہت بڑی چٹان اس سے ٹکرا گئی ہو۔ مگر وہ عمران تھا۔ ذرا سا لڑکھڑایا
مزدہ مگر گرا نہیں۔ اس کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فریدی کی کنپٹی پر ایک زوردار کہ

پڑا۔ مگر دوسرے لمحے عمران کے پیٹ پر فریدی کا ایک فولادی گھولنے پڑا اور عمران
درد کی شدت سے دوہرا ہو گیا۔ فریدی کا ہاتھ دوبارہ چلا مگر اس بار پھرتی سے
عمران پہلو بچا گیا۔ ورنہ جو ڈوکا یہ خطرناک ترین وار اس کی گردن کی بڑی یقیناً توڑ
دیتا۔ عمران نے پورے زور سے کہنی فریدی کی پسلیوں میں گھسیڑ دی۔ کراٹے کا خطرناک
دائے جربڑوں بڑوں کی جان نکال دیتا تھا مگر فریدی پر اس کا کوئی شدید رد عمل نہ ہوا
اس نے بائیں ہاتھ کو جھٹکا دیا اور عمران پلٹ کر بائیں طرف جاگرا مگر اس کی
دونوں ٹانگیں فریدی کی گردن میں قینچی کی طرح پھنس گئیں اور پھر جیسے ہی عمران
ہٹ کر گرا۔ فریدی بھی اس کے ساتھ ہی گھوم گیا۔

پہاڑی پتھروں۔ نے ان کے جسموں پر خاصی ضربات لگائیں لیکن وہاں کس کو اتنا
بڑا تھا کہ ان ضربات کے متعلق سوچے — کرنل فریدی نے پورے وقت سے
عمران کی پنڈلیوں پر ضربات لگائیں۔ عمران نے پنڈلیوں کو ذرا سی ڈھیل دے دی اگر
وہ ایسا کرتا تو یقیناً پنڈلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ عمران کا جسم بڑ کی طرح مڑا
اور دوبارہ فریدی کے اوپر آ گیا۔ اب عمران کا سر فریدی کی دونوں ٹانگوں کے درمیان
بھا اور ہاتھ فریدی کی دونوں ٹانگوں پر مضبوطی سے جم گئے تھے۔

”بیدھے کھڑے ہو جاؤ عمران“ — پاس ہی موجود ایک بڑی چٹان سے فریدی
کا بیولا ابھرا۔ دوسرے لمحے عمران نے بیگ تیزی سے قریب کھڑے کیٹن شکیل کو
پکڑا دیا اور چہرہ تقریباً اڑتا ہوا کرنل فریدی سے جا ٹکرایا۔ فریدی کے ہاتھ سے
ٹین گن گر کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

اسی لمحے کیٹن شکیل پر حمید نے جو کہیں قریب ہی چھپا ہوا تھا۔ حملہ کر دیا۔ منہ
پر بھی اکب اور آدمی آپڑا۔ اب پہاڑی پر بھر پور جنگ چھڑ گئی۔ اندھیرے میں ہر
سے لوگ ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ چند لمحے کے وقفہ کے بعد کسی نے
کی بھیابک چیخ سے پہاڑی گونج اٹھی۔ نعمانی اور اس کے ساتھی غنڈے اس
میں موثر کردار ادا کر رہے تھے۔

کرنل فریدی نے عمران کو ڈاچ دینے یا ہی مگر عمران کی دونوں لائیں اس کے سینے
پڑیں اور فریدی لڑکھڑا کر سچے گر گیا۔ مگر گرتے گرتے اس نے عمران کو بھی دوسری طرف
اچھال دیا۔ ایک لمحے سے بھی کعرے میں وہ دوبارہ ایک دوسرے کے مقابل
دو خطرناک انسان — دو خطرناک آدمی — کرنل فریدی عظیم ترین جاسوس
جس کا نام سنکر بڑے سے بڑا مجرم کانپ جاتا تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ گت

تمام پہاڑ پر زوردار جنگ چھڑا دینی تھی۔ موت اور زندگی کی جنگ۔ ایک خوفناک اور بھیانک جنگ۔ اب عمران اور فریدی پلٹیاں کھاتے زور آگے پیچھے ہونے لگے۔ پھر فریدی کا داؤد چل گیا۔ اس نے دو بھر پور کے عمران پہلووں پر مارے اور عمران کی ٹانگوں کی گرفت فریدی کی گردن پر ڈھیلی پڑ گئی اور فریدی یکدم دائیں طرف پٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا، عمران ایک جیسے سے سیدھا ہوا اور اس کے پیر کی زوردار ضرب فریدی کے چہرے پر پڑی۔ چوٹ خاصی زوردار تھی مگر فریدی نے اس کا پیر کپڑ کر مردہ دیا اور عمران پلٹ کر یہ آگرا۔ وہ لڑھکتے ہوئے کافی دور جا چکے تھے۔ اب فریدی نے اٹھنے میں پہل دکھائی۔ مگر دوسرے لمحے عمران نے تیزی سے پہلو بدل لیا۔ ورنہ فریدی کی لات کے پہلو میں پڑتی۔ عمران پلٹتے ہی اچھلا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے تہ تیہ سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے سر کی زوردار ضرب فریدی کے سینے پر پڑی اور فریدی کا کھٹنا عمران کے پیٹ پر پڑا۔ اور وہ دونوں ایک بار پھر زمین پر ڈھکے ہو گئے۔ پھر عمران کا ہاتھ سجلی کی طرح لپٹا اور اس کی بھیلی فریدی کی گردن پر پڑی۔ یہ ایک خطرناک داؤ تھا مگر فریدی یہ وار بھی سہ گیا۔ اس نے لیفٹ پنچ عمران کی ناک پر جھادیا اور پھر اس کے ہاتھ تار تار پڑنے لگے۔ عمران کے سنبھلتے سنبھلتے بھی پارہ پارہ لپٹے اس کے چہرے پر پڑ چکے تھے۔ ان ٹکڑوں نے عمران کو جھجھکا دیا۔ اور پھر اس کے دونوں ہاتھ کھڑک فریدی کے پہلو پر پڑے۔ اس سے پہلے کہ فریدی کچھ سمجھتا۔ اس کا جسم دراہیں بلند ہو گیا۔ کھڑک فریدی جس کو بڑے سے بڑا طاقتور مجرم بھی آج تک اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا تھا۔ عمران کے ہاتھوں اور اٹھ چکا تھا۔ یہ عمران ہی جانتا تھا کہ فریدی کو اٹھانے میں اسے کتنی طاقت استعمال کرنا پڑتی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے پھر پڑے ابھی پھٹنے والے ہوں۔ اس نے جھٹکے

فریدی کو دور پھینکنا چاہا مگر فریدی سانپ کی طرے پلٹا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ عمران کی پشت پر پڑے اور عمران کے ہاتھوں میں جیسے قوت ہی نہ رہی ہو۔ دونوں ایک دوسرے سے اوپر گر گئے۔

فریدی نے اٹھتے ہی عمران کی گردن پر ہاتھ ڈالا اور ایک ہی جھٹکے سے عمران لپٹا ہوا چند قدم دور جاگرا۔ فریدی نے اس کے سینے پر لات مارنی چاہی مگر عمران تیزی سے پلٹ گیا۔ پھر گھوم کر اس کا دوسرا ہاتھ فریدی کی ٹانگ پر پڑا اور فریدی بھی زمین پر گر گیا۔ اور پھر اس بار دونوں برابر ہی اٹھتے۔ فریدی نے جست لگائی اس کا سر عمران کے سینے پر پڑا مگر عمران کے ہاتھ میں فریدی کا ایک بازو آگیا۔ اس نے اسے مضبوطی سے کپڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور فریدی کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین غائب ہو گئی ہو۔ فریدی کے اس بازو کو جسے عمران نے کپڑا ہوا تھا ایک زوردار جھٹکا لگا اور فریدی بے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوسرے لمحے دونوں فضا میں تباہ بازیاں کھاتے تھے۔ اندھیرے میں لڑتے لڑتے وہ پہاڑی کے کنارے پر آ پہنچے تھے۔ اگر عمران کا ہاتھ فریدی کے بازو پر نہ ہوتا تو فریدی یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مگر اب دونوں کے جسم فضا میں تھے اور وہ دونوں تھکنوں کی مانند نیچے گر رہے تھے۔ جہاں سینکڑوں فٹ نیچے گہرے کھد اور خوفناک غار ان کو خوش آمدید کہنے کیلئے منہ پھاڑے تیار کھڑے تھے۔ وہ تیر کی طرح نیچے جا رہے تھے سینکڑوں فٹ نیچے اور نیچے موت ان کے استقبال کے لئے کھڑی تھی موت نے بھیانک قہقہے ان کے کانوں میں گونج رہے تھے اور وہ بے بسی سے ہاتھ پیرا رہتے موت کی گود میں گر رہے تھے۔ موت کی آغوشیں۔ بھیانک آغوشیں۔

ظلم ان لوگوں کا انجام — موت — اور صرف موت !

کیپٹن شکیل نے ہر لمحہ بگڑتے ہوئے حالات کا اندازہ کرتے ہی فارموسے والے بیگ سمیت نکل جانے کا پروگرام بنالیا۔ حمران کے فریق پر جھپٹتے ہی امید کیپٹن شکیل ہی الجھ گیا تھا۔ کیپٹن شکیل کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا۔ اچانک گلنے والے دھکے سے وہ زمین پر گر پڑا مگر اس نے بیگ نہیں چھوڑا۔ حمید اس پر چڑھا نکتے برسا رہا تھا کیپٹن شکیل نے تیزی سے پیر اس کے پیٹ پر جمایا اور پھر وہ سر سے سیٹھے حمید اڑتا ہوا دور جا کر۔ کیپٹن شکیل تیزی سے اٹھا مگر اچھٹتے ہی اس کے بائیں بازو کے ساتھ چھوٹا سا انگارہ سا نکل گیا۔ درد کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے ایک جھاڑی کے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا اور دوسرا بازو زخمی ہو چکا تھا۔ وہ اچھٹ طرح بانٹا تھا کہ اگر اب کسی سے مقابلہ ہو گیا تو وہ اپنی مدافعت مکمل طور پر منہیں کر سکے گا اور نتیجے میں اپنی جان تو ایک طرف رہی فارموسے سے ہاتھ ضرور دھونے پڑیں گے جو وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتا تھا۔

وہ رینگتا ہوا پہاڑی کی شمالی جانب جانے لگا۔ پہاڑی پر اندھیرا ہونے کی وجہ سے ابھی تک اسے کوئی چھب نہیں کر سکا تھا۔

اچانک وہ رک گیا۔ سامنے ایک جھاڑی کے نیچے اسے ایک سایہ سا بیٹھا نظر آیا۔ وہ جھاڑی کی اداس سے فائر کر رہا تھا نہ جانے کس پر؟ کیپٹن شکیل آگے بڑھتا تو اسے اس

پہن کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا اور پھر فائرنگ کرنے والا یقیناً اس کی آہٹ سے نکل آیا۔ مترجم سوجانا اور یہ کیپٹن شکیل کے لئے خطرناک چیز تھی۔ اس نے پاس رہا اور یہ نہیں سنا۔ اس لئے وہ ایک لمحے کے لئے سوچا۔ باکر اس سے کیسے نجات پاتے؟ اس نے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے زخمی ہاتھ میں بیگ پکڑا اور دوسرا ہاتھ سے زمین پر لہرایا۔ ایک کافی بڑا پتھر اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے پتھر کو ہاتھ میں اٹھا کر تولا اور پھر لیٹے ہی لیٹے بازو لہرایا اور اس نے پتھر چلا دیا۔ زنانہ ٹھیک اپنی جگہ پر لگا اور فائرنگ کرنے والا آواز کی بجائے سی آواز نکالتا رہا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اچھا خالصا دنی پتھر پرتی قوت۔ یہ اس کی کیپٹن پر پڑا تھا۔ اس نے زمین پر ڈھیر ہوتے ہی کیپٹن شکیل تیزی سے آگے رینگنے لگا۔

پہاڑی پر کیپٹن شکیل کے ہاتھ سے پتھر کی شدت کی رٹائی ہوتی رہی۔ کبھی کبھی مرنے والا فائرنگ کی روشنی سے اسے ماحول کی شدت کا اندازہ ہو جاتا۔

اب وہ پہاڑی کے شمالی حصہ میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ارد گرد کا جائزہ لیا اور اپنے قریب کسی کو نہ پا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ تیزی سے پہاڑی کے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ اندھیرا ہونے کے باوجود ایک لمبا سی پگھلائی دیکھ چکا تھا جو پہاڑی کے کنارے سے نیچے چلی گئی تھی۔ اس کا رخ یہ پگھلائی کی طرف تھا۔

ابھی وہ پگھلائی کے قریب پہنچا بھی نہ تھا کہ اسے پہاڑی کے کنارے سے کسی اور اہمتر ہوا نظر آیا۔ وہ تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ایک لمحہ بعد ایک شخص جو اندھیرے میں سایہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ پہاڑی پر چڑھ آیا۔ وہ بڑی طرح بانپ رہا تھا۔ شاید یہ بھی پہاڑی پر چڑھنے کی وجہ سے تھا۔ اس نے ہاتھ میں سٹین گن تھی۔ اس نے وہاں سے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے اُدھر چل پڑا جو ضرورتاً

اس کا ذہن قابو میں نہیں آ رہا تھا

لیکن یہ کیفیت صرف چند لمحے ہی رہی پھر کرنل منسری نے اپنے ذہن پر قابو پا لیا۔ وہ اب تک سے اُمٹ جھٹکا۔ اس کا تمام جسم کچھ دینیں لت پت تھا۔ چہرہ سے ہر شے کا آثار کیا حال ہو گا۔ ویسے اسے اندازہ تھا کہ اس وقت جو بھی اسے دیکھنا بھڑکتا ہی سمجھ کر کرنل منسری کی احساس تھا کہ عمران کے گرنے کا وہ تھا کہ اس نے دلدل کے دریا میں سُستنا تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بھیا نک اندھیرا۔۔۔ موت۔۔۔ سیاہ ماتی لباس میں لپٹا ہوا اندھیرا۔۔۔ اور اس اندھیرے میں عمران زندہ دفن تھا۔ دلدل کے عین وسط میں۔

عمران جو کہیں اس کا بہترین دوست تھا۔۔۔ عمران جس کی ذہانت اور چہرہ پر وہ دل سے قائل تھا۔۔۔ عمران جس کے لئے اس نے سینکڑوں بار اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی۔ آج اس کے سامنے اسے بھیا نک دلدل نگل چکی تھی۔

گر عمران اس وقت اس کا دشمن نہیں تھا۔ ایک غیر ملکی جاسوس۔ یہ اس کے باوجود اسے بے حد افسوس ہوا ہوا تھا۔ وہ اگر اپنے ہاتھوں عمران کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تو شاید اسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ لیکن اب عمران بے بسی کی موت مر چکا تھا لیکن یہاں رہ خور بے بس تھا۔ ویسے یہ یقینی بات تھی کہ اگر کرنل منسری کے بس ہو جاتا تو وہ یقیناً عمران کو اس خوفناک دلدل کے پنجے سے بھال ہی لیتا۔ کم از کم وہ یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ عمران جیسا عظیم شخص اس بے بسی سے مر جائے۔ بعد میں چلتے وہ اس کے ساتھ جو بھی رو بہ اختیار کرتا۔ سو کرتا۔ لیکن اب وہ مجبور تھا۔

کرنل منسری نے ایک لمحے کے لئے اس نظروں سے گہرے اندھیرے میں لپٹی خوفناک دلدل کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹک کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وہ پہاڑی کی دریا کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں سڑک موجود تھی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے

کرنل منسری سوچ رہا تھا کہ پہاڑی پر ہونے والی لڑائی کا نہ جانے کیا نتیجہ نکلا؟

پہلا اب کہاں ہو گا۔۔۔ کس کے پاس ہو گا۔۔۔ وہ انہی سوچوں میں گم قدم بڑھاتے چلا جا رہا تھا۔ وہ پہاڑی کے شمالی موڑ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

عمران نے تقریباً دلدل کے وسط میں گرا تھا۔ اس کا جسم دلدل میں گھستا چلا گیا۔
پھر ایک وقت آیا جب عمران کا جسم نیچے بلنے سے رک گیا۔ عمران کا سانس بند ہو گیا نہ
ذہن میں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اسے فوری طور پر احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ پہاڑی سے گر
کر ایک غورناک دلدل میں دھنس چکا ہے۔ ایک ایسی دلدل جس کے جھانک نہ
میں ایک ذوق جو چیز آجائے پھر اس کا باہر نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ رکتے ہی غیر ارادہ
اور پر عمران کے جسم کو ایک دھچکا لگا اور وہ دو تین منٹ بلند ہو گیا۔ لیکن ابھی دلدل کی
بیرونی سطح نہ جانے کتنی اونچی تھی۔

عمران نے غیر ارادی طور پر ہاتھ کو حرکت دی تو اچانک اس کا احساس جاگا اور اسے
محسوس ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی گرفت میں کوئی شاخ سی ہے۔ شاید گرتے ہوئے
اس کا ہاتھ کسی جھاڑی کی طویل شاخ پر پڑ چکا تھا اور غییر ارادی طور پر وہ اسے پکڑ
موتے اپنے ساتھ نیچے لے گیا تھا۔

شاخ کا احساس روتے ہی عمران نے یزیدی سے اس پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی جما دیا۔
ناخ کا فی مضبوط مٹی کیونکہ دوسرے ہاتھ سے پکڑنے پر اسے جھٹکا سا لگا تھا اور اس
جھٹکے نے اسے کچھ اور بلند کر دیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے سانس روکے موتے تھا اور اسے
بازو سے ہور ہاتھ جیسے اس کے پیچھے پٹھے پٹھنے والے ہوں۔

اس کے دماغ پر بار بار بیہوشی غلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن برابر وہ سر
جھٹک کر اسے دور کر دیتا کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ کسی دلدل میں دھنس چکا
ہے۔ اب اسے یہاں سے کوئی معجزہ ہی زندہ سلامت باہر نکال سکتا تھا۔ لیکن اسے اب
اندھیرے میں امید کی ایک علی سی کرن نظر آگئی تھی۔ وہ شاخ جسے اس نے دونوں ہاتھوں
سے پکڑا ہوا تھا اس کا آخری سہارا تھی۔ گو بظاہر ایک حقیر سا سہارا تھا لیکن وہ زندگی
کے آخری لمحے تک جدوجہد کرنے کا قائل تھا۔ اس لئے دیوانہ وار شاخ کو باری باری ایک
ہاتھ کی بندھی سے پکڑتا اور پھر ہاتھ کے جھٹکے سے وہ اوپر اٹھ جاتا۔

شاخ گوشتی مٹی مگر کافی سے زیادہ مضبوط تھی۔ پھر عمران شاخ کے سہارے
دلدل سے باہر نکلتا چلا گیا۔ بلند ہوتا چلا گیا۔ اور پھر ایک جھٹکے سے اس کا سر
دلدل سے باہر نکل آیا۔ اس نے تیزی سے سر جھٹکا اور پھر منہ کھول دیا۔ تازہ ہوا اس
کے پیچھے پردوں میں پوری رفتار سے گھسی چلی گئی اور اسے اپنے تمام جسم میں توانائی کی لہریں
دڑتل مونی محسوس ہوئیں۔ گو وہ دلدل کے اندر صرف چند منٹ تک ہی رہا تھا لیکن
اسے یوں محسوس ہوا کہ ہاتھ جیسے اسے دلدل سے باہر نکلنے میں مدد یوں جدوجہد کرنی پڑی
ہے۔ یہ صمیم تھا کہ اچھا۔ چند لمحہ تک اور اسے تازہ ہوا نہ ملتی تو وہ یقیناً دم گھٹنے سے
ختم ہو جاتا۔

عمران بچ گیا تھا۔ ایک ناممکن بات ممکن ہو چکی تھی۔ وہ ایک غورناک دلدل کے
پہنچے سے زندہ سلامت باہر نکل آیا تھا۔ چند منٹ تک بھرپور سانس لینے کے بعد وہ

شاخ کے سہارے دلدل کے کنارے کہ طرف بڑھنے لگا

وہ شاخ جس جھاڑی کی منی وہ دلدل کے کنارے پرانی ہوئی تھی اس کی لمبی ہر شاخیں دلدل پر درود زنگ پھیلی ہوئی تھیں ایسے بننے کتنی جھاڑیاں اور ہوں گی جو کی شاخوں نے دلدل کی سطح کو ڈھانپ رکھا تھا وہ قدرت کے اس حسن انتظام پر ایمان لے آیا جس طرح ہر جھڑی کے ساتھ اس کا ترانہ پاک پتہ ضرور موجود ہوتا ہے اسی طرح ہر دلدل کے کنارے قدرت نے اس قسم کی بے شمار جھاڑیاں پیدا کر دی ہیں جن کی پتلی پتلی اور طویل شاخیں اپنی لمبائی کا جواب نہیں رکھتیں۔

آج اس جھاڑی کی وجہ سے عمران کی جان بھی تھی شاخ کے سہارے وہ جلد ہی وہ کے کنارے پر پہنچ گیا۔ دلدل سے باہر نکل کر اس کی بہت جواب دے گئی۔ جان بچنے کی جان توڑ کوشش نے اسے ڈھال کر دیا تھا۔ دلدل کے کنارے پر پہنچتے ہی وہ بیہوش ہو گیا لیکن اب کم از کم اس کی زندگی کو فوری خطرہ نہیں تھا۔



بلیک زبرو عمران کے بارے میں کافی پریشان تھا۔ کئی دنوں سے اسے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ٹرانسمیٹر بھی اس نے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے کوئی بھی جواب نہیں ملا۔

ادھر سر سلطان فارمولے کے بارے میں کافی پریشان تھے کیونکہ اعلیٰ حکام بار بار زبردستی

ہے متھے اور عمران غائب تھا۔

آخر ننگا اگر آج سر سلطان نے بلیک زبرو کو حکم دیا کہ وہ خود ساگا لینڈ جا کر عمران دربار مولے کے بارے میں معلوم کرے کہ کیس اب کس پوزیشن میں ہے؛ بلیک زبرو بھی لٹی دونوں سے خواہشمند تھا کہ وہ ساگا لینڈ جا کر عمران کا ہاتھ بٹائے لیکن عمران نے حکم کی وجہ سے مجبور تھا۔

دار الحکومت میں آج کل کوئی کمی نہیں تھی۔ اب سر سلطان کے حکم کا بہانہ عمران کو ملنے کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس لئے اس نے ساگا لینڈ کا مکمل ارادہ کر لیا اور پھر ایک نام سفر کے روپ میں وہ پہلے ہمایہ ملک نائنفسٹان گیا اور وہاں سے اسی سب سے پہلے پورٹ پر جو بلیک زبرو نے پہلے ہی بتایا کر لیا تھا۔ وہ ساگا لینڈ پہنچ گیا۔

کسٹم پوسٹ سے نکل کر بلیک زبرو جیسے ہی باہر آیا اس کی نظر ایک بکسٹال پر پڑی۔ اس نے اخبار پر پڑی۔ اخبار کی سرخی دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس نے اخبار غریبا اور پھر وہیں ایئر پورٹ کے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ خبر یہ تھی۔

کامائی کی پہاڑی سے پراسرار فائرنگ

پلیس اخراج کی لاشیں دستیاب ہوئیں۔ قیمتی امداد ہم فامولا غائب ہو گیا۔ سائنسدان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ غیر ملکی جاسوسوں کی پراسرار سرگرمیاں کامائی کی پہاڑی پر جس کی نیچے حکومت کی اہم خفیہ لیبارٹری ہے آج رات پراسرار فائرنگ ہوئی۔ فائرنگ سے محسوس ہوتا تھا جیسے دو پارٹیاں آپس میں لڑ رہی ہوں۔ پہاڑی سے پولیس کو بیس افراد کی لاشیں دستیاب ہوئی ہیں جن میں آدمی سے زیادہ مقامی غنڈے بھی شامل ہیں زخمیوں میں کرنل مسریری کا اسٹنٹ کیپٹن حمید بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ لیبارٹری سے معلوم ہونے والی خبریں یہ ہیں

میں بتلایا گیا ہے کہ لہار می سے ایک اہم فارمولہ غائب کر دیا گیا ہے جو کل بیسیکل میں
پہنچا تھا۔ سائنس دان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ مزید تفصیلات کا انتظار ہے
بیسٹ زیرو نے کئی بار حسب سہ کو بغور پڑھا۔ پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے اقبال کو
تہہ کر دیا۔ اس نے میرے کو چلتے لانے کا آرڈر دیا اور پھر سوچ میں گم ہو گیا۔
وہ سوچ رہا تھا کہ عمران اس وقت کہاں ہوگا اور آیا عمران اس نذر مولے کو منسلک
کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا ہے یا نہیں۔ وہ فوری طور پر عمران سے ملنا چاہتا تھا۔ عمران
سے ملاقات کا اور تو کوئی ذریعہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ سولے ٹرانسمیٹر پر رابطہ کے اور
اس نے اسی ذریعہ کو آزمائے کا فیصلہ کر لیا۔

پیرا چلے سرور کچکا تھا۔ بیک زیرو نے چلتے بنائی اور پھر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے
لگا۔ چاتے پی کر اس نے بل ادا کیا اور پھر باہر جانے کی بجائے ٹوائٹ کی طرف بڑھ گیا۔
ٹوائٹ میں داخل ہو کر اس نے ٹوائٹ کا دروازہ بند کیا۔

جیسے ہی ٹوائٹ کا دروازہ بند ہوا۔ بیک زیرو کی میز کے قریب کی میز پر بیٹھا ہوا ایک آڈ
تیزی سے اٹھا اور کاڈ ٹک طرف بڑھا۔ کاڈ ٹر برسمے ہوئے فون کو اس نے اپنی طرف
کھسکایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

بارڈ اسٹون — دوسری طرف سے کرنل منہ۔ یہی کی آواز سنائی دی۔
نہروں کس سر۔ ایک مثبتہ آدمی ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے — نہروں کس
جو ریسیور ایک سائیڈ پر لٹے کھڑا تھا۔ نے دلی آواز میں کہا۔

تمہیں کس بات پر شبہ ہوا ہے؟ — کرنل فریدی نے پوچھا۔

سر! — وہ اخبار میں موجود پہاڑی والی خبر کو بڑے غور سے پڑھ رہا تھا۔ اس
ادھر کے تاثرات تباہی تھے کہ وہ بھی کس حد تک اس کیس میں ملوث ہے؟
کس نے بتلایا۔

علاوہ تم کہہ رہے ہو کہ وہ ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے — کرنل فریدی کا منہ
ہلکا ہلکا سخت تھا۔

م۔ م۔ مگر — سر — نہروں کس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ شاید اس کی وجہ
فریدی کے بچے کی سختی تھی۔

اب کہاں ہے وہ؟ — فریدی نے اس بار قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔

ٹوائٹ میں — نہروں کس نے ذرا سنجیدگی سے جواب دیا۔

ٹھیک ہے — تم اس کا تعاقب کرو — اور پھر مجھے رپورٹ دینا — فریدی
نہجہم دبا اور ریسیور رکھ دیا۔

نہروں کس نے بھی ریسیور رکھا اور پھر حبیب سے ایک چھوٹا سا سگہ نکال کر ٹیبل پر
رکھ دیا۔ کاڈ ٹر کمرک جو کسی ضخیم ریجسٹر میں گم تھا، نے چونک کر دیکھا۔ نہروں کس نے
اتن کی طرف اشارہ کیا۔ کاڈ ٹر کمرک نے متحکماً یہ کہہ کر سگہ دراز میں ڈال دیا۔

نہروں کس نے تیز قدم اٹھاتا ہوا ریسیور ٹسٹ سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے ایک سائیڈ
زکمرن سولی ایک موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اس پر بیٹھ گیا۔ وہ تعاقب کے لئے اب پوری
توجہ تیار تھا۔

بیک زیرو ٹوائٹ میں واپس ٹرانسمیٹر پر عمران سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا
میں کافی دیر تک کوشش کرنے کے باوجود وہ رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہا۔ آخر بالوں
نہروں ٹوائٹ سے باہر آیا اور پھر ریسیور ٹسٹ سے باہر نکل کر وہ ٹیکسی سٹینڈ کی طرف
بڑھ گیا۔

ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور کو شیرازہ بول جانے کے لئے کہا اور ڈرائیور
ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد ٹیکسی شیرازہ بول کے کپاڈ میں ٹرگئی بیک زیرو

نے باہر نکل کر کرایہ ادا کیا اور پھر وہ ہوٹل کے مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔
اسی لمحے مہرون سکس نے بھی موٹر سائیکل کپاؤنڈ میں روکی اور پھر وہ بھی مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔

بنک زیر و کمرے کی چابی لے کر لفٹ میں داخل ہوا تو مہرون سکس کا ڈنٹر پر پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ کاؤنٹر گرل ریجسٹر پر اندراجات مکمل کر رہی تھی۔ مہرون سکس نے اندراجات پر ایک نظر ڈالی۔ کمرہ نمبر ۱۰۲ ایسری منزل جاوید احمد کے نام سے بک ہوا تھا۔ مہرون سکس کا استدھل ہو چکا تھا۔

کاؤنٹر گرل نے چونک کر سراسٹایا۔

’زلیتے‘ — اس نے بڑی شیریں آواز میں کہا۔

’مٹر سرفراز آپ کے ہوٹل میں مقیم رہتے ہیں‘ — مہرون سکس نے ذرا نام بتلاتے ہوئے کہا۔

’مٹر سرفراز‘ — کاؤنٹر گرل نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

’نہیں جناب! — سرفراز نام کے کوئی صاحب ہمارے ہوٹل میں نہیں مقیم ہے۔‘
کاؤنٹر گرل نے جواب دیا۔

’اچھا — حیرت ہے — مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ میں شیراز ہوٹل میں قیام کروں گا‘ — مہرون سکس نے چہرے پر حیرت کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔
’مجھے انوکھ سے کہ مٹر سرفراز یہاں مقیم نہیں ہیں‘ — کاؤنٹر گرل نے کارڈ بائی میں جواب دیا۔

’اوکے — تھینک یو‘ — مہرون سکس نے کہا اور پھر واپس ہو گیا۔ وہ تیز رفتاری سے باہر نکل گیا۔ کاؤنٹر گرل دوبارہ ریجسٹر میں اندراجات کرنے میں منہمک ہوئی۔

کیپٹن شکیل کی جب آنکھ کھل تو ایک لمحے تک وہ خالی نظروں سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے دماغ کی سیٹ بالکل صاف تھی لیکن آہستہ آہستہ اس پر مدھم مدھم فوٹاں اُبھرنے لگیں اور پھر اسے سابقہ تمام واقعات یاد آ گئے۔

وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ پھر وہ سمجھ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کہ وہ ایک آرام دہ لڑپر موجود ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا آرام دہ کمرہ تھا جس کے دریاں رکھے ہوئے نرم و گداز بستر اس وقت کیپٹن شکیل بیٹھا تھا۔ اس کا تمام جسم سفید پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا۔ سر پر بھی پٹی باندھی ہوئی تھی۔

وہ حیران رہ گیا کہ وہ تو پہاڑی کی چوٹی سے گرا تھا لیکن اب وہ آراستہ کمرے کا آرام دہ بستر پر موجود ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا — اور کب ہوا؟
’مٹر سرفراز بیسوشن رہا‘ — اور اسے اس کمرے تک لے آنے والی شخصیت کو کنسی؟
’کمرے کا اکلوتا دروازہ بند تھا۔ اس نے جسم میں شدید زخموں کو محسوس کیا۔ کب بار پھر وہ بستر پر لیٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نایاب مولا نے اس کے ہاتھ لگا کر اسے ڈھنسی دیا کہاں ہیں؟

اپنا کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر کیپٹن شکیل نے رعبیل انسلی۔ اندر آنے والا کرنل سیٹھی تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بستر کی طرف بڑھا۔

کیٹن شکیل سفہاری طور پر اٹھ بیٹھا۔

”لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔“ کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور پھر خود اس کے قریب کرسی نکسٹ کر بیٹھ گیا۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“ کرنل فریدی کی آواز میں ہمدردی تھی۔

”آپ کی مہربانی کی وجہ سے زندہ ہوں۔“ کیٹن شکیل نے سپاٹے لہجے میں جواب دیا۔

”پہاڑی سے گرنے کی وجہ سے تمہیں کافی چوہیں آئی تھیں۔“ دلپت قدرت کو تمہاری زندگی منظر مقرر کر تم گھنی جھالیوں کے ایک وسیع جال میں جاگڑے ہوئے۔“ کرنل فریدی نے جان بوجھ کر نفرو اور چھوڑ دیا۔

”ورنہ آپ سے شرف ملاقات کی بجائے منکر نیکر سے بھلا م ہو تا۔“ کیٹن شکیل نے ہکا کر جواب دیا۔

”خوب ہے۔“ مجھے خوشی ہے کہ عمران مرحوم کے ساتھی میں اسی کی طرح بے بگراؤ خوش مذاق ہیں۔“ کرنل فریدی نے جواب دیا۔

”کیا کہا۔“ عمران مرحوم۔“ کیٹن شکیل کے ذہن میں ہم کا دھماکہ ہوا، وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔

”ہاں!۔“ مجھے افسوس ہے کہ میرا بہترین دوست اور اس دنیا کے عظیم دماغ میں سے ایک دماغ اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔“ کرنل فریدی کا لہجہ دماغ افسردہ تھا۔

”تو۔ تو۔ کیا واقعی۔ نہیں نہیں۔“ یہ نامکن ہے۔“ ایسا نہیں ہو سکتا۔ عمران نہیں مر سکتا۔ عمران کی موت کی خبر سن کر کیٹن شکیل کا دماغ

پھٹ رہا تھا۔ اسے اس خبر پر قطعی یقین نہیں آ رہا تھا۔

”مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔“ مجھے خود اس کی اس قدر بے بسی کی موت پر بے حد افسوس ہے۔“ کرنل فریدی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”بے بسی کی موت۔“ کیٹن شکیل۔“ فریدی کے سخت لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

”ہاں!۔“ دراصل بات یہ ہوئی کہ مجھے آپ لوگوں کے پروگرام کا پہلے پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ میں نے پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔“ جب آپ کا ساتھی فارمولا لے کر اوپر آیا تو ہم نے ریڈ کر دیا۔“ عمران مجھ پر ٹوٹ پڑا، ہم دونوں ٹڑتے ٹڑتے پہاڑی سے نیچے گر گئے۔ پہاڑی کے اس کنارے کے نیچے ایک خوفناک دلدل ہے، ہم دونوں اس دلدل میں گر پڑے۔“ مجھے چونکہ اس دلدل کا پہلے سے علم تھا اس لئے میں نے شعوری کوشش کی کہ میں حتی الوسع دلدل کے کنارے کے قریب گروں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں دلدل کے کنارے کے قریب گرا اور پھر ایک جھاڑی کی مدد سے باہر نکل آیا لیکن عمران چونکہ دلدل کے وجود سے لاعلم تھا، اس لئے وہ دلدل کے عین درمیان میں گرا اور پھر اس خوفناک دلدل نے اسے زندہ نگل لیا، تم خود اندازہ کرو کہ اتنی بلندی سے اتنی خوفناک اور گہری دلدل میں گر کر کون باہر نکل سکتا ہے۔“ فریدی نے تفصیل بتلائی۔

”تو کیا واقعی عمران صاحب دلدل سے نہیں نکل سکے۔“ کیٹن شکیل نے قدرے بے بسی سے پوچھا۔

”نہیں۔“ میں نے کافی دیر تک وہاں کنارے پر انتظار کیا مگر۔“ کرنل فریدی ہکا کر خاموش ہو گیا۔

کیٹن شکیل بھی خاموش رہا۔ وہ گہری سوچوں میں غرق تھا۔ اسے عمران کی موت اس قدر کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

اب ہماری تمہاری لڑائی ختم ہو چکی ہے — عمران مرچکا ہے اور فارمولا واسپہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے — چنانچہ اب تم میرے مہمان ہو — جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو میں تمہیں واپس تمہارے ملک بھجوا دوں گا — کرنل فریدی نے ہنسی سی مسکراہٹ سے کہا۔

فارمولا آپ کو کہاں سے ملا — کیپٹن شکیل چونک پڑا۔
وہیں پہاڑی پر سے ملا ہے — کرنل فریدی نے بغیر کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اوپر — کیپٹن شکیل خاموش ہو گیا۔ ویسے اس بات پر اسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی غلط کہہ رہا ہے۔ فارمولا پہاڑی پر سے کیسے مل سکتا ہے جبکہ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں نیچے گہرائیوں میں گر چکا تھا اور عمران کے متعلق بھی اب وہ مشکوک ہو گیا کہ آیا عمران واقعی مرچکا ہے — یا — کرنل فریدی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

کرنل فریدی خاموشی سے کیپٹن شکیل کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا مگر اس کی آنکھیں ہی تیار سی تھیں کہ وہ الجھنوں کا شکار ہو گیا ہے ورنہ اس کا چہرہ حیرت منگ سکا ہوتا۔

کرنل صاحب! — اب کیا آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دے دیں گے — کیپٹن شکیل نے ایک خیال کے تحت چونک کر کرنل فریدی سے پوچھا۔

ابھی تمہاری حالت اس قابل نہیں کہ تم باہر نکلو — ویسے میری طرف سے مکمل اجازت ہے — کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

آپ کی ہمدردی کا شکر بہ کرنل صاحب! — ویسے میں اپنے آپ کو ٹھیک پاؤں ہوں اس لئے میں باہر جانا چاہتا ہوں — کیپٹن شکیل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

میری طرف سے اجازت ہے — کرنل فریدی نے جواب دیا۔
شکریہ — کیپٹن شکیل نے کہا اور پھر بستر سے اٹھنے لگا۔ گو اس تھوڑی سی حرکت سے بھی اس کے جسم میں درد کی شدید لہریں دوڑ گئی تھیں مگر اس نے ضبط کیا اور پھر اٹھ کر اسرا۔

میں چلتا ہوں — تم کپڑے بدل لو — سامنے الماری میں کپڑے موجود ہیں پھر باہر آکر پائے پی لو — کرنل فریدی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
بہتر! — کیپٹن شکیل نے جواب دیا اور کرنل فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے سے باہر نکل کر کرنل فریدی سیدھا ڈرائنگ روم میں گیا۔ وہاں اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔
لیس سر — دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔
ہارڈ اسٹون — کرنل فریدی نے کہا۔

نمبر الیون سر — نمبر الیون نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔
نمبر الیون! — ابھی ابھی میری کوٹھی سے عمران کا ساتھی باہر نکلے گا۔ تم کسی کو اس کے تعاقب پر مگادو — میں اس کی نقل و حرکت کی مکمل رپورٹ چاہتا ہوں۔
کرنل فریدی نے حکم دیا۔

بہت بہتر سر! — میں ابھی انتظام کرتا ہوں — نمبر الیون نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے — فریدی نے کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔
ریسیور رکھ کر کرنل فریدی نے کال بیل بجائی۔ ملازم کے آنے پر اسے چائے لانے کا کہا اور پھر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

حمید چونکہ کافی زخمی ہو گیا تھا اس لئے وہ ہسپتال میں تھا۔ ویسے اس کی حالت خطرے سے قطعی باہر تھی۔

کیپٹن شکیل، کرنل فریدی کو ولدل سے نکل کر پہاڑی کے شمالی موڑ مڑتے ہی منظر آگیا تھا۔ وہ گھنی جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا تھا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ گھنی جھاڑیوں کے وسیع جال نے اسے تمام لیا تھا ورنہ اس طرح گرنے پر اس کی ہڈیاں چور ہو جاتیں۔ کرنل فریدی اسے اٹھوا کر کوسٹھی لے آیا تھا۔

کرنل فریدی کو دراصل فارمولے کی تلاش تھی۔ فارمولا نہیں مل رہا تھا۔ فارمولا نہ پہاڑی پر تھا اور نہ ہی عمران کے کسی اور ساتھی سے مل سکا تھا۔

عمران کا صرف ایک اور ساتھی صفدر پہاڑی پر بیہوش ملا تھا۔ وہ سخت زخمی تھا۔ اس لئے کرنل فریدی نے اسے فی الحال ہسپتال میں ہی رہنے دیا تھا۔ ویسے کرنل فریدی کی بلیک فورس اس کی نگرانی کر رہی تھی۔

کرنل فریدی کو شبہ تھا کہ فارمولے کا ضرور کیپٹن شکیل کو پتہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پہاڑی پر سے ملنے کی بجائے پہاڑی کی دوسری طرف گرا ہوا ملا تھا۔

کرنل فریدی نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ فارمولا لے کر بھاگ رہا ہو کہ کسی وجہ سے پہاڑی پر سے گر پڑا ہو۔ ویسے اس نے اچھی طرح کیپٹن شکیل کے گرنے والی جگہ کے ارد گرد تلاش کیا تھا لیکن فارمولے والا بیگ کہیں بھی نہیں ملا تھا۔ اب وہ کیپٹن شکیل کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنا کہ اس کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔

اسی لمحے کیپٹن شکیل ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ وہ لباس بدل چکا تھا لیکن سر پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ کرنل فریدی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

اسی وقت ملازم چائے کی ٹالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے ٹالی میز کے

قریب روکی اور پھر چائے کی دو پیالیاں بنا کر ایک کیپٹن شکیل کے آگے رکھ دی اور دوسری کرنل فریدی کے سامنے۔

چائے پیتے ہوئے کرنل فریدی نے کہا۔

کیپٹن شکیل نے خاموشی سے پیالی اٹھائی اور ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر پیالی واپس میز پر رکھ دی۔

کیپٹن حمید کہاں ہیں؟ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

وہ بہت زخمی ہوا تھا۔ ابھی تک ہسپتال میں ہے۔ — کرنل فریدی نے چائے کا گھونٹ پینے کے بعد جواب دیا۔

اب کیا حال ہے؟ — کیپٹن شکیل نے رسمی طور پر پوچھا۔

اب پہلے سے بہتر ہے۔ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

پھر خاموش طاری ہو گئی۔ دونوں چائے پیتے رہے۔

بہانے ایک اور ساتھی بھی وہاں تھا۔ — کیپٹن شکیل نے صنف کا خیال آتے ہی پوچھا۔

ہاں! — وہ بھی کافی زخمی تھا۔ وہ بھی ہسپتال میں ہے اور اس کی حالت بھی اب خطرے سے باہر ہے۔ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

چلتے پی کر کیپٹن شکیل نے پیالی میز پر رکھی اور کچھ سوچنے لگا۔

تم شاید عمران کے نئے ساتھی ہو؟ — کرنل فریدی نے کہا۔

جی ہاں! — مجھے عمران صاحب کے ساتھ شامل ہونے ابھی تھوڑا ہی عرصہ

گزارا ہے۔ — کیپٹن شکیل نے آہستگی سے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے؟ — کرنل فریدی نے پوچھا۔

کیپٹن شکیل — میں ملری انٹیلی جنس سے ٹرانسفر ہو کر آیا ہوں۔ — کیپٹن شکیل

نے اپنا اصل نام بھی بتلادیا اور پوزیشن بھی کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ کرنل فریدی
پابے کتا ہی دشمن ہے لیکن ایک عظیم ظرف کا مالک ہے اور اسے یہ معمولی سی بات بتلانے
میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ کیپٹن شکیل کھڑا ہو گیا۔

اگر تم چاہو تو میں تمہیں کار پر بھیج دوں جہاں بھی تم جانا چاہو۔ کرنل فریدی نے
کمرے ہو کر پوچھا۔

نہیں۔ میں ٹیکسی پر چلا جاؤں گا۔ شکریہ!۔ کیپٹن شکیل نے جواب
دیتے ہوئے کہا۔

یہ پرس رکھ لو۔ تمہاری جیب سے ملے گا۔ کرنل فریدی نے اس کی طرف
پرس بڑھایا۔

کیپٹن شکیل نے پرس لے کر شکریہ ادا کیا اور پھر کرنل فریدی سے ہاتھ ملا کر آہستہ
آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کوئٹہ کے بیرونی گیٹ سے باہر نکل گیا۔
کرنل فریدی برآمدے میں کھڑا کیپٹن شکیل کو باتے دیکھتا رہا اور پھر مڑ کر واپس
ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

Anbar My Love



کریا خیر لہزار
لکھنا

نعمانی بھی رٹائی میں خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی خندوں میں سے تقریباً

آدھے سے زیادہ مارے جا چکے تھے۔ باقی سخت زخمی تھے۔
نعمانی کے ساتھی غنڈے واقعی ناگل دادا کے لئے اپنی جان پر کھیل گئے تھے۔ ان
میں سے ایک نے بھی جھگٹنے یا بزدلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ شاید یہ سب
کچھ اس لئے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ وہ ناگل دادا جیسے بڑے غنڈے کے تحت لڑ رہے
تھے۔

نعمانی نے جب رٹتے رٹتے یہ دیکھا کہ ان کا پڑا خاصہ ہلکا جار ملے ہے اور اس کے
کانی سے زیادہ ساتھی یا مارے جا چکے ہیں یا زخمی ہو گئے ہیں۔ عمران اکیپٹن شکیل اور
صفدر تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اب وہ لڑائی سے
غلیلہ ہو جاتے۔ خود انخواہ اپنی جان گنوانے کا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ موقع دیکھتے
ہی اس نے بھی پہاڑی کے شمالی حصے کا رخ کیا تھا۔

رٹائی اب کافی مدت تک سر دھڑکی تھی۔ اتنا دھکا تاڑا کہ پتھروں کی اوٹ سے کی
بارہی تھی۔

نعمانی تیزی سے ریگتا ہوا شمالی حصے کی طرف آیا اور پھر اسے بھی وہ پگڈنڈی نظر
آگئی جہاں سے کیپٹن شکیل اترنا چاہتا تھا۔ اس نے پیروں کے بل نیچے اترنے کی
بجائے گھٹنا زیادہ مناسب سمجھا۔ وہ نیچے گھٹنا چلا گیا۔ ایک دو جگہ پر وہ پھسلا بھی
لیکن جھاڑیوں یا چٹانوں کے سرے ہاتھ میں آ جانے کی وجہ سے بچ گیا۔

بلند ہی نعمانی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا۔ دامن میں گھنی جھاڑیوں کا جال تھا۔
وہ تیزی سے آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے اچانک اس کے پاؤں کو ٹھوکر لگی اور
وہ منہ کے بل نیچے زمین پر جا گرا۔ گرتے ہی وہ ایک جھکے سے اٹھا اور پھر جھک کر
رہنے لگا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ اس نے کسی جھاڑی کی بجائے کسی اور چیز سے ٹھوکر کھائی
ہے۔ مگر جب ہی وہ نیچے جھکا اس کے منہ سے بے اختیار جلی سی سیٹھی کی آواز نکلی

اس کے پیروں میں ایک جھاڑی کی جڑ کے ساتھ ایک بگ پڑا ہوا تھا۔ فارموسے بگ — اس بگ کو وہ ایک پتھر کی آڑ سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ جبکہ صفدر یہ بگ عمران کے حوالے کر رہا تھا۔ اس نے لپک کر بگ کو اٹھایا اور پھر تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

اسی لمحے اسے خیال آیا کہ بگ یہاں خود بخود نہیں گرا ہوگا۔ اس کا کوئی سامنے شائد صفدر یا کیپٹن شکیل اس بگ کو لے کر جاگ رہا ہوگا کہ پہاڑی پر سے گر گیا ہوگا اس نے اپنا شبہ مٹانے کے لئے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ اسی لمحے اچانک وہ پہاڑ اور پھر تیزی سے گھنی جھاڑیوں میں دب گیا۔

کوئی خاصا لمیم شمیم آدمی پہاڑی کا موڑ کھٹکتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نغانی کے ہاتھ میں تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ بگ کتنا قیمتی اور اہم ہے۔ چنانچہ اس نے اس آدمی سے ٹکرنے سے زیادہ یہ بہتر سمجھا کہ بگ لیکر نکل جائے۔ چنانچہ نو وارد کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ جھکا اور جھاڑیوں کی اوٹ لئے آگے بڑھنے لگا۔

جلد ہی وہ پہاڑی سے کافی دور نکل آیا۔ اس نے سڑک کی طرف جانے کی بجائے جنگل کا راستہ اختیار کرنا زیادہ بہتر سمجھا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ سڑک کو پولیس یا لیبارٹری کی سکیورٹی پولیس نے گھیر رکھا ہوگا۔

جنگل میں چکر کاٹتا ہوا نغانی پہاڑی کی جنوبی رخ کی طرف آگیا۔ اس طرف ایک خوفناک دلدل تھی۔ وہ دلدل کے کنارے کنارے چلنے لگا۔

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی کسی جھاڑی کی اوٹ سے نکلا ہو۔ نغانی وہیں دب گیا۔ وہ سایہ سا اندھیرے میں آگے جانے لگا۔ نغانی نے محسوس کیا کہ وہ اس شخص کو جانتا ہے۔ اس کے چلنے کا انداز اسے شناسا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا شبہ مٹانے کے لئے منہ سے سیٹی کی ایک مخصوص آواز نکالی یہ سیکرٹ سروس کا مخصوص کوڈ تھا

سیٹی کی مخصوص آواز سنکر آگے جانے والا شخص ٹھٹھک گیا۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے پڑا اور پھر نغانی کو وہی سیٹی کی مخصوص آواز سنائی دی۔ اس کا شبہ مٹ چکا تھا۔ بگ جانے والا اپنا ہی آدمی تھا۔

نغانی تیزی سے جھاڑی کی اوٹ سے نکلا اور پھر اس آدمی کی طرف بڑھنے لگا۔ آدمی وہیں رک چکا تھا۔ جلد ہی نغانی اس کے قریب پہنچ گیا۔

”ارے جتنی کہیں مہجوت پریت تو نہیں ہو —؟“ پہلے تباہ و تاراج میں آسانی سے ہوش ہو سکوں —“ رُکے ہوئے شخص نے کہا۔

”ارے عمران صاحب آپ —“ نغانی عمران کی آواز سنکر اچھل پڑا۔

”نغانی تم —“ اب حیران ہونے کی باری عمران کی تھی۔

”عمران صاحب! —“ فارموسے والا بگ یہی تو نہیں —؟“ نغانی نے مطلب کی بات کی۔

”بگ! —“ عمران بگ کو دیکھتے ہی اچھل پڑا — ”زندہ بازو نغانی زندہ بازو —“ بڑی گڈ — ہاں یہ ہی بگ ہے —“ عمران نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بگ لے لیا۔

”یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا —؟“ عمران حیرت سے بگ اور نغانی کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ پہاڑی کی دوسری طرف نیچے جھاڑیوں میں پڑا ہوا ملا ہے —“ نغانی نے جواب دیا۔

”جھاڑیوں میں —“ اور پہاڑی کے نیچے —“ عمران حیرت زدہ رہ گیا۔

”عمران صاحب! —“ اب یہاں سے نکلنے کی ترکیب کرنی چاہیے — پوری پہاڑی اور ارد گرد کے علاقہ کی ناکہ بندی ہو چکی ہے —“ نغانی کو خیال آگیا۔

تم نکر نہ کرو بھرت بھائی! — اب یہ طلسماتی بگ ہمارے پاس ہے۔ اب ذرا
 کی پڑیس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔
 "بھرت تو آپ معلوم ہو رہے ہیں عمران صاحب! — اگر جو لیا آپ کو اس
 میں دیکھ لے تو —" نعمانی نے ہنستے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا
 "ارے نہیں یار! — میں تو سمجھتا ہوں کہ میں پہلے سے زیادہ خوبصورت
 ہوں! — عمران نے جواب دیا۔
 "جی ہاں! — جی ہاں! — واقعی کیا کہنے ہیں آپ کی خوبصورتی کے —
 نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔
 "اور ہاں! — صفدر شکیل اور نادر کا کیا بنا؟ — عمران نے اچانک اکبر
 آتے ہی چونک کر پوچھا۔
 "جب میں پہاڑی سے جھاگا ہوں تو مجھے صفدر اور شکیل تو نظر نہیں آتے۔
 نادر مرچکا ہے — میسرے سامنے اس کے سر میں گولی لگی تھی —" نعمانی نے ہنس
 ہوتے ہوئے جواب دیا۔
 "اوہ! — عمران نادر کی موت پر افسر وہ ہو گیا۔
 "آپ پہاڑی کی بجائے یہاں کیسے موجود ہیں — اور آپ کا یہ حلیہ کیسے ہو
 نعمانی نے پوچھا۔
 "میں اور کرنل فریدی رٹے رٹے پہاڑی سے گر گئے تھے۔ پھر ہم دونوں
 خوفناک دلدل میں گر گئے۔ — یہ تو خدا کی قدرت تھی کہ جھاڑی کی ایک مضبوط شاخ
 کی وجہ سے میں اس خوفناک دلدل سے باہر نکل سکا — عمران نے مختصر
 اسے بتلائے۔
 "اور کرنل فریدی — —؟ نعمانی نے سوال کیا۔

جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ دلدل کے کنارے پر گرا تھا — ظاہر ہے وہ بچ
 ہوگا! — عمران نے جواب دیا۔
 "تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی بھی یہیں کہیں آس پاس ہی ہوگا —
 نے چونک کر کہا۔
 "نہیں — وہ جاچکا ہوگا — میرا خیال ہے کہ میں دلدل کے کنارے کافی دیر تک
 ہوش پڑا رہا ہوں۔ پھر مجھے باہر نکلنے میں بھی کافی دیر لگی ہے — فریدی جلدی نکل
 ہوگا! — اور ظاہر ہے کہ کہیں آس پاس ہوتا تو اب تک ضرور مڈبھڑ ہو جاتی۔
 نے اپنا اندازہ بتلایا۔
 نعمانی ایک طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔
 عمران بھی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ شاید کیپٹن شکیل اور صفدر کے متعلق
 سوچ رہا تھا۔
 "اب کیا پروگرام ہے عمران صاحب! —؟" نعمانی نے سکوت توڑا۔ وہ شاید اس
 سوال سے نکل جانے کے لئے بے چہرین ہو رہا تھا۔
 "نعمانی! — کیا تمہارے والا اڈہ کچھ دنوں کے لئے کام دے سکتا ہے —؟ عمران
 نے چونک کر پوچھا۔
 "ہاں — کیوں نہیں — ابھی تک کرنل فریدی کے قدم اس اڈے تک نہیں
 پہنچے — نعمانی نے جواب دیا۔
 "لیکن تمہارے ساتھی غنڈوں کی وجہ سے فریدی یقیناً اس اڈے تک ضرور پہنچ
 جائے گا! — عمران نے ایک خیال ظاہر کیا۔
 "نہیں ایسا نہیں ہوگا — کیونکہ یہ غنڈے ایسے تھے جن کو فیروز خفیہ رکھا ہے
 انہیں اڈے پر نہیں آنے دیتا —" نعمانی نے جواب دیا۔

پھر ٹھیک ہے — چلو تمہارے فیروز کی دعوت و مہمانی قبول کر لیں۔
 نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا اور نعمانی نے کندھے جھٹک کر عمران کے فیصلے کی تائید
 اور پھر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پہاڑی کے شمالی موڑ کی طرف بڑھتے ہوئے

بلیک زیرو کرے میں بیٹھا آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کر رہا تھا۔ کافی دیر
 اس بارے میں غور کرتا رہا۔ لیکن کوئی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
 وہی سچوں سے اچانک وہ چونک پڑا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ ایک لمحے
 لئے اس کی آنکھوں میں الجھن کی ڈوری ابھری پھر مٹ گئی۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور اس نے چٹخنی گرا دی۔ باہر دروازے پر موجود آدمی کو دیکھ کر
 بڑی طرح چونک پڑا۔ اس شخصیت کو ہزاروں میں سے صاف پہچان لیتا تھا۔
 دروازے پر موجود آدمی کرنل فریدی تھا۔ جس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی
 ہوئی تھی۔

’شرف لائیے‘ — بلیک زیرو نے قدرے سنبھلتے ہوئے اسے اندر آنے کے لئے
 باوجود ایک طرف ہٹ گیا۔

’شکریہ!‘ — کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ اندر داخل
 ہوا۔ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھنے کے بعد اس نے پہلے اپنا تعارف کرنا ضروری سمجھا۔

”مجھے کرنل فریدی کہتے ہیں“ — کرنل فریدی نے کہا۔

”اوہ! — آپ ہی کرنل فریدی ہیں — بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر — کے کارناموں کی دھوم تو ساری دنیا میں مچی ہوئی ہے“ — بلیک زیرو نے اپنے پر خوشی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

”شکریہ! — کرنل فریدی نے مکرراتے ہوئے جواب دیا۔

”مجھے جاوید احمد کہتے ہیں — اور میں آج ہی ناغنفان سے آیا ہوں“ — نے جواباً تلفظ کرایا۔

”مستر جاوید! — آپ دیر سے آتے ہیں — عمران سرچکے“ — کرنل فریدی نے براہ راست اعصابی مد کیا۔

”حوادثی زوردار تھا۔ بلیک زیرو کافی کوشش کے باوجود اپنے آپ کو چوکنے باز نہ رکھ سکا۔

”جی — اس کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں — میں صبح کدہ رہا ہوں“ — کرنل فریدی نے بغور بلیک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن کون عمران —؟ اور میرا عمران سے کیا تعلق“ — بلیک نے اب سنبھل چکا تھا۔

”بہر حال آپ ایئرپورٹ پر بڑے غور سے اخبار پڑھ رہے تھے — پھر آپ ٹوئٹ میں جا کر عمران سے ٹرانسکریپٹ بات کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس میں نے یہاں آکر آپ کو مطلع کر دینا اپنا فرض سمجھا — وہ اور میں پہاڑی پر

ہوئے پہاڑی کے دامن میں موجود خوفناک دلدل میں گر گئے۔ میں تو نکل جا لے۔ کامیاب ہو گیا مگر“ — کرنل فریدی نے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

بلیک زیرو کرنل فریدی کی معلومات پر دل ہی دل میں عیش کشی کر اٹھا۔ وہ نے لگا کر وہ ایئرپورٹ پر اترتے ہی کرنل فریدی کے آدمیوں کی نظر میں آ گیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ کرنل فریدی کے آدمی صرف اخبار میں وہ خبر پڑھنے پر اس کے لئے گئے ہوں گے اور ویسے بھی وہ کبھی کرنل فریدی کے سامنے نہیں آیا سکتا۔ اس نے کرنل فریدی کا اس کی اصل حیثیت پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

”میں آپ کی معلومات کی داد دیتا ہوں — مگر میں نے تو فطری تجسس سے مجبور ہو کر خبر پڑھی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں — میں نہ تو کسی عمران کو جانتا تھا اور نہ ہی میرا عمران وغیرہ سے کوئی تعلق ہے“ — بلیک زیرو اب بڑے اعتماد کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوگا — لیکن پھر آپ نے اپنے چہرے پر میک اپ کیا ہوا ہے“ — کرنل فریدی کے لہجے میں بھی اعتماد تھا۔

”اوہ میک اپ! — اچھا اچھا — آپ اس میک اپ کی وجہ سے مجھ پر شکریہ دے رہے ہیں — دراصل بات یہ ہے کہ میرا تعلق ناغنفان کے ایک مقبوضے سے ہے — میں وہاں میک اپ مارٹر کے طور پر کام کرتا ہوں — یہاں میں نے چند روزہ دشمن ہیں — میں نہیں چاہتا کہ میری یہاں موجودگی کا علم ان کو ہو۔ اس نے چہرے پر میک اپ کر لیا تھا“ — بلیک زیرو نے بڑی مشکل سے بات منہ سے بولتے ہوئے جواب دیا۔

”ہوں! — تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اس ملک میں ناجائز طریقے سے داخل ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کو یہیں ہتھکڑی بھی پہنا سکتا ہوں“ — کرنل فریدی نے نامناسب معنی خیز تھا۔

”ناجائز — ہرگز نہیں — میں تو باقاعدہ پاسپورٹ پر آیا ہوں“ — بلیک زیرو

نے قدرے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

کرنل مندر بن اس کے تصور سے بھی زیادہ ذہین تھا۔

”مستر جاوید! آپ جان بوجھ کر بچوں والی باتیں کر رہے ہیں۔ صاف نہ بے کر آپ نے اسی ایک آپ میں تصویر بنا کر پاسپورٹ پر لگوائی ہوگی جبکہ آپ کے چہرہ اور ہے۔ کیا یہ جُسم نہیں ہے؟“ کرنل فریدی نے قدرے سنا لہجے میں جواب دیا۔

”ہے تو سہی کرنل صاحب مگر۔“ بلیک زیرو سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
”ہاں! ایک صورت میں آپ کو معاف کیا جاسکتا ہے کہ اگر آپ عمران کے بھائی میں۔ عمران مرچکا ہے۔ اب میری اور اس کی وقتی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ اب ان کے ساتھی میرے مہمان ہیں۔“ کرنل فریدی نے کہا، اس کے چہرے پر طنز نہ ہو سکتا تھا۔

بلیک زیرو پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اگر وہ عمران کے ساتھی ہونے سے انکار کر لے کر کرنل فریدی ابھی گرفتار کر لیتا۔ اور عمران کا ساتھی ہونے کا وہ اقرار نہ کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے عمران کی موت کی خبر پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اسے کرنل فریدی کا ایک حربہ سمجھ رہا تھا۔

”ولیسے آپ کی مرضی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرا عمران نامی کسی آدمی سے تعلق نہیں۔ آخر بلیک زیرو نے کشمکش سے چپکے پا پاتے ہوئے انکار کرنا ہی مناسب سمجھا۔

”ٹھیک ہے۔ پھر آپ اپنے آپ کو حراست میں سمجھیں۔“ کرنل فریدی جیسے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے انتہائی پھرتی سے جیب سے ریولور نکال لیا تھا۔
”تو کیا میں ہاتھ اونچے کر لوں؟“ بلیک زیرو نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں۔“ کرنل فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

بلیک زیرو نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”دوسری طرف رخ کرو۔“ میں تمہاری تلاشیں لینا چاہتا ہوں۔“ اس بار کرنل فریدی کا لہجہ غراہٹ آمیز تھا۔

بلیک زیرو بڑی شرافت سے گھوم گیا۔

کرنل مندر بن نے آگے بڑھ کر اس کی تلاشیں لینا شروع کر دی۔

اسی لمحے اچانک بلیک زیرو تیزی سے گھوما اور کرنل مندر بن کے ہاتھ سے ریولور نکل کر دور جا پڑا۔

بلیک زیرو کا ہاتھ ریولور پر بڑے زور سے پڑا تھا۔



صغیر کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ہسپتال میں موجود پایا۔ چند لمحے وہ غالی غالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ جیسے گزرے ہوئے واقعات کے فوٹس اس کے ذہن کی لوح سے منٹ چکے ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ اسے سب واقعات یاد آتے گئے۔ اسے یاد آیا کہ وہ دروازے سے نکلنے کے بعد پہاڑی پر ہونے والی لڑائی سے زخمی ہو گیا تھا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ نتیجہ میں اس وقت وہ ہسپتال میں موجود تھا۔ یادداشت واپس آتے ہی اس نے

چونکہ کراٹھنا چاہا لیکن جسم میں اٹھنے والی شدید ٹیسوں نے اسے پھر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔
 آپ کو ہوش آگیا۔۔۔ اسے اٹھنا دیکھ کر ایک زس اس کے قریب پہنچ کر کہنے لگا۔
 ہاں!۔۔۔ آتو گیا ہے۔۔۔ صفر نے قد سے بے بسی سے جواب دیا۔

آپ لیٹے رہیے۔۔۔ آپ خطرناک حد تک زخمی ہو چکے ہیں۔۔۔ ویسے آپ مکمل طور پر خطرے سے باہر ہیں۔۔۔ زس نے اسے دلاسا دیا۔

شکریہ میں!۔۔۔ صفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

صوفیہ!۔۔۔ زس نے مسکراتے ہوئے اپنا نام بتلایا۔

زس صوفیہ۔۔۔ کیا کیپٹن حمید اور کرنل سرمدی بھی ہسپتال میں موجود ہیں؟
 صفر نے قدرے لا پرواہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اوہ!۔۔۔ آپ کیوں ان کی فکر کر رہے ہیں۔۔۔ آپ دماغ پر زور نہ دیں۔
 آپ کے لئے بہتر ہے۔۔۔ زس صفر کا سوال جان بوجھ کر ٹال گئی۔

ہونہہ!۔۔۔ صفر نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ زس کرنل سرمدی اور کیپٹن حمید کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ شاید اسے اس بارے میں جرات دے دی گئی ہوں۔

زس والپس چلی گئی تھی۔

صفر سوچ میں گم تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ دیگر ساتھیوں اور فارمولے کا کیا بنا۔ وہ اس بارے میں کافی تشویش زدہ تھا۔ اس نے جسم کو بلا جھلکا کر اندازہ کر لیا تھا کہ آیا وہ میدان عمل میں کود سکتا ہے یا نہیں۔ جسم کو بلانے سے اسے اتنا اندازہ تھا کہ تکلیف تو ہوگی لیکن وہ کام کر سکتا ہے۔

اب صفر یہاں سے فرار ہونے کے متعلق سوچنے لگا۔ تاکہ عمران وغیرہ کا پتہ پکے پوزیشن کا پتہ چلائے۔ اور پھر اس نے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے چاروں

ان نظروں کو فرار ہونے کے لئے کوئی راہ منتخب کی جا سکے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں صرف صفر کا ہی بیڈ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا اور پھر بیڈ سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ گو اس مقدرے سے عمل سے اسے بے پناہ دہشت تھی لیکن اس نے دانت پیچ کر ضبط کر لی۔

چند لمحوں کے بعد اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ جسم کے حرکت میں آنے سے پہلے تو اسے بے حد تکلیف ہوئی۔ لیکن آہستہ آہستہ تکلیف کا احساس کم ہوتا گیا۔ وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے جسم پر ہسپتال کا لباس تھا۔ وہ اس حالت میں فرار ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے کھولا اور پھر باہر کا ریڈور میں نظر ڈالی۔ دوسرے کمرے جسکے اس نے سر دیکھے تھے وہ اب بھی دروازے کے ساتھ ہی ایک آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں سامنے نہیں اس لئے وہ صفر کو نہ دیکھ سکا۔

صفر سمجھ گیا کہ اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔ اس لئے دروازے کی طرف سے نکلنا مفید نہیں تھا اور اب وہ کوئی اور راہ دیکھنا چاہتا تھا۔

صفر نے کمرے میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ پچھلے رخ پر ایک بڑی کھڑکی تھی جس پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ صفر اب اس کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ کھڑکی کافی بڑی تھی۔ لیکن شیشیوں کی دوسری طرف کھڑکی کے شیشے میں گہرائی تھی۔ اس کا منہ چڑھا رہی تھی۔

اس نے خاموشی سے پردہ دوبارہ برابر کر دیا اور پھر واپس بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ تاکہ کوئی پیچیدہ ہو گیا تھا۔ بائیں کھڑکی کی کوئی راہ نہیں تھی۔

پھر اس نے روشندان کی طرف نظر اٹھائی لیکن بے سود۔ روشندان اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں سے صفر تو کم از کم نہیں نکل سکتا تھا۔ ابھی وہ اس معاملے پر غور کر رہی

رہا تھا کہ وردانہ کھلا اور پھر ایک ڈاکٹر اور ایک نرس اندر داخل ہوئی۔

صفدر نے انہیں دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن میں جھکا کا سا ہر
فرار ہونے کی ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے اس ترکیب کو آزمانے کا فیصلہ
کر لیا۔

”اوہ باب آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیٹ جائیے۔ مکمل آرام کیجئے۔“ ڈاکٹر
نے اسے کندھے سے پکڑتے ہوئے لٹنے کی کوشش کی۔

نرس بیڈ کے قریب — دیوار پر لٹکے ہوئے چارٹ کو بغور دیکھنے میں
مغروں ہو گئی۔

اس لمحے صفدر نے ڈاکٹر کے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر لوری قوت سے
اسے نرس پر دھکیل دیا۔ ہلکی سی دو چیخیں بلند ہوئیں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے
ھٹ کر فرش پر نیچے گر پڑے۔

صفدر نے چلتے کی طرح چھلانگ لگائی اور پھر وہ ان دونوں کے اوپر جا کر اتر گیا
گرتے اس نے ایک زوردار مکہ ڈاکٹر کے منہ پر مارا اور دوسرا ہاتھ نرس کے منہ پر
جما دیا۔ جو بے اختیار چیخنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ڈاکٹر نے پہلا مکہ کھا کر — صفدر پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر صفدر کا
نکتہ کافی کاری پڑا اور ڈاکٹر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

صفدر کا ہاتھ ابھی تک نرس کے منہ پر جما ہوا تھا، گو وہ لڑکی سے غافل ہو کر
کی طرف متوجہ ہو گیا تھا لیکن غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ لڑکی کے منہ پر جما ہوا
تھا۔ اب جب وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تو وہ سانس رکھنے کی وجہ سے بیہوش ہو گیا
تھی۔ صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس مقصودی سی جدوجہد نے صفدر کو نڈھال کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار بیٹھ کر طویل

سانس لینے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے
تباہ ہو۔

پھر اسے خیال آیا کہ اسے جو کچھ کرنا چاہیے، جلد ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی بھی
لمحے کوئی شخص اندر آ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور پھر اس نے ڈاکٹر کے کپڑے
اندھے شروع کر دیے۔ پھر اپنے کپڑے اتار کر اس نے ڈاکٹر کے پہنے اور اس پر
سفید کوٹ پہن لیا۔ گلے میں سفید سٹیکو پ لٹکایا۔ ڈاکٹر کی عینک اتار کر آنکھوں پر چڑھائی
گو عینک نظر کی تھی اور اس عینک کے پہننے سے اسے الجھن سی ہو رہی تھی لیکن
وقت کی نزاکت کے تحت اس نے عینک لگائی اور پھر بڑے اطمینان سے وردانہ کھول
کر باہر نکلا اور پھر سر جھکائے سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔

چوکیدار شاید کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس لئے وہ متوجہ ہی نہ ہوا۔ قدموں کی
پاپ سن کر اس نے کاہلانہ انداز میں آنکھ کھولی۔ لیکن پھر ڈاکٹر کا سفید کوٹ دیکھ
کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

صفدر سیدھا نکلتا چلا گیا۔ ایک راہداری کا موڑ مڑتے ہی اچانک ایک نرس
اس سے ٹکرا گئی۔

”ڈاکٹر! — صفدر کو شاید وہ پہچان گئی تھی اس لئے اس کے منہ سے حیرت
کے شدید حملے کی وجہ سے صرف یہی لفظ نکلا۔ وہ آنکھیں میچاڑے صفدر کو دیکھ رہی
تھی۔

صفدر ایک لمحے کے لئے جھکا۔ دوسرے لمحے وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔
وہ آمدورفت کی جگہ پر زیادہ دیر تک نہ رکنا چاہتا تھا اور نہ ہی وہ وہاں لڑائی جھگڑے
کے موڑ میں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

نرس کچھ لمحے وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی صفدر کے کمرے کی

طرف بھاگنے لگی۔

صفر نے مرکز رس کو بھاگتے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اب چند لمحوں بعد راز کھینے والا ہے اور وہی چند لمحے اس کے پاس تھے۔ ان ہی چند لمحوں میں وہ پکڑا بھی پاس تھا اور فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا۔

اس کے دم مزید تیز ہو گئے۔ وہ تیزی سے مختلف راہداریوں اور برآمدوں سے گزر رہا تھا۔ اس دوران اسے کئی ڈاکٹر اور ملازمین ملے لیکن اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کسی کی نظر بھی اس کے چہرے پر نہ پڑ سکی۔ پھر وہ ہسپتال کے مین گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔

مین گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور وہ ہوا کے جھونکے کی طرح مین گیٹ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اب صفر ہسپتال کی عظیم الشان عمارت سے باہر تھا۔ ہسپتال کے مین گیٹ کے باہر کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ وہ تیزی سے ایک خالی ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ اس نے پھرتی سے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔

جلدی چلو ڈرائیور! — صدر بازار چلو — صفر نے تیز لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا۔

ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی۔ اسی لمحے اسے مین گیٹ پر مسلح سنتری بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ اس کا راز کھل چکا تھا۔ لیکن ڈرائیور گاڑی آگے بڑھا چکا تھا اور سنتری پیچھے بھاگتے رہ گئے۔ لیکن ٹیکسی ان کی زد سے باہر نکل گئی۔

پھر صفر نے بیک مرر میں سنتریوں کو ایک جیب میں سوار ہوتے دیکھا۔ انہوں نے جیبوں میں ہاتھ ڈالا۔ ایک پرس اس کے ہاتھ سے نکرایا۔ اس نے پرس کھول کر ایک نوٹ نکال لیا۔

ٹیکسی یہیں روک دو ڈرائیور! — صفر نے کسی خیال کے آتے ہی کہا۔ اور ہم نے گاڑی ایک سائیڈ میں روک دی۔

صفر نے نوٹ ڈرائیور کی طرف پھینکتے ہوئے دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر تیزی سے فٹ پاتھ پر چلنے والوں کی صف میں گم ہو گیا۔

بیٹھنے سے ہوتا ہوا صفر تیزی سے ایک سیٹورنٹ میں گھستا چلا گیا۔ سیٹورنٹ کے ساتھ ہی ٹوائٹ بنے ہوئے تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی اندر ایک ٹوائٹ میں گھس گیا۔

ٹوائٹ میں داخل ہو کر اس نے پھر قریب سے کوٹ، سٹیٹو سکوپ اور بینک اٹار، بکروٹ اور سٹیٹو سکوپ اس نے دروازے کے پٹ کے پیچھے لگی ہوئی ایک کیل پر ٹاپے تاکہ اگر کوئی ویسے دروازہ کھول کر دیکھے تو اسے یہ چیزیں نظر نہ آئیں۔ بینک اٹار اس نے جیب میں رکھ لی اور پھر ٹوائٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور پھر ہمے سیٹورنٹ کے بال میں جانے کے وہ مین گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ادھر ادھر دیکھا اسے کوئی آدمی اپنی طرف متوجہ نہ فرما آیا۔ وہ اطمینان سے ہاتھ پر چلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

کالی دوز نکل آنے کے بعد جب اسے کوئی خطرہ نہ نظر آیا تو اس نے ایک ٹیکسی روک کر پھر وہ ٹیکسی میں ٹھہر گیا۔

پھر مارکیٹ — اس نے ڈرائیور سے کہا اور پھر سماعت سے مڑ کر آنکھیں بند کر دیں۔ وہ بھیڑ بھاگ چکا تھا۔ اور اسے اب پھر سے آتے محسوس ہو رہے تھے۔ ٹیکسی تیزی سے مارکیٹ کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ سپاہیوں کو ڈالنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

عمارت اور نعمانی پہاڑی کا شمالی موڑ مڑنے کے بعد تیز چلتے ہوئے اس میں
کی طرف بڑھ رہے تھے جو پہاڑی کے قریب سے جوتی ہوئی شہر کی طرف جاتی تھی
تد اور جھاڑیوں کی آڑ میں چلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔
عمران کے ہاتھ میں وہ قیمتی بیگ تھا اور وہ کسی قیمت پر اس بیگ کو ہاتھ
کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے وہ دونوں جلد ہی سڑک کے قریب
پہنچ گئے۔
سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ نعمانی کا یہ اندازہ اب غلط نظر آ رہا تھا کہ یہ
یرکڑی سنگرائی کی جا رہی ہوگی۔ مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مقابلہ پولیس سے نہ
کرنی سیریدی سے ہے اور کرنل فریدی کے آدمی یقیناً اس سڑک کی سنگرائی کر رہے
ہوں گے۔ اور عمران اور نعمانی یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کی نظروں میں چرہ
بیگ اور وہ دونوں کرنل سیریدی کی گرفت میں آجائیں۔ پھر دھمیل میں گرنے کی
سے عمران کی حالت ہی ایسی تھی کہ ہر آدمی خواجہ زاد اس پر شک کرتا۔
وہ عجیب سی صورت حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ وہ بیگ کو کسی بھی حالت میں
نہیں چاہتا تھا۔ اور یہاں سے نکلنا بھی اسے قدرے دشوار نظر آ رہا تھا۔
وہ دونوں ایک جھاڑی کی آڑ میں بیٹھے ہوئے تھے اور سنسان سڑک کی طرف

بلند دیکھ رہے تھے۔

تمہارے پاس ریوالور ہے؟ — عمران نے نعمانی سے پوچھا۔
نہیں۔ کیوں؟ — نعمانی نے حیرت سے جواب دیا۔
کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی ریوالور دیکھنے کے لئے جی چاہ رہا تھا۔ عمران
نے لا پرواہی سے جواب دیا۔
اب کیا ہوگا عمران صاحب؟ — نعمانی نے سوال کیا۔
تم نے وہ شعر نہیں سنا۔
مدعی لاکھ بڑا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے
سب وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا — ویسے نعمانی! — مجھے یہ شعر کسی ملزم کا نظر
آتا ہے — عمران نے کہا۔
ملزم! — کیا مطلب میں سمجھ نہیں؟ — نعمانی عمران کی بات نہیں
سمجھ سکا تھا۔
اسے وہ ملزم ہی ہوگا جو مدعی کو بیچ عدالت میں دھکیاں دے رہا ہے — عمران
نے شعر کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔
ہو نہ ہو — نعمانی نے کہا اور میسر فائوشس ہو گیا۔ اب بھلا وہ کیا جواب دیتا۔
عمران تو کسی بھی سچو تیش میں سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ تو عمران نہیں تھا۔ اسے
یہاں سے نکلنے کی بیک تشریش تھی۔
نعمانی! — تم یہ بیگ لے کر سڑک پر جاؤ — اور خاموشی سے آگے بڑھتے چلے
جاؤ — اچانک عمران کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔
مگر — نعمانی نے کچھ کہنا چاہا۔

اگر مگر کا وقت نہیں۔ بس اب تم چل دو۔۔۔ عمران نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نعمانی نے عمران کے ہاتھ سے خاموشی سے بیگ لے لیا اور پھر جھاڑی سے نکل کر سامنے سڑک کی طرف چل دیا۔ چرکنا ہونے کے باوجود اس نے قدموں میں کسی قسم کی لرزش ظاہر نہ ہونے دی اور بڑے اطمینان سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

جد ہی رہ سڑک پر پہنچ گیا اب اس کا رخ شہر کی طرف تھا اور وہ تیز تر قدموں سے چلا جا رہا تھا۔

عمران وہیں جھاڑی میں بیٹھا نعمانی کو جاتا دیکھتا رہا۔ ابھی تک بیک فورس کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ نعمانی کافی دور پہنچ گیا تھا۔

عمران سوچنے لگا کہ یہ سب کیا ہے۔۔۔ اسے یہ معاملہ اس طرح سادگی سے حل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کرنل فریدی کو اتنا ہی وقت نہیں سمجھتا تھا کہ اس نے پہاڑی سے اپنے تمام آدمی مٹا لئے ہوں لیکن الجھن یہ تھی کہ ابھی تک نعمانی کے ساتھ کوئی گڑبڑ کیوں نہیں ہوئی تھی؟ وہ نعمانی کو آگے بھیج کر یہی چیز دیکھنا چاہتا تھا کہ بیک فورس کے آدمی کہاں چھپے ہوئے ہیں۔

نعمانی اب کافی دور جا چکا تھا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے وہ بھی جھاڑی کی آڑ سے نکلا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا جا سڑک کی طرف چل دیا۔ سڑک پر آنے کے بعد وہ نعمانی کی طرف بڑھنے لگا۔ ویسے وہ بے حد چرنا سما اور بس بھی سمجھے پشیمان نظر نہ لوری حرکت میں آسکتا تھا۔ لیکن بس ایک ہتھاکوئی روٹل نہ رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا گیا اور جلد ہی وہ نعمانی کے قریب پہنچ گیا۔

”یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔۔۔“ نعمانی نے عمران کے قریب پہنچتے ہی کہا۔

”یہ عینک لگاؤ۔۔۔ اگر تمہیں نظر نہیں آ رہا تو۔۔۔“ عمران نے کہا اور نعمانی نے لگا۔

کافی دیر تک آنے کے بعد وہ مین روڈ پر پہنچ گئے۔ یہ واقعی اس بار تو کمال ہو گیا ہے۔ فریدی کی عقل شاید گلاس پر نے چلی تھی۔۔۔ عمران نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا، دور دور تک اندھیرا چھایا ہو گا۔ اور کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ فریدی اس خوفناک دلدل میں ہی پھنسا ہوا ہو۔۔۔“ نعمانی نے رائے پیش کی۔

”ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔۔۔ لڑکا بھی ہو سکتا ہے۔ بارش بھی رکتی ہے۔۔۔ جن بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ مہوت بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ میں بھی ہو سکتا ہوں۔۔۔ تم بھی ہو سکتے ہو۔۔۔“ عمران نے ہر سکتے کی گردان شروع کر دی۔

”بس بس۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔“ نعمانی نے ہر سکتے کی رون فرم کرنے کے لئے کہا۔

مین روڈ پر اس وقت بھی کافی ٹریفک تھی۔ نعمانی نے ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دیکر لیا۔ ٹیکسی ان کے قریب آکر رکی تھی۔

ڈرائیور نے عمران کو بڑی حیرت معبری نظروں سے دیکھا لیکن وہ منہ نہ کھولا۔

وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

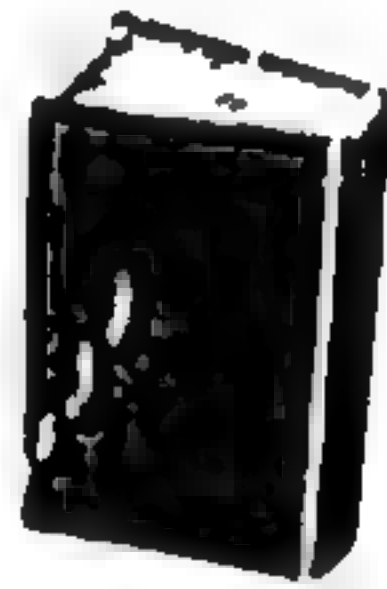
”کیفے اسٹار لائن کے قریب روک دینا۔۔۔“ نعمانی نے کہا۔ اور ڈرائیور نے خاموشی سے اس کے اشارے پر عمل کیا۔

عمران نے مڑ کر پیچھے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے تعاقب کا اندازہ لگانا چاہتا تھا لیکن اسے ایسی کوئی گاڑی نظر نہ آئی۔

وہ یقیناً دل ہی دل میں حیران تھا کہ اس بار پتھر کیا ہوا ہے۔ کیا وہ کرنل نسردی نے بے وقوفی کی ہے۔ یا۔۔۔ کوئی گہری چال چل جا رہی ہے۔ بہر حال تمام راستے وہ کان چوکنار اکہ شاید تعاقب کا پتہ مل جائے۔ لیکن کیفے سٹارٹنگ تک اسے کسی پر بھی اس قسم کا شک نہیں ہوا۔

کیفے سٹارٹنگ کے گیٹ کے سامنے جا کر ٹیکسی رک گئی۔ نعمانی نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر ڈرائیور کو دیا اور پھر عمران اور نعمانی اتر کر کیفے کے گیٹ کے اندر داخل ہو گئے۔

الرا
البر
البر



دلو الور تو کرنل نسردی کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن فریدی کا جتھر بڑے زور سے بلیک زبرد کی گردن پر پڑا اور بلیک زبرد الٹ کر دیوار کے پاس جاگرا۔ لیکن دیوار سے گرتے ہی وہ یوں اچھل کر واپس آیا جیسے دیوار میں سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ اس کی دونوں ٹانگیں بڑے زور سے فریدی کے سینے پر پڑیں اور فریدی پشت کے فرش پر جاگرا۔ لیکن گرتے ہی وہ اسٹڈ کھڑا ہوا۔

ادھر بلیک زبرد نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اور اب وہ دونوں

آٹے سامنے تھے۔

تو تم نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔ فریدی پھنکارا۔

جو تم سمجھو کرنل فریدی۔ بلیک زبرد نے طنز سے لہجے میں جواب دیا اور اس کے ہاتھ ہی اس نے کرنل نسردی پر حملہ کر دیا۔ مگر کرنل فریدی پھرتی سے دائیں طرف ہٹ گیا اور بلیک زبرد اپنے ہی زور میں آگے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے سے کرنل فریدی نے اس کی پشت پر زوردار لات ٹکا دی۔

بلیک زبرد منہ کے بل دیوار کے قریب پڑے ہوئے صوفے پر جاگرا۔ کرنل فریدی نے جھپٹ کر اسے کالر سے پکڑا اور اس کے سیدھا ہوتے ہی ایک زوردار مکہ اس کی کہنی پر جڑ دیا۔ مگر بلیک زبرد جو کراٹے میں ماہریت کا دم رکھتا تھا، نے اپنی دونوں کہنیاں مخصوص انداز میں کرنل نسردی کی پسلیوں میں مار دیں۔ کراٹے فاسٹ کا یہ خطرناک ترین مخصوص واڈ تھا۔ کرنل فریدی کے ہاتھ سے بلیک زبرد کا کالر چھوٹ گیا اور وہ لوکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

بلیک زبرد پھرتی سے مڑا اور دوسرے لمحے اس کے سر کی زوردار ٹک کر کرنل فریدی کو ناک پر پڑی اور کرنل فریدی الٹ کر دوسری طرف کرسیوں پر جاگرا۔ ساتھ ہی بلیک زبرد نے بھی اس پر چھلانگ لگا دی۔

لیکن اب کرنل نسردی سنبھل چکا تھا۔ وہ تیزی سے کروٹ بدل گیا اور بلیک زبرد اس سے ٹکراتا ہوا سر کے بل نیچے فرش پر گر گیا۔ بلیک زبرد نے گرتے ہی پیر کے زور سے کرنل فریدی پر اچھال دی۔ لیکن کرنل فریدی فوراً ایک طرف جھکا اور کرسی اڑتی ہوئی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔

دوسرے ہی لمحے کرنل فریدی کے بوٹ کی زوردار ٹک بلیک زبرد کے پیچھے پر پڑی۔ بلیک زبرد نے بچنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن ٹھوکر پڑ چکی تھی۔ پھر تو کرنل فریدی نے

سے اٹھنے نہیں دیا۔

بلیک زیرو کے منہ پر اس نوار سے ٹھوکریں پڑ رہی تھیں جیسے یہ عمل کسی آٹومیک مشین کے ذریعے ہو رہا ہو۔ بلیک زیرو کا چہرہ متواتر پڑنے والی ٹھوکرؤں سے لہو لہو ہو گیا تھا۔

پہرا چاک ہی بلیک زیرو کے ہاتھوں میں کرنل فریدی کا پاؤں آگیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کی ٹانگ مرڈ دی۔ فریدی اٹ گیا۔ بلیک زیرو تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا دوسرے ہی لمحے اس کے بوٹ کی سنڈل کرنل فریدی کی پسلیوں پر پڑی۔ ضرب کافی زور سے لگائی گئی تھی۔ کرنل فریدی ضرب کی قوت سے مر گیا۔

بلیک زیرو نے دوسری ضرب لگائی لیکن کرنل فریدی تیزی سے مر گیا تھا چنانچہ بلیک زیرو اپنا توازن نہ سنبھال سکا اور نیچے گر گیا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی مگر کرنل فریدی پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ اس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ بلیک زیرو کافی سخت جان واقع ہوا تھا۔ کرنل فریدی کے مقابلہ میں اتنی دیر تک ٹھہرنا بھی اس کی ہی ہمت تھی۔

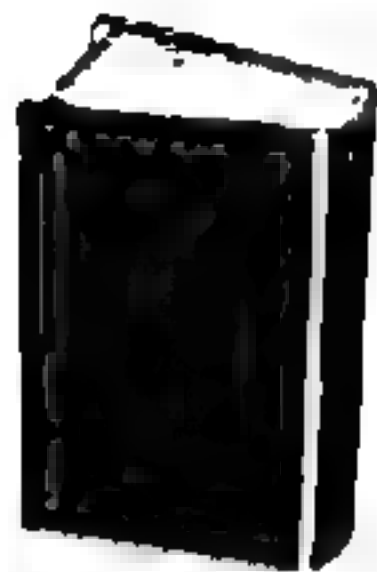
اچانک کرنل فریدی نے اپنے جسم کو آگے جھکایا۔ بلیک زیرو نے پھرتی سے اس کی گردن پر جوڑو کا وار کرنا چاہا مگر دوسرے لمحے بلیک زیرو کرنل فریدی کے ہاتھوں پر اٹھا ہوا تھا۔ بلیک زیرو ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف جھکا تا کہ کرنل فریدی کی پشت پکڑ لے مگر کرنل فریدی نے ایک زوردار جھٹکے سے اسے سامنے کھڑکی کی طرف اچھال دیا۔ کھڑکی کافی چوڑی تھی۔

بلیک زیرو کا جسم پوری قوت سے کھڑکی سے ٹکرایا اور شیشے توڑا ہوا دوسری طرف بھٹ گیا۔

کرنل فریدی واقعی غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ ورنہ اس کا ارادہ بلیک زیرو کو

تیسری منزل سے کھڑکی سے باہر پھینک دینے کا نہ تھا۔

بلیک زیرو کا جسم قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے کپاؤنڈ کی طرف جانے لگا۔ کرنل فریدی نے لا پرواہی سے ہاتھ جھاڑے اور مہر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا بھی گوارہ نہ کیا کہ بلیک زیرو کا کیا حشر ہوا۔ کیونکہ نتیجہ ظاہر تھا۔ تیسری منزل سے گرنے کے بعد ایک آدمی کا جو حشر ہوتا ہے وہ اظہر من الشمس تھا۔



یہ پٹن شکیل کو مٹی سے بنا رکھا اور ایک کھجے سے ٹیک لگا کر کسی ٹیکسی افکار کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات گردش کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ٹران کا پتہ کس طرح چلایا جائے جبکہ اس کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر واپس پہلے ہی آگئی تھی۔ کو مٹی سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ کامائی پہاڑی کی طرف جائے اور ہر کی تلاش کرے۔ لیکن کرنل فریدی کے لہجے سے اسے شک ہوا تھا کہ کرنل وہاں اس سے مطمئن نہیں ہے۔ چنانچہ یقیناً اس کا تعاقب کیا جائے گا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے بیگ ڈھونڈ نکالا۔ بیگ اس سے چھین لیا جائے گا۔ انہماک اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھ رہا تھا کہ مقابلہ کر کے نکل سکے۔ چنانچہ وہ ہزیمت اسی کشمکش میں تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اچانک ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ کیپٹن شکیل نے چوہانہ کر دیکھا تو

ٹیکسی خالی تھی۔

کہیں جانے ہے جناب؟ — ڈرائیور نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا۔

ہاں — کیپٹن ٹیکسیل نے کہا اور پھر ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

بوستان مارکیٹ چلو — کیپٹن ٹیکسیل نے ایک مشہور مارکیٹ کا پتہ بتلایا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

مقصدی دیر بعد ٹیکسی بوستان مارکیٹ کے چوک میں پہنچ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی

پارکنگ پر لگا دی۔

کیپٹن ٹیکسی خاموشی سے ٹیکسی سے اترتا۔ اس نے میٹر دیکھا اور پھر جیب سے

پیسے نکال کر ڈرائیور کو دیئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک ریسٹورنٹ کی طرف

بڑھ گیا۔ ریسٹورنٹ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟

بیرے کو اس نے چائے لانے کے لئے کہا۔ جلد ہی اس کی میز پر چائے ہر

کروٹا گئی۔ اس نے ایک پیالی تیار کی اور آہستہ آہستہ چسکیاں لے کر پینے لگا۔ جب

چائے کی پیالی ختم ہو گئی تو وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے سب سے پہلے کامائی پہاڑی کی

کی طرف جانا چاہیے کیونکہ بیگ کو تلاش کرنا بھی ضروری تھا۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا

جائے گا۔

فیصلہ کرنے کے بعد اسے اپنا ذہن کچھ ہلکا محسوس ہوا۔ اس نے چائے کا بل ادھر

اور پھر اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹیکسی سے جانا تو فضول ہے

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسے ایک دکان کے ساتھ ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی

آگن۔ انجن میں چابی لگی ہوئی تھی شاید اس کا مالک دکان میں کسی کام کے لئے گیا

تھا۔ چابی نکالنا تو وہ بھول گیا تھا یا پھر اس کا ارادہ فوری واپسی کا تھا۔

بہر حال کیپٹن ٹیکسیل نے اس نادار موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچ لیا۔ گو موٹر سائیکل

میں اس کی موجودہ صحت لئے کافی سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتا لیکن اس کے

برادر کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

وہ بڑے اطمینان سے موٹر سائیکل کے قریب آبا۔ موٹر سائیکل سلف اسٹارٹ تھی

پن بجھ کر موٹر سائیکل پر بیٹھا اور سلف سوچے دبا دیا۔ موٹر سائیکل سٹارٹ ہو گئی اس

نے بڑی سہولت سے گیسر لگایا اور پھر ایکسپریٹ چھوڑ دیا۔ موٹر سائیکل نیر کی طرح آگے بھاگتی

تھی۔

اس نے آئل میٹر چیک کیا۔ ٹینک فل تھی۔ وہ اطمینان سے موٹر سائیکل بھاگاتا گیا۔

موٹر سائیکل پر فٹ بیک مرر پر اس نے اپنے تعاقب کا اندازہ کرنا چاہا۔ اور پھر اسے

بکس پر ٹنگ پڑ گیا۔ وہ کار اسے تین چار بار نظر آتی تھی۔ گو اس نے مختلف سڑکوں

پر ٹنگ کاٹے تھے۔

اپنا شک مٹانے کے لئے اس نے موٹر سائیکل کو ایک چوک سے بائیں بانٹ کی

طرف موڑ دیا۔ پھر وہ کار بھی ادھر ہی مڑ آئی تو اسے سختے لیتین مر گیا۔ اس سے

تاقب سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ اپنا بیک ایک چھوٹی سی گلی دیکھ کر اس نے موٹر سائیکل اس میں موڑ دی۔

اکافی دور تک سیدھی چلی گئی تھی۔ وہ موٹر سائیکل بھاگتا چلا گیا۔ آگے ایک تنگ سا موڑ

تھا اس نے پھر موٹر سائیکل موڑی اور دوسرے رخ سے پورن قوت سے بریک لگانا

پہنچا کیونکہ موڑ کے فوراً بعد ہی گلی بند ہو گئی تھی۔ موٹر سائیکل چونکہ کافی رفتار سے

لگا رہی تھی اس لئے پوری قوت سے بریک لگانے کے باوجود موٹر سائیکل ایک زوردار

ٹھک سے سامنے والی دیوار سے ٹکرا گئی۔ اور کیپٹن ٹیکسیل اچھل کر ایک طرف جا گیا۔ اس

پر دیوار سے ٹکرا کر پھر ستارے تو ایک طرف رہے۔ اسے پورن کبکشاں ہی نظر

آئی تھی۔

سپر مارکیٹ آتے ہی صندریکس سے اتر گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔

سب سے بڑا مسئلہ تو اس کے سامنے عمران کو تلاش کرنے کا تھا۔ اور عمران کو تلاش کرنے کا اسے نوں ذریعہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہی اس کے ہاتھ میں ٹیلی فون تھی۔ وہ پہلے ہی اتار لی گئی تھی۔

اب وہ قطعی اندھیرے میں تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عمران کہاں ہوگا۔ ایک عجیب سی سچریشن پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا۔ یوں سڑک پر کھڑے رہنے سے شاید وہ کسی کی نظر پر نہ چڑھ جائے۔ اس لئے اس نے ادھر ادھر کی طرف تلاش کیا۔ اور پھر اسے سامنے ایک چھوٹا سا کیفے نظر آ گیا۔ وہ لمبے لمبے لوگ بیٹھا ہوا کیفے کی طرف چل پڑے۔ کیفے حانہ صاف سمقر تھا۔ اس نے ایک کونے کی میز منتخب کی اور بیٹھ کر سہارا بیٹھ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔

دوسرے لمحے ایک بیرہ اس کے سر ہو گیا۔

چائے لائے۔ صندرنے بیرے سے کہا اور بیرہ پھرتی سے واپس مڑ گیا۔ صندرنے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے یہاں بیٹھ کر ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ سجانے کیوں۔

وہ اس وقت چونکا جب بیرے کی آواز آئی۔

پائے حاضر ہے جناب!

شکریہ! — صندرنے کہا اور پھر چائے بنانے میں متغزل ہو گیا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ گرم گرم چائے کی چکیاں لے رہا تھا۔ چائے پینے کے ساتھ ساتھ ہرچ بھی رہا تھا۔ لیکن بے سود۔ کوئی ایسی ترکیب! سمجھ نہیں آ رہی تھی جس پر ٹیکر کے وہ عمران سے مل سکتا۔ اور جس تک عمران سے ملاقات نہ ہوتی۔ وہ قطعی ذمہ سے ہنس رہا تھا۔ وہ نہا کر۔ اور کیا نہ کرے۔

اس کا دل کہتا تھا کہ کوئی ایسا معجزہ ہو کہ عمران اچانک ہی یہاں ٹپک پڑے۔ اپنے طنطنہ خیال پر اسے ہنسی آگئی۔

چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے پیالی میز پر رکھی۔ اور پھر وہ چوک۔ پڑا۔ ایک نامناسب شکل نوجوان اس کی میز پر قریب کھڑا تھا۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔؟ — نوجوان نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔ ضرور ضرور! — صندرنے اسے بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اور وہ نوجوان کمرے سے ادا کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں آپ کی تنہائی میں مغل تو نہیں ہوا۔؟ — نوجوان نے مکرراتے ہوئے پوچھا۔ اہ!۔۔ بالکل نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں! — صندرنے بھی خوش روٹی سے جواب دیا۔

مجھے جاوید کہتے ہیں۔۔۔ نوجوان نے اپنا تعارف کر دیا۔

اور مجھے اسلم کہتے ہیں! — صندرنے بھی ایک فرضی نام بتلایا۔

اسی بہ لوگ تعارف سے بھی ناراض نہیں ہوئے تھے کہ بیرہ آمو جو رہا۔

پائے لاؤ! — صندرنے اسے کہا اور وہ واپس مڑ گیا۔

معاذ کیجئے اسلم صاحب! — ہسپتال سے فرار ہونے میں آپ نے بڑی ہوشیاری دکھائی ہے۔ — جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جی ہاں۔ ہسپتال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”میں تو واقعی قاتل ہو گیا ہوں آپ کی پھرتی کا۔ — اور پھر اس حالت میں ہرے جہاں میں آپ کو حرکت کرنے میں تکلیف ہوتی ہوگی۔ — جاوید بڑے پُراہنہ انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے جاوید صاحب! — سفدر نے شک کی بات کہہ کر دلیسے وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ نو جوان کرنل نسریدی کی بیک فرسٹ کارکن ہے۔

گھبراہٹ میں اسلم صاحب! — میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ جب آپ ہسپتال سے فرار ہوتے تھے اس وقت سے آپ ہمارے نظروں میں ہیں۔

آپ نے ایک ریٹائرمنٹ کے ٹرانسفر میں کرٹ اور شیٹو سکوپ چھوڑا اور پھر ٹیکسی میں آگئے۔ — اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا تو ایسا کہیں بھی کیا

جاسکتا تھا۔ — ہمیں تو بس اتنا حکم ملا ہے کہ آپ کو کرنل نسریدی کی کوٹھلی پہنچا دیں اور اسی لئے میں حاضر ہوا ہوں۔ — جاوید نے بڑے تحمل اور اعتماد

بات کی۔

مگر سفدر اس اثنا میں سوچ رہا تھا کہ کرنل نسریدی کی کوٹھلی میں پہنچنا اس کے لئے بے مدد نقصان دہ ثابت ہوگا۔ — یعنی خود ہی دشمن کی گرفت میں چلا جانا کہاں کی

عقل مندی ہے؟ دشمن چاہے کتنا ہی اعلیٰ ظرف ہو، دشمن دشمن ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی اثنا میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی صورت میں بھی ان لوگوں کے ساتھ نہیں

جائے گا۔ چنانچہ جیسے ہی جاوید نے بات ختم کی۔ سفدر نے کہا۔

”لیکن جاوید صاحب! — اگر میں نہ جانا چاہوں تو؟ —

آپ سمجھدار ہیں اسلم صاحب! — دوسری صورت میں کیا ہو سکتا ہے یہ آپ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ — جاوید نے چائے کی چمکی لیتے ہوئے قدرے طنزیہ لہجے میں

جواب دیا۔

یعنی آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ — اس بار سفدر کے لہجے میں سختی تھی۔

آپ جیسے سمجھ لیں۔ بہر حال میں نے آپ سے ایک بات کی تھی۔ — جاوید نے پُراہنہ سے جواب دیا۔

”تو پھر آپ جو چاہیں کر لیں۔ بہر حال میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ — سفدر نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ گو اس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا اور وہ کافی حد

تک کمزور بھی تھا مگر اس کے پاس مضبوط قوت ارادی تھی اور اسی قوت ارادی کی بنا پر اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ان کے ساتھ نہیں جائے گا چاہے

پوری کیوں نہ ہو جائے۔

”تو پھر خاموشی۔ — امیڈ کر ہمارے ساتھ چلیں۔ کسی قسم کی حرکت کی کوشش میں آپ کی جان کے تحفظ کے ذمہ دار نہیں رہیں گے۔ — جاوید نے بڑی پھرتی سے

جواب سے ریوالور نکال لیا۔

”بے فکر رہیں۔ آپ سے کوئی حکیم کرنے نہیں آئے گا۔ — سفدر نے کہا اور براؤنڈ کھڑا ہوا۔

”تو خاموشی سے باہر چلیے۔ — اور یہ مت بھولنا کہ میں اکیلا ہوں۔ — اس وقت ریوالوروں کا رخ آپ کی طرف ہے۔ — جاوید نے سرسرتے ہوئے لہجے میں کہا۔

ان کے اٹھتے ہی ہمیں اور آدمی بھی ساتھ والی میزوں سے امیڈ کھڑے ہوتے۔ ان کے ہاتھ ان کی کرٹ کی جیبوں میں تھے اور وہ سب کینہ توڑ نظروں سے سفدر کی طرف

بگڑ رہے تھے۔

صنذر نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے اور کہا۔

”جیسے صاحب! — مجھے اس بات کی کبھی پرواہ نہیں رہی کہ ریو الو چار میں ہزار“

”کافی بے جگر ہیں آپ — جاوید اس کی بے خوفی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔“
صنذر نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خاموشی سے گیٹ کی طرف چل پڑا۔
اس اشار میں جاوید ایک ٹرٹ پیالی کے نیچے رکھ چکا تھا اور مہر صنذر کے پیچھے چل رہا تھا۔
اور وہ تینوں آدمی بھی ان کے پیچھے چل دیتے۔

صنذر اب مکمل گیرے میں تھا لیکن اس کے چہرے پر محکرات سے قطعی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس وقت دشمن کے گیرے میں ہے بلکہ وہ یوں اطمینان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے اس کے گروہ اس کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہوں۔ گیٹ سے باہر آنے کے بعد صنذر رک گیا۔

”سامنے زور و زنگ کی کار کی طرف چلیے“ — جاوید نے سامنے کھڑی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور صنذر بغیر کوئی جواب دیتے کار کی طرف چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے کہاں دو دو ہاتھ کرے۔ یہ مارکیٹ تھی۔ یہاں اگر کوئی حرکت کرتا تو جلد ہی پکڑا جاسکتا تھا اس لئے اس نے راستہ میں کسی مناسب موقع اور جگہ کا انتخاب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جاوید اور اس کے تینوں ساتھی بڑے چرکنے اور محتاط انداز میں چل رہے تھے۔ جاوید کو سو فیصد یقینی تھا کہ صنذر کوئی حرکت ضرور کرے گا کیونکہ اس نے بڑے سے اسے چیلنج کیا تھا اس لئے وہ بے حد محتاط رہنا چاہتا تھا۔

صنذر کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا اور اس کے دونوں طرف دو آدمی بیٹھ گئے۔

نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور جاوید اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا پیچھے طرف ہی رکھا اور اس کے ہاتھ میں ریو الو پر بدستور تھا۔

دونوں سائیڈوں میں بیٹھے ہوتے آدمیوں نے بھی ریو الو اس کے پہلوؤں سے گزرتے ہوئے تھے۔ بہر حال انہوں نے ہر لحاظ سے صنذر کو بے بس کر رکھا تھا۔ صنذر پہلے ایسے کئی موقعوں سے نیرو آزما ہو چکا تھا۔ اس لئے اسے اس بات کی فکر نہیں تھی۔ وقت آنے پر سب کچھ ہو سکتا تھا۔

وہ مایا بھی جاسکتا تھا اور آسانی سے اپنی جان بھی چھوڑ سکتا تھا۔ دونوں ہی نہیں تھیں۔

بہر حال صنذر نے چونکہ الجھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ کیا صورت حال پیش آئے گی۔ وہ تو بس مناسب موقع کی انتظار میں تھا۔

یہ انداز یوں کہ طرح وہ الجھنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خطرے میں

کار چل پڑی اور بغور ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اتنا دھمکتا تھا کہ کار سیدھی کرنل فریدی کی بٹھی میں جاتے گی۔ چنانچہ جو کچھ کرنا چاہیے۔ جلد ہی کرنا چاہیے۔ لیکن کوئی مناسب

وقت نظر نہیں آ رہی تھی اور کار انتہائی تیز رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ سرکلر روڈ سے ہوتی ہوئی کار ارباب روڈ اور پھر گیمین روڈ پر چڑھ گئی۔ یہ سڑک

بہت سناں تھی۔ ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اور صنذر اچھی طرح جانتا تھا کہ

یہ روڈ کے پانچ میل کے ٹکڑے کے بعد کار کالونی روڈ سے ہوتی کرنل فریدی کی گلی پر پہنچ جائے گی اور کوٹھی پر پہنچنے کے بعد وہ بے بس ہو جائے گا۔ لہذا جو

کرنا تھا اسی پانچ میل کے ٹکڑے میں ہی کرنا تھا۔ ویسے اس نے یہ بھی محسوس کر لیا

تھانسان سڑک اتنے ہی جاوید اور اس کے تینوں ساتھی مزید محتاط ہو گئے تھے۔

وقت لمحہ بھر گزر رہا تھا۔ پرنکے نے اڑ رہا تھا۔ اور سفدر سوچ رہا تھا۔
اور صرف سوچ رہا تھا۔

عمان اور نعمانی کا کیفے سٹار لائن میں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ صرف ٹیکسی والے کو ڈاج دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ کرنل مسریدی کی بلیک فورس کا حال وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہتے تھے لیکن بیرونی راہداری میں ٹوائٹ دیکھ کر عمران کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

تم میسکے لئے ایک ریڈی میڈ سوٹ لے آؤ۔ میں اتنی دیر ٹوائٹ میں رہتا ہوں۔
نرن نے کیفے کے ٹوائٹ کے دروازے پر رکتے ہی نعمانی سے کہا۔

ٹیکس ہے۔ میں ابھی لے آتا ہوں۔ آپ کی حالت بہت خراب ہے۔
نعمانی نے سر ہلاتے ہوئے تائید کی۔ اور واپس ہو گیا۔

عمران غراب سے ٹوائٹ کے اندر گھس گیا۔ اس نے منہ ہاتھ اور سر دھویا اور پھر
انہیں اتار کر انہیں کونے میں پڑے ہوئے شو کلینگ سینڈ پر رکھے ہوئے کپڑے سے
لکڑی صاف کیا۔ کپڑے سے منہ بھی ہوتی اتار کر اس نے پیر بھی دھوئے۔ اور پھر
اس نے جرابیں بھی عین میں دھونی شروع کر دیں۔ دراصل وہ دقت گزارنا چاہتا تھا۔
نعمانی دھو کر اس نے انہیں اچھی طرح نچوڑا اور سینڈ پر ڈال دیں۔ اسی لمحے روڑ

پر مخصوص دستک ہوئی۔

عمران سمجھ گیا کہ نعمانی آیا ہے۔ اس نے دروازہ کھولا تو نعمانی ریڑھی سیڈ سوٹ
بغیر شرٹ اور ٹائی لے آیا تھا۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر لفافے لیا۔

”جبرائیل بھی لے آیا ہوں۔ پہلی تو خراب ہو گئی ہوں گی“ — نعمانی نے
مسکراتے ہوئے کہا۔

”یار اب تم اتنے عقلمند کب سے ہو گئے ہو؟“ — عمران نے تحسین آمیز لہجے
میں کہا۔ اور نعمانی صرف مسکرا دیا۔

”بیگ مجھے دے دیجئے۔ میں کیفے میں بیٹھا ہوں۔ آپ کپڑے تبدیل کر کے
آجائے گا۔“ — نعمانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ذرا احتیاط رکھنا۔“ — عمران نے بیگ نعمانی کے حوالے کرتے
ہوئے کہا۔

نعمانی نے سر ہلایا اور پھر بیگ لے کر چلا گیا۔

عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ ویسے اسے اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ اس دوران ٹرائف
کار خ کسی شخص نے نہیں کیا تھا۔

عمران نے کیمچر سے بھرے ہوئے کپڑے اتار کر اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تولیے سے جسم
کو اچھی طرح صاف کیا اور پھر نئے کپڑے پہن لئے۔ کیمچر سے بھرے ہوئے کپڑے جن پر
لگا ہوا کیمچر اب خشک ہو گیا تھا۔ اس نے اچھی طرح جھاڑے اور پھر انہیں اسی لفافے
میں ڈال دیا جس میں نعمانی سوٹ لے کر آیا تھا۔

وال مرر کے اسٹینڈ پر رکھا ہوا کنگھا اٹھا کر اس نے بال سنوارے اور ایک نفر
آپنیے پر ڈال کر وہ مطمئن ہو گیا۔ اب وہ انسانوں کے روپ میں آگیا تھا۔ گیلی جبرائیل بھی
اس نے اسی لفافے میں ڈال لیں اور پھر ٹرائف کا دروازہ کھول کر بائرنکل آیا۔ کپڑے

نیل کرے میں اسے زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگے ہوں گے۔

عمران لفافہ اٹھانے کیفے کے اندرونی گیٹ کی طرف بڑھا اور پھر چند لمحوں بعد
وہ کیفے کے بال میں تھا۔

بال تقریباً خالی ہی پڑا تھا۔ اکا دکا میزیں پڑی تھیں۔ عمران نے ادھر ادھر نظریں
دراڑیں اور پھر حیرت سے بے اختیار اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ نعمانی کہیں بھی
نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر بغور بال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی شکلیں دیکھیں لیکن نعمانی
کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

نعمانی غائب تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بیگ بھی غائب تھا جس میں نارمولا تھا۔
عمران کی سمجھ میں یہ سب نہیں آیا۔ نعمانی کہاں غائب ہو سکتا ہے؟ اب تو اس کے
داغ میں یہ شبک بھی سراپا ہوا رہا تھا کہ کپڑے لانے والا اصل نعمانی تھا یا کوئی اور۔
کیا وہ کرنل مندریدی کی بلیک فورس کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا ہے؟ یا نعمانی

کو یہاں سے زبردستی لے جایا گیا ہے؟
”تشریف رکھتے“ — ایک ویٹر نے عمران کو کرسیوں کے درمیان کھڑا دیکھ کر
مردبانہ لہجے میں کہا۔

”اوہ!“ — عمران چونک پڑا۔ دراصل وہ خیالوں میں اس طرح گم ہوا تھا کہ اسے یہ
بھی یاد نہ رہا کہ وہ کھڑا ہے۔ پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا ایک کرسی پر
بیٹھ گیا۔ دماغ اب بھی نعمانی کی طرف ہی تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

دنگرا۔ ایک آدمی اس سے لپٹ گیا۔ وہ آدس شاید دیوار کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔
بلیک بلیک زیرو سے پھرتے سے لے اچھال دیا۔ لیکن اتنے میں دو چار آدمیوں نے
رہ گھیر لیا۔ یہ ہوٹل کی سائیڈ میں چوڑی سی ایک گلی تھی۔

اور پھر وہاں ایک جان لیوا مقابلہ شروع ہو گیا۔ وہ چار تھے اور بلیک زیرو اکیلا۔
لیکن وہ بلیک زیرو کو بہتہ بھی نہ لگا سکے اور بلیک زیرو نے مار مار کر ان کا بھرتہ بنا دیا۔
میسکس نجدے وہ کس پڑی کے بنے ہوئے تھے کہ اتنی مار کھانے کے باوجود بھی وہ
زار ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اور بلیک زیرو جانتا تھا کہ اس کے لئے ہر
کو قیمت ہے۔

چنانچہ پھر وہ خطرناک دائرہ پراتر آیا۔ کھڑی بجیلی کے وار چاروں کے لئے جان لیوا ثابت
ہوئے اور چند ہی لمحوں میں روائی کا فیصلہ ہو گیا۔ اور بلیک زیرو تیزی سے گلی کے
نزدک جاگتا چلا گیا۔

کافی دور جانے کے بعد اس نے اپنی رفتار آہستہ کر دی تاکہ کسی کو شک نہ ہو پھر
اُسے دور سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا تعاقب
کیا جا رہا ہے۔ اس کے قدم اور تیز ہو گئے۔

گلی شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ختم ہونے میں ہی نہیں
آ رہی تھی۔ پھر ایک موڑ پر وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ گلی آگے سے بند تھی۔

اب پیچھے سے آنے والوں کے قدموں کی آوازیں نزدیک۔ سے نزدیک تر آتی چلی
آ رہی تھیں۔ اور آگے بند گلی بلیک زیرو کا منہ چڑھا رہی تھی۔ اور بلیک زیرو دسویں رہا تھا
بڑے پھنسے۔

آنے والے ہر لمحے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ بلیک زیرو نے بیزارمی سے
مراؤ مریکھا اور پھر اُسے سپاٹ دیواروں کے درمیان ایک چھڑا سا دائرہ نظر آ گیا۔ وہ

بلیک زیرو ہوا میں قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔ تیسری منزل سے
نیچے گرنے کا نتیجہ بھی اس سامنے تھا۔ بسکٹن پھر جیسے ہی اس کی نظریں نیچے پڑی
اس کے منہ سے اس حالت میں بھی اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔
نیچے رٹک پر شاید کسی تقریب کے لئے شامیانہ لگایا گیا تھا۔ اس نازک موقع پر قدرت
نے اس کی مدد کی تھی۔ ورنہ کرنل سمریدی نے اپنی طرف سے اس کو مارنے کی کوئی کسر
چھوڑی تھی۔

بلیک زیرو قلابازیاں کھاتا ہوا سیدھا شامیانے کے عین درمیان میں گرا۔ شامیانے
کے ایک سائیڈ کے بالٹس اکھڑ گئے اور شامیانہ بلیک زیرو کو لیتا ہوا زمین پر آ رہا۔ اور
بلیک زیرو کو ایک خراش تک نہ آئی۔

نیچے گرتے ہی بلیک زیرو تیزی سے اچھلا اور ایک طرف بھاگنے لگا۔ شامیانے کے
نیچے شاید کوئی بھی نہیں تھا۔ تقریب کے لئے ابھی صرف شامیانہ ہی لگایا گیا تھا۔
بلیک زیرو تیزی سے بھاگتا ہوا کپاؤنڈ ڈال کے قریب پہنچا اور پھر دس
لمحے وہ اچھل کر دیوار پچاند چکا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کرنل سمریدی ضرور اوپر سے
اسے دیکھ رہا ہو گا یا وہ خود ہی نیچے پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اس کے آنے سے
پہلے ہی وہ ہوٹل سے نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن بلیک زیرو جیسے ہی کوہ دیوار کی دوسری

تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا۔ اچانک دروازہ کھلا اور اس نے اسے برائے غرت تے باہر جھانکا۔ اسی لمحے بلیک زیرو نے عورت کو زوردار دھکا دیا اور اندر گھس چلا گیا۔ اور پھر ایک جھگڑے سے اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی بند کر دی۔ عورت کی نظروں میں شدید حیرت تھی۔ بسکین نے جانے کیوں اس نے منہ سے کوئی آواز نہیں نکالی۔

اسی لمحے اسی شخص نے اس شخص سے فیروز کے نام سے پکارا گیا تھا۔ جیب سے بھری نردوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس شخص کو سمجھ سکی ہو۔

یہ ایک خاصا بڑا مکان تھا اور شاید اس عورت کے علاوہ اور کوئی آدمی اس مکان میں موجود نہیں تھا۔ وہ نہ وہ بھی اب تک ظاہر ہو جاتا۔

اس سے پہلے کہ بلیک زیرو عورت کو کوئی تنبیہ کرتا۔ یا۔۔۔ اسے سمجھاتا۔۔۔ پر زور شور سے دستک دی جانے لگی۔ عورت نے بلیک کے لئے مسکراتے ہوئے بینے کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک سائنڈ والی کو مٹھری کی طرف اشارہ کر دیا۔

بلیک زیرو بلیک کی سی تیزی سے اس کو مٹھری کی طرف بڑھ گیا۔ اور پھر جب وہ نے اندر گھس کر دروازہ بند کیا۔ عورت نے ہاتھ بڑھا کر چٹخنی کھول دی۔ دروازہ ایک سے کھلا اور پھر چار آدمی اندر گھس آئے۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟ آپ لوگ کیوں اندر گھس آتے ہیں۔؟" عورت نے خوفزدگی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں کوئی آدمی تو نہیں آیا۔۔۔؟ ان میں سے ایک نے متجسس لگا ہوں۔"

دروہکتے ہوئے کہا۔

نہ جے ہو۔۔۔ دروازہ بند نظر نہیں آ رہا۔۔۔ اور پھر یہاں کس نے آنا ہے۔؟

یہاں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں۔ تم لوگ باہر نکلو دروازے میں شور مچاتی ہوں۔۔۔ نے ایک ہی سانس میں سب باتیں کہہ کر دھمکی جی دیدی۔

فیروز!۔۔۔ تم اس عورت کو سنجالو۔۔۔ میں مکان کی تلاشی لیتا ہوں۔ یہاں ہمارے وہ اور کہاں غائب ہو سکتا ہے۔۔۔ سوال کرنے والے نے اپنے ایک ساتھی سے کہا اور اسی لمحے اس شخص نے جسے فیروز کے نام سے پکارا گیا تھا۔ جیب سے نکال کر اس کا رخ عورت کی طرف کر دیا۔

خبردار!۔۔۔ اگر آواز نکالی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔۔۔ فیروز نے عورت کو دیتے ہوئے کہا اور عورت نے بے بسی سے دانت بچھ لے لئے۔

تم جائزہ تو لے لو۔۔۔ اس شخص نے جس نے فیروز کو حکم دیا تھا، باقی دو کو کہا اور ان کے مکان کے اندر چلے گئے۔ وہ خود بھی تجسس بھری نگاہوں سے ادھر ادھر گردہ بامتا۔

عورت خاموش کھڑی تھی۔ اس کو مٹھری میں کیا ہے۔۔۔؟ اس شخص نے جو شائد ان کا لیڈر تھا۔ بلیک زیرو کی مٹھری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

تم خود جا کر دیکھ لو۔۔۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔۔۔؟ عورت نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ اور لیڈر شانے جھکا کر خاموش ہو گیا۔ واقعی وہ عورت زبردست قوت ارادی کی مالک تھی۔ درندہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو وہ اس سوال سے لازمی گھبرا جاتی۔

تہا انام کیا ہے۔۔۔؟ لیڈر نے سوال کیا۔

تمہیں اس سے کیا مطلب؟ — عورت کا لہجہ بے حد سخت تھا۔
 "نشت آپ! — جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو" — لیڈر کوٹنا۔
 کے لہجہ پر غصہ آگیا تھا

"روزنی" — عورت نے نام بتلایا۔

"تمہارا شوہر کیا کام کرتا ہے؟" — لیڈر شانہ وقت گزار رہا تھا۔

"زخمی اور بیمار ہے" — روزنی نے جواب دیا۔

"بہتر ہے" — لیڈر خاموش رہ گیا۔

اتنے میں تلاشی لینے والے دونوں آدمی واپس آگئے۔

"وہاں ایک آدمی کمرے میں موجود ہے۔ اس کے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔"
 اندیشہ سے ایک نے کہا۔

"کیا وہ سارا مظلوم آدمی ہے؟" — لیڈر نے سوال کیا۔

"نہیں۔" — اور کوئی ہے؟ — آدمی نے جواب دیا۔

"اس کو مٹھڑی میں رکھ دو" — لیڈر نے کو مٹھڑی کی طرف اشارہ کیا اور پھر
 دونوں آدمی اس کو مٹھڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"وہ کہیں اور نکل گیا ہوگا" — فیروز نے بات کی۔

"اور کہاں جاسکتا ہے؟ — پیچھے ہم جتنے آگے نکلے ہوتے ہیں۔ اور چاروں طرف
 صرف اس گھر کے دروازے کی سپاٹ دیواریں" — لیڈر نے قدمے تعجب آمیز لہجے
 میں کہا۔

"باتیں سائیڈ والی دیوار قدرے نیچی ہے۔ سو سکتا ہے وہ وہاں سے کود گیا۔"
 فیروز نے جواب دیا۔

"ہاں! — یہ بھی مر سکتا ہے" — لیڈر نے الجھن آمیز لہجے میں جواب دیا۔

اتنے میں وہ دونوں آدمی کو مٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھنے لگے ایک نظر ڈال کر
 نے دروازہ بند کر دیا۔

کو مٹھڑی تو مہو سے سے بھری ہوئی ہے — ایک آدمی نے کہا۔

بہتر ہے۔ لیڈر نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

اچھا چلو۔ اس نے کہا اور پھر باری باری سب دروازے سے باہر نکلتے
 گئے۔

عورت نے ان کے جانے کے بعد دروازے میں کنڈی لگائی اور پھر وہ تیز قدم
 بولی ہوئی اس کو مٹھڑی کی طرف بڑھ گئی جس میں بلیک زیرو چھپا ہوا تھا۔

باہر نکل آؤ۔ وہ لوگ جا چکے ہیں — عورت نے کو مٹھڑی کا دروازہ کھول
 دروازہ لگائی۔

بلیک زیرو مہو سے کے ڈھیر سے باہر نکل آیا۔ اس کے تمام جسم پر مہو سے کے تنکے
 پڑے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں جھاڑ کر صاف کیا۔

"تم نے آج میری مدد کر کے مجھ پر احسان کیا ہے؟" — بلیک زیرو کا لہجہ
 بہت سے پڑھا تھا۔

"آؤ اندر چل کر بیٹھو۔ اور پھر مجھے اپنے متعلق تفصیل سے بتاؤ" — روزنی
 اسے اندر مکان کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

بلیک زیرو خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مکان کے برآمدے میں پہنچ گئے اور پھر وہ
 برآمدے میں داخل ہو گئے اور پھر دوسرے لمحے بلیک زیرو ٹھٹھک کر رک گیا۔ کیونکہ

انہیں ایک کرسی پر کیٹن شکیل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے تمام جسم پر پٹیاں بندھی
 تھیں۔ اور سچوٹیشن ہی ایسی ہو گئی تھی۔ کیٹن شکیل اس طرح اچانک بلیک زیرو

کے سامنے آیا تھا کہ اس کے منہ سے نکلتے نکلتے رہ گیا کہ کیپٹن شکیل
کیپٹن شکیل کی نظروں سے ظاہر ہونے والی اجنبیت سے وہ سنبھل گیا۔
”آیتے آیتے! — آپ ٹھنک کیوں گئے — یہ میسر شوہر ہیں
روزی نے اسے یوں ٹھکے دیکھ کر کہا۔

”فیروز صاحب! — آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی — آپ کی پرگنہ
میری بے حد مدد کی ہے۔“ بلیک زیرو نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔
”شکریہ! — کیپٹن شکیل نے مختصر سا جواب دیا۔

”ہاں! — اب آپ تفصیل بتائیے تاکہ میسر ذہن میں پیدا ہونے والی
دور ہو سکے۔“ روزی نے بلیک زیرو کے بیٹھتے ہی کہا۔
”بات یہ ہے کہ یہ لوگ میسر دشمن تھے اور مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔
اچانک انہوں نے مجھے سڑک پر گھیر لیا تو میں اپنی جان بچانے کے لئے اس گڑ
گھس آیا۔ گلی آگے بند رکھ کر میرے ہوش اڑ گئے — اس کے بعد جو
ہوا وہ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔“ بلیک زیرو نے مختصر الفاظ میں یہ
کہانی سنادی۔

”آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔“ کیپٹن شکیل نے کہا۔
”مجھے جاوید کہتے ہیں۔“ بلیک زیرو نے اپنا فرضی نام بتلایا۔
اب اس کے لئے الجھن یہ تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنا تعلق ظاہر کرنا
چاہتا تھا۔ ورنہ کیپٹن شکیل ٹھنک جاتا۔ اور وہ بھی چاہ رہا تھا کہ اس سے تفصیل
مجھے معلوم کرے لیکن کوئی سورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک عجیب سی سچو
پیدا ہو گئی تھی۔

”آپ زخمی کیسے ہوئے مسٹر فیروز؟“ بلیک زیرو نے سوال کیا۔

”میرا ایک پیڈنٹ ہو گیا تھا۔“ کیپٹن شکیل نے مختصر سا جواب دیا۔
”ادہ! — بلیک زیرو یہی کہہ کر رہ گیا۔

”آپ کے ہاں ٹیلی فون ہے؟“ بلیک زیرو نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔
”جی ہاں! — روزی نے جواب دیا۔

”کیا نمبر ہے؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔
”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ کیپٹن شکیل نے چونک کر پوچھا۔
”اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو مت بتلایے۔“ بلیک زیرو نے لاپرواہی
سے جواب دیا۔

”ون، فور، ناٹن، سکس۔“ روزی نے جھٹ سے بتلادیا اور کیپٹن شکیل منہ
پکڑ رہ گیا۔

”اچھا مسٹر روزی اور مسٹر فیروز! — آپ لوگوں کی بہمدی کا بے حد شکریہ! —
مجھے اجازت دیجئے۔“ بلیک زیرو نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
کیپٹن شکیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

بلیک زیرو نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے کیپٹن شکیل نے جیب سے
ایک ریولور نکال لیا۔

”ہینڈز آپ! — اگر تم نے فدا سی بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔“ کیپٹن شکیل
نے لہجے میں چٹان کی سی سختی پیدا ہو گئی تھی۔
”یکایا کر رہے ہو فیروز؟“ روزی بوکھلا گئی۔

”تم خاموش رہو۔“ کیپٹن شکیل نے اسے بھی ڈانٹ دیا۔
بلیک زیرو نے خاموشی سے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔
”آج کیپٹن شکیل ایکسٹو کو ہینڈز آپ کرائے کھڑا ہے۔“ ایکسٹو — جس کی

آواز سنکر ہی ان کے دم نکل جاتے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل جاتے کہ میں ہوں تو پھر۔۔۔ بلیک زیرو دل ہی دل میں سچو تیش سے لطف اندوز ہوں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں مسٹر فیروز؟۔۔۔ بلیک زیرو نے ہنسنا شروع کیا۔

”تم جو سچ بات ہے وہ بتاؤ۔ تمہاری کہانی بالکل ہی طفلانہ ہے۔“ کیپٹن نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”میں نے جو بتلایا ہے وہ حقیقت ہے۔“ بلیک زیرو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”میں یقین نہیں کر سکتا۔ اور میں ایسی پوزیشن میں نہیں کہ رسک لے سکوں اس لئے تمہاری موت ناگزیر ہے۔ تمہیں مرنے ہی پڑے گا۔“ کیپٹن ٹھیکر سے سرد لہجے میں کہا اور اس کی انگلی ٹریگر پر مضبوط ہو گئی۔

بلیک زیرو نے محسوس کیا کہ کیپٹن شکیل جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل بھی کر دے گا اور وہ کیپٹن شکیل سے لڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ زخمی تھا۔ اس لئے اب اسے اپنا آپ ظاہر کرنا ہی پڑے گا اور ویسے بھی وہ اس سے تمام حالات سننا ہی چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ ایکسٹرنل لہجے میں بول پڑا۔

”کیپٹن شکیل!۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

اور اس کا رد عمل انتہائی عجیب ہوا۔ کیپٹن شکیل آواز سنتے ہی اس بُری طرح ہونکا۔ جیسے اس کے سر پر بم پھٹ پڑا ہو۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اور وہ جھٹی جھٹی نگاہوں سے بلیک زیرو کو دیکھ رہا تھا۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے ہاتھ نیچے کر لئے۔

”کیپٹن شکیل!۔۔۔ اطمینان سے بیٹھو اور میری بات سنو۔“ بلیک زیرو نے

جہ میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ اور کیپٹن شکیل چونک پڑا۔ اس کی آنکھوں پر ہمارت جھلک رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس نے ایکسٹرنل ریوالور اٹھایا ہے۔

روز کیپٹن شکیل کی اس تبدیلی پر حیرت زدہ رہ گئی تھی کہ نو وارڈ کی آواز بدلتے ہوئے اس کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا تھا اور پھر وہ فیروز کا نام کیپٹن شکیل سن کر مزید حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

اب وہ دونوں دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ آپ بھی تشریف رکھیے مسٹر فیروز۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے روزی

کہا اور اس بار کیپٹن شکیل جھینپ گیا۔ (لوگو!)۔۔۔ میں شرمندہ ہوں جناب!۔۔۔ سخت شرمندہ۔ کیپٹن شکیل نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں شکیل!۔۔۔ پوزیشن ہی ایسی تھی۔“ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہارا نام شکیل ہے۔ اور تم کیپٹن ہو۔“ لیکن تم نے تو مجھ فیروز بتلایا تھا۔“ روزی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ اسے شاید اس بات پر فخر آگیا تھا کہ کیپٹن شکیل نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔

”یہ ضروری تھا روزی!۔۔۔ میں مجبور تھا۔“ میں معذرت چاہتا ہوں۔“ کیپٹن شکیل نے اس کی طرف دیکھا۔ سنا نے کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں کیا بات تھی کہ روزی پگھل گئی اور اس کا تمام غصہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

”مس صاحبہ!۔۔۔ آپ ذرا دوسرے میں تشریف لے جائیں۔ ہم نے آپ کی ضروری بات کر لی ہے۔“ بلیک زیرو نے روزی سے کہا اور روزی نے

ایک لمحے کے لئے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا اور پھر اسٹڈ کر کرے سے باہر ہوا۔
 "یہ عورت قابل اعتبار ہے۔" — بلیک زیرو نے پوچھا۔

"جی ہاں! — میسر خیال میں تو قابل اعتبار ہے۔" — کیپٹن شکیل نے بڑے دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے تمہارے اندازے پر اعتماد ہے۔ اب تم مجھے تمام تفصیل سے بتلاؤ۔" — بلیک زیرو نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "آپ کو قطعی علم نہیں ہے؟" — کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! — اس کیس کا انچارج میں نے عمران کو بنا کر بھیجا تھا۔ کانڈر سے عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی اور نہ ہی ٹرانسپیر ربات ہو سکی تو یہاں آگیا۔ اس لئے مجھے حالات کا علم نہیں ہے۔" — بلیک زیرو نے پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

چنانچہ کیپٹن شکیل نے سچے تمام حالات جو اس کے علم میں تھے پوری تفصیل سے بتلا دیتے۔

بلیک زیرو خاموشی سے سنتا رہا۔ جب کیپٹن شکیل اس جگہ پہنچا جہاں کرنل فریدی نے اسے بتلایا تھا کہ عمران مرچکا ہے۔ تو بلیک زیرو چونک پڑا۔
 "کیا کہا۔" — عمران دلدل میں چھن کر مرچکا ہے۔" — بلیک زیرو نے چونکے ہوئے پوچھا۔

"کرنل فریدی نے تو یہی بتلایا تھا۔ لیکن مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

بلیک زیرو خاموش رہا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کیپٹن شکیل نے اپنے نقاب اور اس نگلی میں دیوار سے ٹکرا کر گرنے کا بتلایا کہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد

بوش نہیں رہا۔ پھر جب بوش آیا تو میں یہاں ایک کمرے میں تھا اور روزی انپارڈی کر رہی تھی۔ بوش آئے پر اس نے مجھ سے تفصیل پوچھی تو میں نے اسے انٹرنٹ سنٹ کہا کی سنا دی۔ اس نے یقین کر لیا۔

مجھے یہاں آتے ہوئے دوسرا دن ہے۔ روزی نے مجھے بتلایا کہ دھماکے کی آواز یہ کہ وہ باہر نکلی تو اس نے مجھے بیہوش پایا۔ وہ مجھے گھسیٹ کر اور کچھ اسٹاکر لے آئی۔ پھر اس نے موٹر سائیکل بھی سیدھی کی اور اسے بھی گھسیٹ کر اندر لے کرے میں چھپا دیا۔" — روزی جاسوسی نادل پڑھنے کی بے مدشوقین ہے

اب میں تک میرا اندازہ ہے یہ بے حد ذہین لڑکی ہے۔ بہر حال میرا تعاقب ان دنوں کے شائد مجھے گلی میں مڑتا نہیں دیکھ سکے تھے اس لئے وہ ادھر نہیں آتے۔
 نہیں آنے کے بعد آج میں جانے کی تیاری کر رہی رہا تھا کہ آپ آپہنچے اور روزی مجھے اپنا شوہر کہہ کر ان کا شک دور کر دیا۔

یہ روزی کیا کرتی ہے؟ اور یہاں اکیلی کیسے رہتی ہے؟ — بلیک زیرو نے سوال کیا۔

یہ معاشرے کے باغیوں لٹی ہوئی لڑکی ہے۔ بچپن ہی میں ماں باپ مر گئے۔ انڈول کے در پر ملتی رہی۔ لڑکی مضبوط کردار کی محسوس ہوتی ہے اس لئے دوستوں پر نہ بڑی اور اب کسی فرم میں ملازمت کرتی۔ ہے اور اس مکان میں اکیلی رہتی ہے۔ کیپٹن شکیل نے بتلایا۔

یہ اس نے تمہیں بتلایا ہے؟ — بلیک زیرو نے پوچھا۔
 "جی ہاں! — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

ہو نہ ہو! — اب سب سے پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ عمران کی تلاش — تب ہی زیرو کا ردوائی کی جا سکتی ہے۔ — بلیک زیرو دہرایا۔

جی ہاں۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

بلیک زیرو خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں تک کمرے میں خاموشی طاری رہی۔

بلیک زیرو اسٹکھڑا ہوا۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔ میں تم سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر دوں گا۔“
نے باکر اپنا میک آپ بھی تبدیل کرنا ہے۔“ بلیک زیرو نے جان بوجھ کر بیک
کی بات چھیڑ دی۔

”آپ میک آپ میں ہیں۔“ کیپٹن شکیل نے چونکتے ہوئے بے اختیار
پوچھا۔

”کیوں بچوں والی باتیں کر رہے ہو کیپٹن!۔“ بغیر میک آپ کے میں تمہاری
اسکتا تھا۔“ بلیک زیرو نے سخت لہجے میں کہا۔
”اوہ!۔“ ساری سر!۔“ کیپٹن شکیل نے سر جھکا لیا۔

پھر بلیک زیرو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ صحن میں اس
روزی ملی جو کرسی پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔
”اچھا مس روزی!۔“ میں چلتا ہوں۔“ آپ کا بے حد شکریہ!۔“ بلیک
نے رسماً اس سے کہا۔

”خدا حافظ!۔“ روزی نے کھڑے ہو کر اخلا تا جواب دیا اور بلیک زیرو سرد
ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

گلی سسنان پڑی تھی۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر باز
کی طرف چل پڑا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ لوگ نگرانی نہ کر رہے ہوں۔ لیکن یہ
کوئی آدمی اسے نہ ملا جس پر اسے شک ہوتا۔

بلیک زیرو بازار میں پہنچ گیا۔ اب وہ اپنے ہوٹل تو نہیں جاسکتا تھا کیونکہ وہ

بازاری کے آدمی گھات لگاتے بیٹھے ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ایک اور ہوٹل کا
پتہ پتہ بالکل متوسط طبقے کا ہوٹل نظر آ رہا تھا۔

ہوٹل کا نام لکی ویو تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ پھر پہلی نظر ڈالتے ہی اس
میں رہنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ یہاں زیادہ تعداد غنڈوں کی نظر آ رہی تھی اور ایسے

غنڈوں پر شک کم ہی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔
ایک کمرہ چاہیے۔“ اس نے کاؤنٹر میں کونڈوں جیسے لہجہ میں کہا کیونکہ

بہت سی طرح جانتا تھا کہ ایسے آدمیوں کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے۔
”نہیں ہے۔“ کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے ہماری بھر کم آدمی نے سخت لہجے میں

”میں کب رہا ہوں۔“ مجھے کمرہ چاہیے۔“ بلیک زیرو کاؤنٹر پر ہاتھ رکھ کر
نال آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سانپ کی طرح چھنکارا۔

”تم بات ہو یا نہیں۔“ ایک بار کبہ ویا ہے کہ ہمارے پاس کوئی کمرہ نہیں
ہے۔“ کاؤنٹر میں کونڈہ آگیا۔

لیکن دوسرے لمحے کاؤنٹر میں پلٹ کر کرسی پر جاگرا۔ بلیک زیرو کے حقیر کی آواز
سے سارا بال گونج اٹھا تھا۔ کچھ اتنی قوت سے بلیک زیرو نے حقیر مارا تھا کہ پانچ انگلیوں

کے نشان کاؤنٹر میں کی گال پر ثبت ہو چکے تھے۔
بال میں بیٹھے ہوئے لوگ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، ان کی آنکھوں میں خوف نمایاں

تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے راجہ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔
راجہ کی مقامی غنڈوں میں اتنی دہشت تھی کہ کوئی اس کے سامنے اونچی آواز

ہیں بولنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ کجا کہ کوئی اجنبی جو شکل و صورت سے انتہائی شریف
مرد ہوتا تھا۔ اسے یوں بھری محفل میں حقیر مار دے۔

راجہ ایک دفعہ گر کر بجلی کی طرح ترپا۔ اس بار وہ کاؤنٹر سے باہر کھڑا تھا۔
ادھر بلیک زیرو بڑے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ مقبوضہ اس نے نہ
یہ حرکت کسی اور نے کی ہو۔

دوسرے لمحے راجہ نے بلیک زیرو پر چھلانگ لگا دی۔ مگر بلیک زیرو تیزی سے
ایک طرف ہٹ گیا اور راجہ اپنے ہی زور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کا وار خالی پانچ
اور پھر سوئے پر سہاگہ یہ کہ بلیک زیرو نے بڑی پھرتی سے اس کی پشت پر پوری ٹوٹ
سے لات مار دی۔ وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اگر وہ دیوار پر ہاتھ رکھ کر اپنے
آپ کو نہ روکتا تو یقیناً اس کا مغز دیوار کے ساتھ چسپاں ہونے کی طرح ٹک رہا ہوتا۔
تیزی سے مڑا اور ایک بار پھر مقابل تھا۔

راجہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چاقو
جس کا پھل چمک رہا تھا۔

بلیک زیرو بھی سنبھل گیا۔ پھر راجہ نے انتہائی پھرتی سے لیکن بڑی مہارت سے
وار کیا مگر بلیک زیرو نے اس سے بھی زیادہ پھرتی دکھائی اور راجہ کا چاقو والا ہاتھ اب
بلیک زیرو کے ہاتھ میں تھا اور پھر راجہ ایک جھٹکے سے دوسری طرف جاگرا۔ چاقو اس کے
ہاتھ سے گر چکا تھا۔

اب راجہ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ مد مقابل کوئی شریف آدمی نہیں بلکہ لڑائی کے
فن کا ماہر ہے۔ ویسے بھی یہ لڑائی مفت کی تھی۔ اس لڑائی کا کوئی مقصد وغیرہ
نہ تھا۔

”کمرہ سے رے ہو پھر۔“ جیسے ہی راجہ سیدھا ہوا، بلیک زیرو نے بڑے
زور سے پوچھا۔

”میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“ راجہ غصے سے پھینکا۔

”سوچ لو!۔ بہر حال میں نے کمرہ لینا ہے۔ کراہی پیشگی۔“ بلیک زیرو بالکل
مٹھن لہجے میں بولا۔

راجہ ایک لمحے کے لئے ٹک گیا۔ سارا بال بڑی دلچسپی اور حیرت سے یہ مقابلہ دیکھ
جاتا۔ بہت سے لوگ بلیک زیرو کی بہت اور فن کی دل ہی دل میں داد بھی دے
رہے تھے جس نے راجہ جیسے غنڈے کو نیچا کر کے رکھ دیا تھا۔

بلیک زیرو سمجھا کہ اب راجہ کو عقل آچکی ہے لیکن ایسا سمجھنا اس کی غلطی تھی۔
راجہ اب اندھا دھند حملے کی بجائے مٹھن سے دماغ سے لڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے
اس طرح ڈاج دیا اور بلیک زیرو ڈاج کھا گیا۔

اچانک راجہ برق کی طرح ترپا اور دوسرے لمحے اس کی فلائنگ گگ بلیک زیرو
کے سینے پر پڑی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں جتنی پھرتی دکھائی
تھی۔ سارا بال عیش عیش کراٹھا اور دوسرے لمحے راجہ جو ابھی ابھی اٹھ کر کھڑا ہوا تھا
پہنے پر ایک زوردار فلائنگ گگ کھا کر دوبارہ الٹ گیا۔ بلیک زیرو نے دوسرے ہاتھ
نہ لے لیا تھا۔ پھر جو بلیک زیرو نے تار توڑ بوت کی مٹھو کریں راجہ کے منہ پر مارنا
نزع کیں تو راجہ چپس بول گیا۔

اسی لمحے بلیک زیرو کو اپنی پشت پر ایک ٹکی سی چمک کا احساس ہوا اور وہ
ٹکی طرح اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ اور اگر اسے ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی تو
باز اس کی پشت میں تیر جاتا۔ پھر چاقو والا اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر جھپٹ پڑا۔
پھر وہاں ایک خوفناک لڑائی شروع ہو گئی۔

اب بلیک زیرو کے مقابلے میں چار آدمی تھے۔ چاروں کے ہاتھوں میں چاقو تھے
بلیک زیرو ان کے سامنے کھڑا بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کے خیال میں
انہیں تھا کہ جھگڑا اتنا بڑھ جائے گا۔ اور شاید زندگی میں پہلی بار وہ بغیر مقصد کے

لڑ رہا تھا۔

چاروں آدمیوں کا گھیرا بلیک زبرد کے گرد تنگ ہونے لگا۔ اور تنگ۔ اور
پھر اچانک بجلی سی کوند گئی اور ہال میں موجود دیگر لوگوں نے خوف سے آنکھیں بند
کر لیں۔

انہیں بلیک زبرد کی موت کا مکمل یقین ہو گیا۔ قطعی یقین۔



اچانک صدف کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور ان لوگوں سے بچنے
کی ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے فوری طور پر اس پر عمل بھی کر دیا۔ کیونکہ
وہ چاروں بے حد محتاط اور چوکنے تھے اس لئے ان کے اعصاب قدرتی طور پر تنے ہوئے
تھے اور اسی نفسیات سے صدف نے فائدہ اٹھایا۔ اچانک اس نے زور سے چلا کر کہا۔
”روکو۔ کار روکو۔“

اور ڈرائیور نے غیر شعوری طور پر اس بڑی طرح بریک لگائے کہ کار ایک زبردست
جھٹکے کے بعد رگ گئی۔ اس جھٹکے نے سب کی پوزیشن کو گڑبڑ کر دیا۔ وہ دونوں آدمی
جو صدف کی دونوں سائیڈوں پر بیٹھے تھے اچھل کر درمیان میں آئے اور صدف تیر کی طرح
اچھل کر جاوید پر جا پڑا۔ ان دونوں کے جو صدف کی جگہ پر آ پڑے تھے، اس بڑی طرح
سے سر ٹکرائے کہ دونوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

اور جاوید صدف کے نیچے دب گیا۔ پھر گرتے ہوئے صدف کا ہاتھ ڈرائیور کی گردن
پر پڑا اور وہ جھٹکا کھا کر سٹیئرنگ پر ہی اوندھا ہو گیا۔

صدف تو چونکہ پہلے سے ہی اس جھٹکے کے لئے ہوشیار تھا اس لئے اس کا دماغ
بے جھجکا حاضر رہا۔ دوسرے لمحے اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور پھر جاوید کو لیتا ہوا
ارے سے باہر آگرا۔

جاوید کا سر جھکا گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے اور
بے ہو گیا ہے؟ چنانچہ کار سے باہر گرتے ہی صدف نے ایک ہی کھڑی ہتھیلی کا
راستے ہوتے جاوید کی گردن پر اس زبرد سے کیا کہ ایک کھٹاک کی آواز آئی اور
جاوید کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور وہ زمین پر لڑھک گیا۔

اسی لمحے جاوید کے باقی تینوں ساتھی غیر ارادی طور پر کار کے دروازے کھول
رہے تھے۔ ان دونوں کے جو صدف کی سائیڈوں میں بیٹھے تھے، ریوالتور کار کے
بہرے گرتے تھے۔

صدف نے اچانک جھٹکا لگائی اور اب وہ انجن کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ ڈرائیور
بہرے گرتے ہوئے صدف کی زبرد وار لٹنگ لگ گئی اس بڑی طرح اس کے
پیر پڑی تھی اور وہ الٹ کر دوڑ جا رہا تھا۔ صدف نے پھر قی سے دروازہ کھولا اور دوسرے
ان اس کے ہاتھ میں جاوید کا ریوالتور تھا۔

وہ دونوں بھی اب سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے بھی کار کے دروازے سے اندر گھسنے
کی کوشش کی مگر صدف فائر کر چکا تھا۔ اس کے ریوالتور سے دو شعلے نکلے اور وہ دونوں
پہلے جینوں سے پشت کے بل سڑک پر جا گرے۔

صدف نے کار اسٹارٹ کی۔ اسی لمحے ڈرائیور اٹھ کر اس کی طرف بھاگا کہ صدف
بہرے گئی اس پر چلا دی اور وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔

صفدر نے گیسر دلا اور پھر کلچ چھوڑ کر ایکسیلٹر پوری قوت سے دبا دیا۔ ایک زوردار جھٹکے سے کار تیر کی طرح آگے بڑھ گئی۔

اب صفدر آزاد تھا۔ اس کی ڈبانت اور بروقت ترکیب نے اسے کامیابی دلائی تھی۔ گو اس نے سو فیصد رسک اٹھایا تھا لیکن وہ کامیاب رہا تھا۔ اس کی یہ ترکیب انتہائی نفسیاتی اور سچویشن کے لحاظ سے صحیح تھی۔ وہ کار لینا ہوا سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔

کالونی روڈ سے ہوتا ہوا صفدر دوبارہ سرکلر روڈ پر آیا اور پھر وہاں سے اس نے سپر مارکیٹ کا رخ کیا۔ ابھی سپر مارکیٹ کافی دور تھی کہ اچانک اس کی نظریں پاس سے گزرنے والی ایک کار پڑی۔ اس نے نعمانی کو دیکھا کہ وہ کار کے اندر بیٹھا ہوا اور اس کے ارد گرد دو آدمی بالکل اسی طرح بیٹھے تھے جیسے اس سے پہلے صفدر کے گرد بیٹھے تھے۔

صفدر سمجھ گیا کہ نعمانی کو زبردستی لے جایا جا رہا ہے۔ نعمانی گو میک آپ میں تھا لیکن صفدر ایک ہی نظریں اسے پہچان چکا تھا۔ نعمانی ابھی تک اسی فنڈیوں والے میک آپ میں تھا۔

صفدر نے اس تیزی سے اپنی کار موڑی کہ ٹائروں کی چیخیں نکل گئیں اور ادھر آنے والی کاروں کو زوردار بریکیں لگانی پڑیں ورنہ سبھانے کتنے ایکسیڈنٹ ہو جاتے مگر صفدر نے قطعی پرواہ نہ کی۔ وہ نعمانی کو ہاتھ سے گنوا نا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہر گز ریوالور گود میں رکھا اور پھر نعمانی والی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی کار سرحد روڈ پر چڑھ گئی۔

اب صفدر سمجھ گیا کہ نعمانی کو فریدی کی کوشش میں لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کار کی رفتار قد سے تیز کر دی اور پھر وہ دوسری کاروں کو کراس کرتا ہوا

برکے بالکل پیچھے آ گیا۔

اسی لمحے اس نے ایک ہاتھ سے سٹیرنگ تھاما اور دوسرے ہاتھ سے ریوالور مقام ترک کی سے باہر ہاتھ نکالا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ ایک دھماکہ تو نائر

نعمانی والی کار ایک لمحے کے لئے ڈالواں ڈول ہوئی لیکن ڈرائیور ہوشیار نکلا۔ اس نے گاڑی سنبھالی اور پھر ایک سائیڈ میں کار روک لی۔ اس سڑک پر ٹریفک تقریباً

صفدر نے فائر کرنے کے بعد کار نہیں روکی بلکہ اسے آگے نکالتا چلا گیا۔ جب اس کار کے قریب سے گزرا تو اس وقت ڈرائیور دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ اندر وہ ٹائر برسٹ ہونے کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

صفدر نے اچانک کار کو زوردار بریک لگائی اور پھر اسے بیک کر کے پلٹ کر آیا۔ ڈرائیور اسے کار بیک کرتے دیکھ کر رک گیا۔ کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟ — صفدر نے گردن کھڑکی سے باہر

نعمانی صفدر کو اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بڑی طرح چونکا۔ لیکن سب لوگ چونکہ صفدر کی طرف متوجہ تھے اس لئے وہ نعمانی کو چونکتے ہوئے

شکر یہ جناب! — ہمارا ٹائر برسٹ ہو گیا ہے۔ ہم ابھی تبدیل کر لیں گے۔

صفدر نے لا پرواہی سے کندھے جھٹکے لیکن دوسرے لمحے اس نے کار چلانے کی

”میرے خیال میں آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔ آپ تکلف کر رہے ہیں۔“
نے کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ مگر دوسرے لمحے وہ ٹھٹھک گیا کیونکہ ڈرائیور
نے پھرتی سے ریوالور نکال لیا تھا۔
”آپ چلے جائیں۔ ہمارے معاملے میں دخل مت دیں۔“ ڈرائیور نے سرد
لاہجہ میں کہا۔

”ادھ! — تو کوئی خطرناک معاملہ ہے۔ بہت بہتر — میں چلا جاتا ہوں۔“
جیسے مجھلا کیا تکلیف ہوئی ہے۔“ صفدر نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر مڑ کر اپنی
کار کا دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھ گیا۔
صفدر نے کار سٹارٹ کی۔ اسی لمحے ڈرائیور نے مطمئن ہو کر ریوالور دوبارہ اپنی
جیب میں رکھ لیا۔

کار مقصودی سی بیک ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے وہ الٹ کر نیچے آگرا۔ گولی اس کے
سینے میں لگی تھی۔ اور پھر اس سے پہلے کہ باقی دو سنبھلتے، دو اور گولیاں انہیں
چاٹ گئیں اور اسی لمحے نعمانی دبک گیا۔
ڈرائیورنگ سیٹ کے قریب بیٹھے آدمی نے صفدر پر ناز کیا مگر صفدر تیزی سے
کار آگے بڑھالے گیا۔ نعمانی چونکہ اب آزاد ہو گیا تھا اس لئے اس نے ایک ہاتھ سے
ناز کرنے والے کی گردن پکڑ لی اور دوسرا ہاتھ ریوالور پر مارا۔ ریوالور اس کے ہاتھ
سے چھوٹ کر دور جاگرا۔

صفدر کار روک کر نیچے اتر آیا اور پھر تیزی سے مجھلتا ہوا کار کے قریب آیا اور
پھر ایک گولی اس آدمی کے سینے پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔
”جلدی آؤ نعمانی!“ صفدر نے آواز لگائی۔ ”کوئی کار وغیرہ نہ آجائے۔“
نعمانی نے تیزی سے آگے کی سیٹ پر رکھا ہوا بیگ اٹھایا اور پھر دروازہ کھول

برنگل آیا۔
اور پھر وہ دونوں تقریباً مجھلتے ہوئے کار میں بیٹھے اور پھر کار ایک جھٹکے
خانے بڑھ گئی۔



کرنل فریدی اور حمید دونوں ڈرائیورنگ روم میں موجود تھے۔ کرنل فریدی کسی
سورج میں غرق تھا اور حمید ایک رسالے پر طائرانہ نظریں ڈالنے میں مصروف تھا۔
”کیا واقعی عمران زندہ بچ گیا ہے؟“ — اچانک حمید نے رسالہ میز پر رکھتے
ہوئے پوچھا۔

”آں — کیا کہا؟“ — فریدی چونک پڑا۔
”میں پوچھ رہا ہوں کہ کیا یہ خبر صحیح ہے کہ عمران زندہ بچ نکلا ہے؟“ — حمید
اپنا سوال دوبارہ لایا۔

”ہاں! — مجھے کل اطلاع ملی ہے۔“ فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

”لیکن کوئی ثبوت؟“ — حمید نے پوچھا۔

”ثبوت ایک تو مل چکا ہے۔ دوسرے کا انتظار کر رہا ہوں۔“ کرنل فریدی نے
ہوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”جو ثبوت آپ کو مل چکا ہے۔۔۔ کیا اس کی تفصیل سے یہ بندہ باہر ہو سکتا ہے۔۔۔؟ حمید نے قدر سے جھک کر آداب بجالاتے ہوئے کہا۔
”تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ — فریدی نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

”اس لئے کہ مجھے یہ سکھنا افسوس ہوا تھا کہ عمران اپنی موت آپ مر گیا ہے۔ میں اس سے اپنا بدلہ نہیں لے سکتا۔ لیکن اب مجھے خوشی ہوتی ہے کہ وہ ہے۔ اب میں اس سے انتقام لے سکتا ہوں۔“ — حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔
”ثبوت یہ ہے کہ وہاں دلدل کے کنارے ایسے نشانات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص دلدل سے باہر نکل کر وہاں پڑا رہا ہے اور اٹھ کر آگے بڑھ گیا ہے۔“ — فریدی نے بتلایا۔

”لیکن وہ آپ کے نکلنے کے نشانات بھی تو ہو سکتے ہیں۔“ — حمید نے جرات سے شروع کر دی۔

”میں نے نشانات کے علاوہ ایسے نشانات ملے ہیں۔“ — فریدی نے منہ بنا کر جواب دیا۔ جیسے اسے حمید سے اس پودے سے سوال کی توقع نہیں تھی۔

حمید جھینپ گیا۔ اسے خوراک اس ہو گیا تھا کہ اس نے سوال طفلانہ کیا تھا۔ خاموش ہو گیا۔

چند ہی لمحے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ کرنل فریدی نے ہڑتال کر سیور اٹھالیا۔

”بارڈ اسٹون۔“ — کرنل فریدی نے گھبر لہجے میں کہا۔

”نمبر الیون سر۔“ — دوسری طرف سے نمبر الیون کی مخصوص آواز سنائی دی۔
”کیا رپورٹ ہے؟“ — کرنل فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

سر۔ چوٹ ہو گئی ہے۔۔۔ نمبر سکس الیون۔۔۔ نمبر ٹو نیٹی فور۔۔۔ نمبر الیون تھرٹی۔۔۔ نمبر الیون زیرو ون۔۔۔ ان چاروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صفدر کو لے کر آپ کی کیمپ پہنچیں۔ مگر ابھی ابھی مجھے رپورٹ ملی ہے کہ وہ ہلاک ہو چکے ہیں اور ان اشیاء پر پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔۔۔ صفدر ان کو ہلاک کر کے فرار ہو گیا ہے اور ان کی کار بھی لے گیا ہے۔“ — نمبر الیون نے مفصل رپورٹ دی۔

اور۔۔۔ فریدی کے لہجے میں غراہٹ آگئی اور اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی تھی۔ حمید جو اسے بغور دیکھ رہا تھا جھبر جھری لے کر رہ گیا۔
ایک اور اطلاع بھی ابھی ابھی موصول ہوئی ہے سر۔۔۔ نمبر الیون خاموش ہو گیا ہے سوچ رہا ہو کہ اطلاع کن الفاظ میں دے۔
”بولتے جاؤ۔۔۔ رک کیوں گئے؟“ — فریدی کے لہجے میں موت کی سی سنجیدگی

سر۔۔۔ نمبر سکس ٹو الیون نے کیفے سٹار لائن میں ایک آدمی کو فارمولے والا کپڑا اٹھاتے کرسی پر بیٹھا دیکھ لیا۔ وہ آدمی شائد عمران کا ساتھی تھا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی شخص نہیں تھا۔ لیکن وہ کیفے میں اس طرح بیٹھا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اس نے بیرے کو بھی ٹال دیا تھا۔
جیسے ہی رپورٹ ملی۔ میں نے اسی کیفے میں موجود اپنے چار اور آدمیوں کو ٹرانسپیرنٹ کر دیا کہ اس آدمی کو بیگ سمیت اغوا کر کے آپ کی کیمپ پر پہنچا دیا جائے۔
مگر ابھی چند لمحے پہلے نمبر سکس ٹو الیون نے بذریعہ کار کا اطلاع ملی کہ اسے وہاں سے ریو الواردوں کے زور پر اٹھا کر بذریعہ کار آپ کے پاس لایا جا رہا ہے۔ مگر ابھی چند لمحے پہلے نمبر سکس ٹو الیون نے بذریعہ کار کا اطلاع دیا ہے کہ کوئی نامعلوم شخص جو ایک کار میں تھا۔ اچانک اس نے نازک کار کا ٹائر برسٹ کر دیا اور پھر ہم پر نارتنگ کی بوچھاڑ کر دی۔ تین ممبر ہلاک

ہو چکے ہیں۔ کال کرنے والا بھی سخت زخمی تھا۔ اسے بھی وہ مردہ سمجھ کر ڈال گئے۔
مختے۔ بیگ وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ کال کرنے والا
بھی ختم ہو گیا ہے۔ اس نے کار کے نمبر جو بتلاتے ہیں وہ اسی کار کے نمبر ہیں۔
جسے صفدر لے بھاگتا تھا۔ چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ صفدر ہی اپنے ساتھی اور
بیگ کو لے کر فرار ہو گیا ہے۔ نمبر الیون نے تفصیل سے رپورٹ دی ہے
ہوئے کہا۔

تو صفدر اب تک آٹھ ممبروں کو ختم کر چکا ہے۔ کرنل فریدی کا لہجہ یہ
سرد تھا۔

”جی ہاں۔“ نمبر الیون نے جواب دیا۔

”کار کے متعلق کوئی کارروائی کی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں!۔“ تمام ممبروں کو الٹ کر دیا تھا۔ پھر جلد ہی اس کار کا
سراغ بھی مل گیا۔ نادر مارکیٹ کے قریب پارکنگ سٹیس میں وہ کار کھڑی تھی اور صفدر
اور اس کے ساتھی غائب تھے۔ نمبر الیون نے بتلایا۔

”ہونہہ۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ فریدی کی فراخ پیشانی پر سلو میں پڑی ہوئی تھیں
جو خطرناک سوچ کی آئینہ دار تھیں۔

حمید بہت بنا صرف فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”نمبر الیون۔“ فریدی اچانک مخاطب ہوا۔

”لیس سر۔“ نمبر الیون نے جواب دیا۔

”سنو!۔“ اجرا اور اسی وقت سب ممبروں کو حکم دید کہ جہاں بھی کوئی عمران
کا ساتھی نظر آئے۔ یا کسی ایسے آدمی پر شک پڑے کہ وہ عمران کا ساتھی ہے

وہیں موقع پر ہی گولی مار دی جائے۔“ فریدی نے حکم دیا اور حمید سمجھ
اگر اب عمران کے ساتھیوں کی خیر نہیں ہے۔

”کیا عمران کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔“ نمبر الیون نے پوچھا۔
”نہیں۔“ جب تک وہ بیگ نہیں مل جاتا اسے گولی مت ماری جائے۔“
فریدی نے جواب دیا اور حمید نے بڑا سامنہ بنالیا۔

فریدی نے رسیور رکھا اور میسر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا واپس آکر کرسی
پر بیٹھ گیا۔

حمید!۔ عمران کے ساتھیوں نے میری بلیک فورس کو مفلوج کر دیا ہے۔
اب تک آٹھ سے زیادہ آدمی ختم ہو چکے ہیں۔ اب تک میں انہیں طرح دیتا آیا
ہوں۔ اب بلیک فورس کی بجائے مجھے اور تمہیں خود میدان میں نکلنا پڑے گا۔
چنانچہ آج کے بعد تمہاری تمام تفریحی سرگرمیاں بند۔ اور تم سنجیدگی سے اس کیس
پر کام کرو گے۔ میں عمران کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب تک وہ اور اس کے
آدمی صرف میری طرف سے ہی دینے کی وجہ سے زندہ بچے ہوئے ہیں۔“ فریدی
الہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”یہی بات میں نے پہاڑی پر آپ سے کہی تھی۔ وہاں سب اکٹھے تھے اور وہ
نہیں۔“ وہاں حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت تک میرا کوئی آدمی نہیں

”نہیں۔“ وہاں حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت تک میرا کوئی آدمی نہیں
رہتا تھا۔ اب وہ پہل کر چکے ہیں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔“ میں کام کے لئے تیار ہوں مگر۔“ حمید نے جان بوجھ کر
نعرہ ناکمل چھوڑ دیا۔

”میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔“ مگر فکر نہ کرو۔ میں جلد ہی ان کا پتہ چلا

دکا۔ ابھی ترپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہی ہے۔“ فریدی نے ترپ کی طرف
بستے ہوئے حمید سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ترپ کا پتہ۔“ حمید نے حیرت سے پوچھا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔
”ہاں۔“ فریدی نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا اور پھر اٹھ کر ڈرائنگ
رُوم سے باہر نکل گیا۔



عمران کافی دیر تک نعمانی کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن نعمانی تو ایسے غائب ہو گیا
تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ وہ کسی دیر سے اس بارے میں پوچھنا
نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ بلیک فورس کے عمیر اکثر ویدروں
کے روپ میں ہوتے ہیں۔ کہیں فریدی کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔
آخر تنگ آ کر وہ اٹھا اور پھر آہستہ آہستہ ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ اس
نے نعمانی والے اڈے پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ نعمانی جہاں کہیں بھی ہو گا، وہیں
پہنچے گا۔ اس نے ٹیکسی نہ پڑی اور پھر اسے لکی ویو ہوٹل چلنے کے لئے کہا۔
مقوڑی دیر بعد ٹیکسی لکی ویو کے باہر نکلی۔ عمران نے کرایہ ادا کیا اور پھر ہوٹل
کے اندر جانے کے لئے قدم بڑھائے مگر دوسرے لمحے وہ چوکنہ ہو گیا کیونکہ ہوٹل کے
اندر کسی ہنگامے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جیسے بہت سے آدمی آپس میں لڑ رہے ہوں

عمران تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین گیٹ میں گھس گیا۔ دوسرے لمحے اس کی
پس شہید حیرت سے پھٹ گئیں۔ چار چاقو بردار بلیک زیرو کو گھیرے ہوئے تھے۔
بلیک زیرو کو یہاں اور اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔
لیکن اسے احساس ہو گیا کہ یہ وقت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ بلیک زیرو
انراک پوزیشن میں پھنسا ہوا تھا۔ چار چاقو بردار اسے چاروں طرف سے گھیرے
رہے تھے اور ان کے ارادے خطرناک نظر آ رہے تھے۔

بلیک زیرو غیر مسلح تھا۔ چنانچہ عمران نے فوری عمل کا فیصلہ کر لیا۔ پھر وہ تیز تیز
اٹھا کر ان کے قریب پہنچ گیا۔

اسی لمحے چاروں چاقو برداروں نے بیک وقت بلیک زیرو پر حملہ کر دیا۔ بھلی سی چکی
لگا اس کے سامنے ہی دو تیز مگر بہت ناک چینی بلند ہوئیں۔ بلیک زیرو حملہ ہونے
کی آواز نہ سنا۔ چاروں آدمی آپس میں ٹکرائے گئے تھے۔

دو آدمیوں نے سینے میں چاقو گھس چکے تھے۔ یہ دونوں چینی انہی کی تھیں۔ وہ
بگڑ بگڑ ہو گئے۔

ادھر بلیک زیرو ترپ کراچھلا اور اب وہ ان کے حلقے سے باہر کھڑا تھا۔ دو
اندھے فرش پر پڑے ترپ رہے تھے۔ باقی دو اچھل کر اس طرح سیدھے ہو گئے
جیسے ان کے جسموں میں پارہ مبر گیا ہو۔ اپنے ہی ساتھیوں کی موت سے ان کے سر
بڑھن سوار ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں بلیک زیرو پر حملہ کرتے
پہلے عمران اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر ایک آدمی اچھل کر دور جا گیا۔ اس کے سینے
پر پوری قوت سے فلائنگ کلک پڑی تھی۔

بلیک زیرو جو ابھی تک اپنی پوری توجہ غنڈوں کی طرف مبذول کئے ہوئے
تھا، نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر اطمینان کی مسکراہٹ

پھیلتی چلی گئی۔ دوسرے غنڈے نے بلیک زیرو پر حملہ کرنا چاہا تھا کہ اچانک
گر جدار آواز سے ہال گونج اٹھا۔
”خبردار بے رک جاؤ“

سب نے چونک کر دیکھا تو ایک لحیم شحیم آدمی ہاتھ میں ریو اور لٹے ایک گن
کے سرے پر کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے حد سرخ اور وحشت ناک تھیں۔ چہرے پر
پر درندگی چھائی ہوئی تھی۔

”دروازے بند کرو“ اس نے گر جدار آواز میں حکم دیا اور ایک آدمی نے
آگے بڑھ کر ہوٹل کے دروازے بند کر کے چٹھنیاں چڑھا دیں۔

اب وہ بڑی کینہ توڑ نظروں سے عمران اور بلیک زیرو کی طرف دیکھ رہا تھا
بڑے اطمینان اور لاپرواہی سے کھڑے تھے۔ جیسے کہیں سرکس کا تماشہ دیکھ رہے
ہوں۔

چاقوؤں سے زخمی ہونے والے غنڈے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو چکے تھے۔
جس کے سینے پر لائیں پڑی تھیں وہ بار بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن
پھر گر جاتا۔ اور پھر اس نے دو تین بار سر جھٹکا اور پھر اس کے منہ اور ناک سے
خون بہنے لگا اور چند لمحے بعد وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ شاید اس کے سینے کی ہڈیاں
ٹوٹ گئی تھیں۔

ایک عجیب وحشت ناک منظر تھا۔ ہال میں موجود در سے آدمیوں کے چہرے
خوف اور وحشت سے زرد ہو چکے تھے۔ وہ یوں سمجھے ہوئے کھڑے تھے جیسے
سب کچھ ان ہی کا کیا دھرا ہو۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے والے بڑی لاپرواہی
سے کھڑے تھے۔

”تم کون ہو۔۔۔؟ اور تمہیں یہاں ہنگامہ برپا کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟“

بہ لحیم شحیم آدمی جو شاید اس ہوٹل کا مالک تھا۔ براہ راست عمران اور بلیک زیرو سے
مقابلہ ہوا۔

”ہم مسافر ہیں۔ اور تمہارے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لینا چاہتے تھے لیکن
نہارے غنڈوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔“ بلیک زیرو

”کمرہ لینے کا یہی طریقہ ہے۔“ مالک کی آواز میں غراہٹ بڑھ گئی۔
”کمرہ تو بڑے اچھے طریقے سے مانگا گیا تھا۔ لیکن تمہارے آدمیوں کو پسند ہی
نہیں آیا۔ اب اگر اس سے بھی اچھا طریقہ تم جانتے ہو تو بتا دو۔“ عمران نے

ایک لگائی۔
”تم میرے ساتھ دفتر چلو۔“ مالک نے تڑپے نرم ہوتے ہوئے کہا۔
”چلو صبرتی۔“ بلیک زیرو نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

”یہ لاشیں فوراً غائب کرو۔“ فرشی صاف کر رہا اور دروازے کے کھول دو۔
مالک نے باقی ماندہ ملازموں سے کہا اور پیپر گیلری میں مڑ گیا۔
عمران نے بلیک زیرو کو آنکھ ماری اور آگے چل دیا۔ بلیک زیرو مسکرا دیا
پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مختلف گیلریوں سے گزرنے کے بعد ایک کمرے
میں داخل ہو گئے۔

مالک نے انہیں سامنے صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پیپر خود ایک بڑی
یز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے فیروز کہتے ہیں۔ اور میں اس ہوٹل کا مالک ہوں۔“ مالک نے اپنا
تعارف کراتے ہوئے کہا۔ سنا نے کیا سرچ کر اس کا غصہ یکدم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔
”میں جانتا ہوں۔“ عمران نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ ورنہ اس ہٹل میں اونچی آواز نکالنے کی بھی جرأت نہ ہوتی"۔ فیروز کو غصہ آنے لگا۔

"لیکن تم جانتے ہو کہ ہم نے نہ صرف اونچی آواز میں بات ہی نہیں کی بلکہ اور بھی بہت کچھ کیا ہے"۔ عمران نے اسے مزید غصہ دلایا۔

"اسی لئے تو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ ورنہ تمہاری لاشیں بھی اس وقت تک اٹھائی جا چکی ہوتیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس شہر میں اپنی ہو۔ تم قابل رحم اور قابل معافی ہو"۔ فیروز نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"پھر تمہیں غلط فہمی ہوتی ہے۔ فیروز!۔ تمہنے شاید اپنے آدمیوں کی تڑپتی ہوئی لاشیں نہیں دیکھیں"۔ عمران نے بھی اسی طرح لاپرواہی سے جواب دیا۔

اور پھر فیروز کو غصہ آ ہی گیا۔ وہ اب تک ضبط کر رہا تھا۔ لیکن اب اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے جھٹکے سے ریوالت نکالا اور پھر اس سے پہلے کہ عمران سنبھلتا۔ وہ عمران پر فائر کر چکا تھا۔ لیکن بلیک زیر و بالکل ہوشیار تھا۔ اس نے اچانک عمران کو دھکا دے دیا۔ فائر خالی چلا گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ فیروز دوسرا فائر کرتا، بلیک زیر و اپنی جگہ سے اچھلا اور فیروز کو لیتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ ریوالت فیروز کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور عمران نے جھپٹ کر ریوالت اٹھالیا۔

"چھوڑو اسے"۔ عمران نے ریوالت کا رخ ادھر کرتے ہوئے کہا۔

بلیک زیر و جو فیروز کے اوپر سوار اسن پرکتے برسا رہا تھا۔ عمران کی آواز سن کر ہاتھ جھاڑتا ہوا ایک طرف ہو گیا۔ فیروز کا حلیہ چند ہی لمحوں میں بلیک زیر نے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"سیدھے بیٹھ جاؤ فیروز"۔ عمران نے فراتے ہوئے کہا اور فیروز کینہ توز نظروں سے عمران کی طرف دیکھتا ہوا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میسر ایک سوال کا جواب دو"۔ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ کتنا اچھا ہوتا۔ اگر میں تمہیں

دیں گولی مار دیتا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے نرمی برتی اور اس کا نتیجہ

مجھے غلط سمجھتا پڑا ہے"۔ فیروز نے غضبناک لہجے میں کہا۔

"تم ناگل دادا کو جانتے ہو"۔ عمران نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اور فیروز بری طرح چونکا۔ جیسے اس کا پیر بے خیالی میں کسی بچھو پر پڑ گیا ہو۔

"تم ناگل دادا کو کیسے جانتے ہو"۔ اس کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

اس سے پہلے کہ عمران کوئی جواب دیتا۔ دروازہ اچانک کھلا اور پھر دروازے

میں نعمانی اور صفدر کھڑے نظر آئے۔

"آؤ ناگل دادا!۔ میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا"۔ عمران نے نعمانی کو دیکھتے

ہی ہانک لگائی۔

اور نعمانی حیرت سے بلیک زیر و اور عمران کو دیکھ رہا تھا جس نے فیروز پر

ریوالتان رکھا تھا۔

"کیا بات ہے"۔ تم نے فیروز پر کیوں ریوالتان رکھا ہے"۔ نعمانی

کی آواز میں غراہٹ تھی۔ شاید وہ اپنے ناگل دادا کے کردار کو بھولا نہیں تھا۔

عمران نے ریوالت جیب میں رکھا اور آداب بجالاتا ہوا صوفہ پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ کون ہیں ناگل دادا!۔ فیروز نے سوالیہ لہجے میں نعمانی سے پوچھا۔

"یہ میسر ساتھی ہیں جن کی وجہ سے مجھے کرنل فریدی سے ٹھکرانا پڑا ہے۔"

نعمانی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

صفدر بھی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا لیکن وہ بڑے غور سے بلیک زیرو کی شکل دیکھ رہا تھا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

”اوہ! — پھر تو اپنے مہربان ہوئے — حضرات معاف کیجئے — ناگوار کے سامتی میرے بھی سامتی ہیں — اب تک جو کچھ بھی ہوا غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے —“ فیروز کی آواز میں معذرت کا تاثر نمایاں تھا۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ — نعمانی نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔ بس انہوں نے میسر پار بہترین سامتی مار دیئے ہیں۔“

فیروز نے بظاہر لا پر دہی ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں لہرانے والے کرب کے سائے کسی سے نہ چھپ سکے۔

”ایک اور افسوس ناک خبر تو تمہیں مل چکی ہوگی کہ تمہارے سامتی کا مانی کی پڑاؤ پر ہونے والی جنگ میں ختم ہو گئے ہیں۔“ نعمانی نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”ہاں! — میں نے اخبار میں ان کے فوٹو دیکھے تھے۔“ فیروز نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے وہ فوٹوؤں والی اخبار دکھاؤ۔“ مس چپن چھری کھلتے والی۔ خوشید بالی پونڈوں والی۔ فیروز دین نصائی ابلے والی۔ اور۔۔۔ اور فیروزہ بائی پٹیلے والی کئے فوٹو ہوں گے اس اخبار میں۔“ عمران نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

”فیروز! — یہ سب لوگ فی الحال یہیں رہیں گے۔ کیا تم ان کے لئے کمرے مہیا کر سکتے ہو؟“ — نعمانی نے پوچھا۔

”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔“ اور پھر وہ ہٹھا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ

رتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ سب بھی اس کے پیچھے کمرے سے باہر آگئے۔ فیروز سیدھا چلتا ہوا ایک اور کمرے میں گھس گیا جو گودام بنا ہوا تھا۔ اس میں شراب کی پیٹیاں اور دیگر کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔

فیروز نے ایک کونے میں جا کر ایک بڑی پیٹی ہٹائی اور پھر اس کی جگہ پر ایک چھوٹی پیٹی رکھ کر وہ خود اس پیٹی کے اوپر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اور نیچے کئے اور پھر صبا اس کا ہاتھ دیوار کو لگا۔ وہاں اس نے انگور میٹھے سے دیوار کو دبایا اور پھر اس نے یہی حرکت دوسرے کونے میں جا کر کی۔ دوسرے کونے میں ایسا کرتے ہی اچانک سامنے والی دیوار کھسک گئی۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا راستہ تھا اور نیچے

سیڑھیاں جا رہی تھیں۔

وہ سب فیروز کی رہنمائی میں سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ نیچے ایک طویل گیلری تھی جس میں آمنے سامنے کافی مقدار میں کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرہ اچھی طرح سے سجا ہوا تھا۔

”یہ سب کمرے خالی ہیں۔ انہیں اپنی رہائش کے لئے منتخب کر لیں۔“

یہ جگہ بے حد مفید ہے۔ آپ جتنا عرصہ چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی خدمت ہو تو وہ بھی میں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بہت بہت شکریہ فیروز! — تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔“ نعمانی نے احسان مندانہ لہجے میں کہا اور فیروز مسکرا کر رہ گیا۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔“ کسی قسم کی ضرورت ہو تو کمرے میں لگا ہوا سرخ بٹن دبا دیجئے۔ میرا ایک خاص آدمی اس کمرے میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر آپ

کسی وقت باہر جانا چاہیں تو اس کے لئے بڑا آسان طریقہ ہے۔ ریڑھیاں پڑھنے کے بعد دیوار کے قریب ہی ایک سرخ ٹن موجود ہے۔ اسے دبانے سے دیوار اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہے۔ اور اندر آنے کے لئے جو طریقہ کار ہے وہ تو آپ پر ظاہر ہو ہی گیا ہے۔ فیروز نے تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"کیا یہاں میک آپ کا سا بان مل جائے گا؟" — عمران نے پوچھا۔
 "ہاں! — میک پاس جدید ترین قسم کا میک آپ کا سامان ہے۔ میں ابھی پوری کسٹ آپ کو بھجوا دیتا ہوں" — فیروز نے کہا اور پھر وہ سلام کر کے واپس چلا گیا۔

فیروز کے جانے کے بعد صفدر اور لغمانی دونوں بلیک زیرو کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے ذہن میں الجھن تھی کہ یہ صاحب کون ہیں؟ اس سے پہلے انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"عمران صاحب! — آپ نے ان صاحب کا تعارف نہیں کرایا؟" — آخر لغمانی نہ رہ سکا اور بول ہی پڑا۔

"تعارف! — ارے بھئی اگر میں نے ان کا تعارف کرا دیا تو تمہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے گا" — عمران نے چبکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" — لغمانی اور صفدر چونک پڑے۔ ان کے ذہنوں میں ایک شک نے سراٹھایا لیکن وہ کوئی واضح فیصلہ نہ کر سکے۔

"آپ سے ملنے — آپ ہیں جناب ایکسٹو" — عمران نے ادکاری کرتے ہوئے کہا۔

اور صفدر اور لغمانی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ دیکھ رہے ہوں۔ کتنی مدت سے ان کے ذہن میں ایک خواہش تھی — غلش مٹی — حسرت

نہی۔ ارمان تھا۔ کہ وہ ایکسٹو کی شکل دیکھ سکیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کبھی ان کی یہ خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے۔ آج جب اچانک ہی ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی تو انہیں سکتہ سا ہو گیا اور انہیں اپنی کی پٹی رہ گئیں۔

"کیوں گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟" — یہ میک آپ میں ہیں؟ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور صفدر اور لغمانی کی پھیلی ہوئی آنکھیں ایک جھٹکے سے واپس اپنی جگہ پر آ گئیں۔ ان کے تصورات کے سارے محل ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئے۔ ساری امیدوں پر اداس پڑ گئی۔ ان کے دل کچھ سے گئے۔ اور پھر انہوں نے مایوسی سے اپنے سر جھکا لیے۔

"عمران! — تم ان نمبروں پر ٹیلیفون کر کے کیپٹن شکیل کو بھی یہیں بلوا لو۔" — بلیک زیرو نے ایکسٹو کی آواز میں عمران کو حکم دیا۔

اور عمران چونک پڑا اور حیرت سے بلیک زیرو کو دیکھنے لگا کہ اسے کیپٹن شکیل کہا ہے کیسے چل گیا کہ وہ کہاں ہے۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں — سنا نہیں تم نے؟" — بلیک زیرو نے قدرے غصے سے کہا۔

اور عمران نے اثبات میں سر جھکا لیا۔

"تم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جاؤ" — بلیک زیرو نے صفدر اور لغمانی کو حکم دیا اور صفدر اور لغمانی خاموشی سے اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

"میں اوپر جا کر فون کرتا ہوں؟" — عمران نے کہا اور پھر وہ اور بلیک زیرو دایک۔ کمرے میں چلے گئے۔

"ہاں! — میرے خیال میں یہ ٹھیک رہے گا کہ وہ مجھے یہاں آجائے۔ پھر سے بھاگنے کا کوئی منصوبہ بنائیں گے۔" بلیک زیرو نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

عمران پہلے ہی ایک صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن تمہیں کیپٹن شکیل کا کیسے پتہ چلا؟ — ہر عمران نے بلیک زیرو سے اور پھر بلیک زیرو نے اپنے ساتھ گزرنے والے تمام حالات تفصیل سے عمران کو سنا دیئے۔

"ہوں! — تو اس کا مطلب ہے کہ سرمدی سے تمہاری جھڑپ ہو چکی۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! — ویسے تو اس نے مجھے ختم ہی کر دیا تھا لیکن خوش قسمتی سے نیچے پڑے شامل نے مجھے بچا لیا۔" بلیک زیرو نے کہا۔

"اچھا اب تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں ذرا صفر اور نعمانی سے پوچھ لوں۔" بلیک زیرو نے عمران سے کہا۔ لیکن پھر بولا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ پہلے اس بیگ کو کھول کر نارموں کے کاغذات محفوظ لئے جائیں۔" بلیک زیرو نے رائے پیش کی۔

"ہاں! — اس بیگ کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ یہی تو سارے فساد کی وجہ ہے۔" عمران نے اپنے پاس پڑے ہوئے بیگ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

تہہ خانے میں آتے ہی نعمانی کے ہاتھ سے لے چکا تھا۔ عمران نے بیگ اٹھا کر اس کے تالے کو بغور دیکھا اور پھر ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔ بلیک زیرو خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ عمران نے ایک کولے

یٹس ہوائی تارا اٹھائی۔

"بلیک زیرو! — تم دروازہ اندر سے بند کر لو۔" عمران نے دروازے کی طرف

بجے ہوئے کہا۔

بلیک زیرو نے اس کے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

عمران نے تار بیگ کے تالے کے سوراخ میں گھائی اور پھر مختلف انداز میں اسے گھمانے

چند لمحوں بعد ایک کھٹک کی آواز آئی اور تالا کھل گیا۔ یہی عمل اس نے دوسری سائیڈ

تالے کے ساتھ دہرایا اور وہ بھی کھل گیا۔ عمران نے تالوں کے سائیڈ میں گئے ہوئے ٹینوں کو دبا یا تو بیگ کھل گیا۔ اس

پڑے ہوئے کاغذات صاف دکھائی دیئے گئے۔ عمران اور بلیک زیرو لا شعوری طور

ان کاغذات پر جھک گئے۔ اسی لمحے ان دونوں کو محسوس ہوا جیسے کاغذات دھوپ میں تبدیل ہونے لگے۔ انہوں نے آنکھیں میاڑیں، مگر اب کاغذات آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگ گئے۔

عمران نے اچانک نظریں اٹھائیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر کمرے کے گھومتا

نظر آیا، اس کی آنکھوں کے آگے تیزی سے اندھیرا چھٹتا چلا گیا۔ یہی حشر بلیک زیرو

ساتھ ہوا۔ اس لمحے اس کے سوراخوں سے شاید کوئی بے رنگ گیس نکل رہی ہے۔ ان کے ڈوبتے ہوئے ذہن میں خیال آیا۔ لیکن اسے کچھ کہنے کی بھی مہلت نہ ملی

دوسرے ہی لمحے وہ کرسی سے لڑھک کر فرش پر جاگرا۔ بلیک زیرو کا بھی یہی حشر ہوا۔ کھلا ہوا بیگ مینرو پر پڑا تھا۔ مگر وہ دونوں

پر بیہوش پڑے تھے۔

نہیں چل رہا تھا۔

وہیے مسریدی مٹھن تھا کہ ایک پوائنٹ اس کے پاس ایسا ہے کہ عمران کو
برہنا ہی پڑے گا لیکن وہ حیران تھا کہ اس پوائنٹ کی رو سے تو یہ کام فوری
پانا چاہیے تھا اور اس دوران وہ زیادہ تو اسی کال کا منتظر تھا۔ حمید کو اس
آج صبح سے روک رکھا تھا۔

چند لمحے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریڈر اٹھا لیا۔

ہارڈ اسٹون — فریدی نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

نمبر الیون سر — دوسری طرف سے نمبر الیون کی آواز سنائی دی۔

ریپورٹ — فریدی نے کہا۔

سر! ٹی۔ اے۔ میگنامٹین کاشن دے رہی ہے — نمبر الیون کے

برائے میں بے پناہ خوشیاں مچیں۔

کیا کہا — کاشن دے رہی ہے۔ — دیری گڈ! — تم نے چیک آپ کیا کہ وہ

کاشن غلط ہے؟ فریدی کی آواز میں بھی خوشی تھی۔

جی ہاں جناب! — جس جگہ کا پتہ وہ بتلا رہی ہے وہاں نقشے میں ہوٹل لکی دیو

نمبر الیون نے جواب دیا۔

لکی دیو — کیا سپر مارکیٹ کے بائیں کو نے پر جو گندہ سا ہوٹل ہے — وہی

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

جی ہاں سر! — وہ فیروز نامی مشہور غنڈے کا ہوٹل ہے — وہ اپنے ہاتھ پیر

پر رکھتا ہے اس لئے وہ ابھی تک ہماری لسٹ میں نہیں آیا — نمبر الیون

جواب دیا۔

تو پھر اس دفعہ اس کی شامت نے آواز دے ہی لی ہے — فریدی غرایا۔

کرنل فریدی بیچ مسروٹ تھا۔ وہ ٹیلیفون کے پاس بیٹھا تھا اور
ہر منٹ کے وقفہ کے بعد کالیں آرہی تھیں اور وہ مزید احکام دیتے جا رہا تھا۔ اس
کی پوری بلیک فورس جو نہ جانے کتنی وسیع اور بااثر تھی۔ اس وقت حرکت میں آئی
تھی۔

ریلوے اسٹیشن — ایرپورٹ — بندرگاہ — اور شہر سے باہر جانے والی ہر

سڑک پر اس کی بلیک فورس الرٹ تھی۔ شہر میں ایسی کوئی سڑک — کوئی مارکیٹ اور

کوئی کالونی نہیں بچی تھی جہاں اس کے آدمی نہ منڈلا رہے ہوں۔ شہر کے تمام ہوٹلوں

میں تحفیہ طور پر چچان بین کی جا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس پراسرار اور خفیہ طریقے

سے ہو رہا تھا کہ شہر میں موجود ہر جگہ بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کسی کو یہ شک بھی

نہ پڑ سکا کہ اس وقت نہ جانے کتنی آنکھیں ان کی نگرانی کر رہی ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ عمران سمیت اس کے تمام ساتھی یکدم غائب ہو گئے تھے

اور اس کے ساتھ ہی بیگ بھی غائب تھا اور یہی چیز فریدی کے لئے سخت تشویش کا

سبب تھی۔ جب تک بیگ عمران کے ہاتھ میں ہے فریدی بے دست و پا تھا۔ وہ ہر صورت

میں عمران وغیرہ کو اپنی گرفت میں لے آنا چاہتا تھا لیکن عمران اور اس کے ساتھی

کچھ اس طرح غائب ہوتے تھے کہ اتنے زبردست انتظامات کے باوجود ان کا کچھ

نمبر الیون خاموش رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”نمبر الیون! — اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ وہ لکی ویو کو گھیر لیں۔ اگر عمران کوئی ساستی وہاں سے فرار ہونے لگے تو بے شک اسے گولی مار دیں۔ میں اور بھی وہاں پہنچتے ہیں۔“ فریدی نے نمبر الیون کو حکم دیا۔

”او۔ کے سر“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔ اور فریدی نے رسیوں کو رکھ دیا۔
”حمید! — ذرا کپڑے بدل کر میسرے ساتھ چلو۔“ آج عمران اور اس کے ساتھیوں سے دو دو ہاتھ ہو ہی جاتیں۔“ کرنل فریدی نے حمید کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر عمران اور اس کے ساتھی ہیں کہاں؟“ — حمید نے بیزاری سے کہا۔
”وہ اس کیس سے تنگ آچکا تھا۔“

”تم چلو تو سہی۔“ عمران اور اس کے ساتھیوں کا پتہ چل گیا ہے۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ابھی تریپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
پھر وہ بھی لباس تبدیل کرنے کے لئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

مقوڑی دیر بعد لیکن تیزی سے سڑک پر پھیلتی جا رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ جلد ہی گاڑی سپر مارکیٹ میں موجود لکی ویو ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ہوٹل کی ظاہری حالت ہی بتا رہی تھی کہ وہ کس طبقے کی آماجگاہ ہوگا۔

فریدی نے گاڑی سے اتر کر ایک لمحہ کے لئے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر وہ ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ فریدی سیدھا کاؤنٹر پر گیا۔

ہوٹل میں فریدی کے داخل ہوتے ہی ایک نامعلوم سی بے چینی اور اضطراب

میزوں پر بیٹھے ہوئے غنڈوں کے چہرے فق ہو گئے۔ کیونکہ فریدی ان کے ملک الموت سے کم درجہ نہیں رکھتا تھا۔

کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے آدمی نے جیسے ہی فریدی کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

فریدی پہلی بار اس ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور کاؤنٹر میں اچھی طرح جانتا تھا فریدی کی آمد کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوگی۔

فریدی کاؤنٹر کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بغور کاؤنٹر میں کی گھنٹیوں سے دو دو ہاتھ ہو ہی جاتیں۔“ کرنل فریدی نے حمید کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر عمران اور اس کے ساتھی ہیں کہاں؟“ — حمید نے بیزاری سے کہا۔
”وہ اس کیس سے تنگ آچکا تھا۔“

”تم چلو تو سہی۔“ عمران اور اس کے ساتھیوں کا پتہ چل گیا ہے۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ابھی تریپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
پھر وہ بھی لباس تبدیل کرنے کے لئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

مقوڑی دیر بعد لیکن تیزی سے سڑک پر پھیلتی جا رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ جلد ہی گاڑی سپر مارکیٹ میں موجود لکی ویو ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ہوٹل کی ظاہری حالت ہی بتا رہی تھی کہ وہ کس طبقے کی آماجگاہ ہوگا۔

فریدی نے گاڑی سے اتر کر ایک لمحہ کے لئے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر وہ ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ فریدی سیدھا کاؤنٹر پر گیا۔

ہوٹل میں فریدی کے داخل ہوتے ہی ایک نامعلوم سی بے چینی اور اضطراب

”کیا بات ہے راجو؟“ — فیروز کی نظریں دروازہ کھولنے والے پر پڑیں جو
کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔

”کک — کرنل منریڈی“ — راجو ہکلاتے ہوئے ایک طرف ہٹ گیا اور
دوسرے لمحے فریدی اور حمید اندر داخل ہو گئے۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی فیروز چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا
رنگ زرد پڑ گیا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔

”آئیے آئیے — تشریف لائیے کرنل صاحب“ — اس نے مسکراتے ہوئے
بااخلاق لہجے میں کہا۔

فریدی اس کی میز کے قریب جا کر رک گیا۔ ایک لمحہ تک وہ بغیر فیروز کو دیکھتا رہا
پھر اچانک وہ پلٹا۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہوئے راجو کو سخت لہجے میں کہا۔
”تم جاؤ — حمید دروازہ بند کر دو۔“

”کیا مطلب؟“ — فیروز کرنل منریڈی کے لہجے سے بوکھلا گیا۔
راجو تیزی سے واپس چلا گیا۔

حمید نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔
”تشریف رکھئے“ — فیروز سے اور تو کچھ نہ بن سکا صرف یہی فقرہ کہہ کر رہ گیا۔

فیروز! — تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو — اس لئے تمہاری مہلاتی اسی میں
بے کرم سیدھی طرح بتلا دو کہ عمران اور اس کے ساتھیوں کو تم نے کہاں

چھپا رکھا ہے؟“ — کرنل فریدی نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔
”عمران اور اس کے ساتھی“ — فیروز حیران رہ گیا۔ اور وہ سچا بھی تھا اس

نے کبھی عمران کا نام بھی نہیں سنا تھا۔
”ہاں“ — فریدی نے جواب دیا۔

مگر میں تو عمران اور اس کے ساتھیوں کو نہیں جانتا“ — فیروز نے حیرت زدہ
لہجے میں کہا۔

مگر دوسرے لمحے وہ الٹ کر دوسری طرف جاگرا۔ کرنل منریڈی کا زبردست
تھپڑ اس کے گال پر پڑا تھا۔

فیروز گرتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فریدی کے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں
کے نشان اس کے گال پر ثبت ہو چکے تھے۔

کرنل صاحب! — آپ خواجہ ناراض ہو رہے ہیں — میں واقعی انہیں
نہیں جانتا“ — فیروز نے بھی قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

دوسرے لمحے فریدی نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک زوردار
جھٹکے سے اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ تقریباً اڑتا ہوا سامنے والے دروازے کے

سامنے جا کھڑا ہوا۔
”بتاؤ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں — درنہ میں تمہاری بوٹیاں اتر وادوں گا۔“

فریدی غرایا۔
فیروز اٹھنے لگا۔ مگر دوسرے لمحے کرنل منریڈی پر مہلاری پڑا۔ کیونکہ فیروز اٹھتے

ہی اچھلا اور پھر اس سے پہلے کہ فریدی سنھلتا، وہ ایک ہم کی طرح اس کے سینے
سے آٹکرایا اور فریدی مینبر الٹ گیا۔

اب حمید کے صبر کا پیمانہ لہریز ہو چکا تھا۔ اس نے پیچھے سے فیروز کی گردن
پکڑ لی اور پھر ایک زوردار گھسٹ اس کی پسپوں میں جما دیا۔

تم ایک طرف ہٹ جاؤ حمید! — اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے — میں خود ہی
اس سے پنٹ لوں گا“ — فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔ اور حمید ایک طرف ہٹ

گیا۔ اب کرنل منریڈی اور فیروز ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

”میں نہیں جانتا کرنل صاحب! — کہ عمران کون ہے“ — فیروز نے کہا۔
 فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور فیروز کو گھورتا رہا۔
 فیروز بے حد چوکنا تھا۔

اچانک فریدی نے بجلی کی سی تیزی سے فیروز پر چھلانگ لگا دی۔ فیروز اسی
 طور پر ایک طرف ہٹا مگر بے سود۔ فریدی اسے رگیدتا ہوا دوسری طرف جا کر
 پھر دونوں نے ہی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی اور دوسرے لمحے وہ دونوں پھر ایک
 دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

مگر پھر فریدی نے ایک فلائنگ بک لگائی اور فیروز دوبارہ فرش پر
 جاگرا۔ اور پھر اسے فریدی نے اپنی بوٹ کی مٹھکروں پر رکھ لیا۔ اور بجلی کی تیزی
 سے فیروز پر مٹھکروں کی بارش شروع کر دی۔ فیروز کا چہرہ لہو لہان ہو گیا۔
 چہرے کی جلد کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی۔

”بتاؤ عمران اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟“ کرنل فریدی نے کہا۔
 لیکن فیروز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ کنپٹی پر پڑنے والی مٹھکروں
 نے اسے ہوش و حواس سے ہٹا کر دیا تھا۔

فریدی کو جیسے ہی احساس ہوا کہ فیروز بیہوش ہو چکا ہے۔ اس نے پیردک
 لئے۔ فیروز بے سدھ پڑا تھا۔

حمید! — اسے ہوش میں لے آؤ۔“ فریدی حمید سے مخاطب ہوا۔
 ایک طرف کھڑا بڑی دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔

حمید نے بیہوش فیروز کو کینچ کر ایک کرسی پر ڈالا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے
 لگا۔ میز پر پڑی ہوئی شراب کی بوتل اٹھائی اور پھر اسی کے چھینٹے فیروز کے منہ
 پر مارنے شروع کر دیئے۔ چند لمحوں بعد فیروز نے آنکھیں کھول دیں۔

”اگر زندگی چاہتے ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ عمران وغیرہ کہاں“ — فریدی
 نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”یقین کیجئے کرنل صاحب! — میں کسی عمران وغیرہ نہیں جانتا۔“ فیروز
 نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

فریدی نے محسوس کیا اور فیروز کی آنکھیں بتلا رہی تھیں کہ وہ جھوٹ نہیں
 بول رہا ہے۔ مگر ٹی۔ اے میگناموشین کا کاشن بھی درست تھا۔ پھر یہ چکر
 لیا ہے۔؟

اسی لمحے فریدی کے ذہن میں ایک کونڈا سا لپکا اور پھر اسے اپنے آپ پر غصہ
 آگیا۔ گھاموہن تو اسی سے سرزد ہوا تھا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ عمران نے فیروز کو
 اپنا اصلی نام ہی بتلایا ہو۔ وہ خواجہ عمران کے نام پر زور دیتا رہا۔
 ”اچھا سنو! — پچھلے ایک ہفتہ کے دوران کوئی باہر کا آدمی تم سے ملے؟“
 فریدی نے کسی خیال سے پوچھا۔

”نہیں۔“ فریروز سمجھتا تو تھا کہ یہ سارا چکر ناگل دادا کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس
 کے کسی ساتھی کا نام عمران ہو۔ لیکن وہ بتلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے وہ
 خاموش رہا۔

فریدی نے جیب سے ریو الوز نکال لیا۔ ریو الوز پر سائمنس لگا ہوا تھا۔
 ”سنو فیروز! — میں صرف تین تک گنوں گا۔“ پھر تہاڑی لاش یہاں تڑپ
 رہی ہوگی۔ جو کچھ تم جانتے ہو وہ سچ سچ بتاؤ۔“ فریدی نے ریو الوز کا
 رخ فیروز کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

ادھر فیروز کے ذہن میں زبردست کش مکش جاری تھی کہ آیا وہ ناگل دادا کے
 متعلق بتلا دے یا نہیں۔ یہ غداری ہوگی۔ اور ادھر اسے اچھی طرح علم تھا کہ

فریدی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ یقیناً اسے کر بھی گزرے گا۔ ایک عجیب سی کیفیت میں وہ مبتلا تھا۔

ادھر سریدی ورتک پہنچ چکا تھا۔ اس کی انگلی ٹیگر پر جم چکی تھی۔ آواز فیروز نے سب کچھ بتلانے کا فیصلہ کر لیا۔

”ناگل دادا۔ کک۔ کک۔“ اور فیروز کے سینے سے خون اُپٹنے لگا۔ وہ کرسی سے الٹ کر دوسری طرف جاگرا۔

گولی شائد سریدی پر چلائی گئی تھی لیکن سجانے کیوں فریدی ذرا سا بائیں طرف جھکا تھا کہ گولی اس کے پہلو سے نکلتی ہوئی سامنے بیٹھے ہوئے فیروز کے سینے میں پیوست ہو گئی۔

فریدی بجلی کی طرح پلٹا اور پھر پشت پر موجود روشندان میں اسے ایک سایہ سا لہراتا نظر آیا۔ فریدی اڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے چٹخنی کھرا اور پھر باہر نکل آیا۔ لیکن آس پاس کوئی آدمی بھی نہیں تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا تو فیروز مٹنڈا ہو چکا تھا۔

سریدی سوچ میں پڑ گیا کہ ناگل دادا کا کیا مطلب ہوا۔ بہر حال اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ ناگل دادا کسی غنڈے کا نام ہے۔ مگر یہ غنڈہ کون ہے۔ اور اس کا عمران سے کیا تعلق ہے۔

”حمید! — تم کاؤنٹر میں کو بلا لاؤ۔“ فریدی نے کہا اور حمید خاموشی باہر نکل گیا۔

چند لمحے بعد راجو سریدی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے جب فیروز کو مرے ہوئے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

”کک۔ کک۔“ کیا آپ نے؟ — اس نے ہکلاتے ہوئے فیروز کی لاش

کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔
”نہیں۔۔۔ ایسے کسی نے روشن دان سے گولی مار دی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اور راجو خشک ہونٹوں پر زبان چیر کر رہ گیا۔
”یہ بتاؤ کہ ناگل دادا کون ہے؟“ سریدی نے اچانک سوال کیا اور راجو بوکھلا گیا۔

”ناگل۔ ناگل دادا۔“ خوف سے راجو کی زبان لڑکھڑا گئی۔
”تم کرنل سریدی کے سامنے کھڑے ہو۔ ڈر مت۔ تمہارا کوئی بال بھی بیٹا نہیں کر سکتا۔“ فریدی نے اسے دلاسا دیا۔

اور پھر راجو نے سب کچھ آگل دیا کہ کس طرح ناگل دادا یہاں آیا تھا اور کس طرح وہ یہاں رہے۔ پھر پانچ ساتھی لے کر وہ کالمالی کی پہاڑی پر لڑنے گئے تھے اور پانچوں وہیں مر گئے۔ پھر دو آدمی یہاں آئے۔ یہاں زبردست ہنگامہ ہوا۔ فیروز انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ پھر ناگل دادا آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ ناگل دادا نے ہاتھ میں ایک بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ پھر فیروز نے انہیں نیچے تہ خانوں میں رہنے کی جگہ دے دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ آگئے۔ راجو نے تفصیل سے بتلایا۔

”تو اب سب لوگ نیچے تہ خانوں میں موجود ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ راجو نے جواب دیا۔
”وہ کل کتنی تعداد میں ہیں؟“ سریدی نے کسی خیال سے پوچھا۔
”چار ہیں۔“ راجو نے جواب دیا۔

”تہہ تانوں کا راستہ کدھر ہے؟“ — فریدی نے پوچھا۔

”سٹور روم میں ہے“ — راجو نے جواب دیا۔

”چلو میرے ساتھ“ — فریدی نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا اور پھر راجو، سردی اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سٹور کی طرف بڑھ گئے۔ سٹور روم میں پہنچ کر فریدی نے پوچھا۔

”کہاں ہے وہ راستہ؟“ —

پھر راجو نے فیروز والے طریقے سے دونوں کونوں میں دیوار کو دبایا تو دیوار اپنی جگہ سے کھسک گئی اور راستہ نکل آیا۔

فریدی سب سے آگے ریوالور لے کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے پیچھے حمید، امجدہ میں ریوالور لئے ہوئے تھے اور سب سے پیچھے راجو جو جانے کے لئے مجبور تھا اور خوفزدہ بھی۔



”کیا واقعی ایکسٹو میک آپ میں ہے؟“ — بکرے میں پہنچتے ہی صفدر

نے نعمانی سے کہا۔

”معلوم تو نہیں دیتا۔ لیکن میرے خیال میں یقیناً وہ میک آپ میں ہوگا کیونکہ وہ اتنا بیوقوف تو نہیں ہے کہ بغیر میک آپ کئے عمیروں کے سامنے آجائے“ — نعمانی

نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں! — یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں ایک آپ میں ہوں اور حقیقتاً وہ میک آپ میں نہ ہو؟“ — صفدر نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی ثبوت نہیں — ویسے ہمیں جو کچھ بھی وہ کہے، یقین کرنا ہی پڑے گا۔“ نعمانی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

”مگر ایکسٹو میکاں پہنچ کیسے گیا؟“ — وہ ہم سے پہلے یہاں نہ تھا۔ جبکہ ہم سب عمران کے پیچھے بوکھلائے پھرتے تھے — اچانک ہی میری نظر تم پر پڑی اور پھر تم مجھے یہاں لے آئے۔ وہ ضرور وہاں گیا ہوگا اور پھر یہاں ایکسٹو پہلے سے پہنچ گیا اور اسے کیپٹن شکیل کا بھی پتہ ہے“ — صفدر نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”اس کے امجدہ پر بہت لمبے ہیں مہائی! — جس چیز کیلئے ہم سر پکھتے رہا تھے میں اسے اس کا پہلے سے ہی پتہ چل جاتا ہے“ — نعمانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یار! — ایکسٹو نے عمران صاحب سے کہا تھا کیپٹن شکیل کو ٹیلیفون کرنے کا۔ یا ہمیں؟“ — اچانک ایک خیال آتے ہی صفدر بولا۔

”میرے خیال میں تو عمران صاحب کو ہی کہا تھا“ — نعمانی نے جواب دیا۔

”مگر اب عمران اور ایکسٹو تو دونوں کمرے میں چلے گئے ہیں — میرا خیال ہے کہ اس نے ہمیں ہی کہا ہوگا“ — صفدر نے یقین سے کہا۔

”تو ٹھیک ہے — میں اسے ٹیلیفون کر آتا ہوں“ — نعمانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے — تم جا کر اسے ٹیلیفون کرو اور اسے یہیں بلواؤ — فیروز سے کہنا کہ

وہ تشکیل کو یہاں پہنچا دے۔ — صفدر نے کہا اور نعمانی نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

نعمانی بیڑ صیوں سے ہوتا ہوا سٹور روم میں پہنچا۔ پھر وہاں سے فیروز کے کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کے قریب پہنچتے ہی وہ اچانک ٹھٹک گیا۔ اندر سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے دو آدمی لڑ رہے ہوں۔

نعمانی کو یکدم اس روشندان کا خیال آگیا۔ وہ تیزی سے فیروز کے ساتھ والے کمرے میں گھسا اور پھر ایک میز پر اس نے ایک کرسی رکھی اور کرسی پر چڑھ گیا۔ اب روشندان سے آنکھیں لگا تھیں ہی اس پر حیرت کا شدید دورہ پڑا۔ کمرے میں فیروز اور فریدی کی لڑائی ہو رہی تھی۔

فریدی، فیروز کے چہرے پر لگا تاڑٹھو کر میں لگا رہا تھا اور فیروز بیہوش ہو چکا تھا۔ پھر اسے اٹھا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ حمید نے شراب کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے اور وہ ہوش میں آگیا۔

فریدی اس سے عمران اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ پھر نعمانی نے محسوس کیا کہ فیروز اب شکست تسلیم کر چکا ہے اس لئے وہ ہمارے متعلق ضرور بتلا دے گا۔ چنانچہ نعمانی نے حفظہ ماتقدم کے طور پر ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے سوچا کہ اگر فیروز نے کچھ بتلانا چاہا تو وہ فیروز کو ہی ختم کر دے گا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس وقت سنہری موقع ہے۔ کرنل فریدی کی پشت اس کی طرف ہے اور نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں نہ کرنل فریدی کا چراغ گل کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری۔ چنانچہ اس نے ریوالور کی نال کو روت دندان کے قریب رکھا اور پھر اس کے کان میں ایک آواز پڑی۔

”ناگل داوا۔۔۔“ یہ فیروز کی آواز تھی۔ اسی لمحے نعمانی نے ٹیگہ دبا دیا۔ ریوالور

بانسری لگا ہوا تھا۔ اس لئے ایک شعلہ سا منکلا۔ پھر نعمانی نے یہ دیکھنے کی تکلیف ادا نہیں کی کہ اس گولی کا کیا حشر ہوا۔ وہ بھاگتا ہوا سٹور میں داخل ہو گیا۔ ویسے ہی چنچ اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس لئے اسے اتنا تو یقین تھا کہ گولی کی زد میں کوئی نہ کوئی آگیا ہے۔ نشانہ تو اس نے کرنل فریدی کا لیا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کرنل فریدی بچ گیا ہو۔

سٹور روم میں آتے ہی اس نے تیزی سے خفیہ دروازے کو کھولا اور پھر وہ تقریباً بھاگتا ہوا بیڑ صیوں اترتا چلا گیا۔ پھر کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک بجے سے دروازہ کھولا تو صفدر جو پلنگ پر لیٹا ہوا تھا، اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”صفدر!۔۔۔ میں نے کرنل فریدی کو گولی مار دی ہے۔“ نعمانی نے کہا۔

”صفدر کو محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر بم پھٹ پڑا ہو۔

کیا کہا۔۔۔ فریدی کو گولی مار دی ہے؟۔۔۔“ صفدر نے اس سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔“ نعمانی نے جواب دیا اور پھر مختصر لفظوں میں اس نے تمام تفصیل براد دی۔

میرے خیال میں فوراً ایکسٹو کو اس کی رپورٹ دینی چاہیے۔“ صفدر نے کہا۔

نعمانی نے اثبات میں سر ہلادیا۔

یہ فیصلہ کرتے ہی وہ دونوں تیزی سے کمرے سے باہر نکلے اور پھر دوسرے لمحے ایکسٹو والے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ صفدر نے آہستہ سے دروازہ دستک دی۔ لیکن جواب نہ دارو۔

صفدر نے حیرت سے نعمانی کی طرف دیکھا۔ نعمانی خود حیرت زدہ تھا کہ ایکسٹو

عمران جواب کیوں نہیں دے رہے جبکہ دروازہ اندر سے بند تھا تو اس سے

صاف ظاہر تھا کہ دونوں اندر ہی ہیں۔

صفر نے جھنجلا کر دروازے کو پیٹ ڈالا۔ لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں سخت حیران تھے۔

”ضرور کوئی خاص بات ہو گئی ہے“ — نعمانی نے پریشان لہجے میں کہا۔
”میسر خیال میں دروازہ توڑ دیا جائے“ — صفر نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن اگر ایکسٹناراض ہو گئے تو“ — نعمانی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
”تو پھر کیا کیا جائے؟“ — صفر بھی اب کشمکش میں پڑ گیا۔
”دیکھا جائے گا جو ہوگا۔“ — تم دروازہ توڑ دو“ — نعمانی نے کشمکش سے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر صفر نے پیچھے ہٹ کر شانے کی ایک زوردار ٹکڑ دروازے پر ماری۔ اور دروازہ پہلے ہی دھکے سے چڑھ چلا کر ٹوٹ گیا۔ صفر اور نعمانی دونوں تیزی سے اندر داخل ہو گئے اور پھر حیرت سے ان کی آنکھیں میٹھی کی میٹھی رہ گئیں۔ یہ بات تو ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ عمران اور ایکسٹو بھی بیہوش ہو سکتے ہیں۔ سامنے میٹر پر بیگ کھلا پڑا تھا اور عمران اور ایکسٹو دونوں فرش پر پڑے ہوئے تھے۔

اچانک انہیں احساس ہوا کہ ان کے سر بھی چکرانے لگے ہیں۔
”گیس — بیہوش کر دینے والی گیس“ — صفر چونک اٹھا۔
لیکن گیس کا اثر نہایت خفیف تھا کیونکہ دروازہ کھلنے کی وجہ سے گیس باہر نکل گئی تھی۔

اسی لمحے انہیں دُور سے کسی کے سیرھیاں اترنے کی آواز سنائی دی۔
”نعمانی! — دیکھو کون آ رہا ہے — فیروز آ رہا ہے تو اسے کہو کہ فوراً کسی ڈاکٹر

بولواتے“ — صفر نے نعمانی سے کہا اور نعمانی ہوا کی طرح کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن چند لمحے بعد وہ گولی کی طرح واپس آیا۔

”غضب ہو گیا صفر! — کرنل فریدی مرا نہیں — وہ اور حمید یہاں نہ رہے ہیں“ — نعمانی نے سخت پریشانی کے عالم میں کہا۔

صفر نے یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھ کر بیگ بند کیا۔
”تم عمران کو اٹھاؤ — اور میں ایکسٹو کو — ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا چاہیے“ — صفر نے تیزی سے کہا۔

نعمانی نے بیک کر عمران کو کاندھے پر اٹھایا اور پھر جھپٹ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ پھر صفر اپنے پراسرار لباس کو کاندھے پر اٹھاتے کمرے سے باہر آ گیا لیکن وہ بیگ اٹھانا نہیں بھولا تھا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑتے ہوئے آخری کمرے کی طرف چلے گئے۔ اس سے آگے راستہ بند تھا۔ دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے، اسی لمحے گیلری میں کرنل فریدی، حمید اور راجو داخل ہوئے۔

اب نعمانی اور صفر میٹھی چکے تھے۔ صفر نے تیزی سے عمران کو ہوش میں لانا چاہا مگر عمران ہوش میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ ان دونوں کی کوشش عمران کو ہی ہوش میں لانے کی تھی۔ ایکسٹو کو وہ ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے۔

”بُری طرح پھنسنے ہیں صفر! — اب نکلنے کا کوئی راستہ نہیں“ — نعمانی نے بے بس ہو کر کہا۔

”تم ایسا کر دو کہ تم بھی بیہوش ہو کر ان کے ساتھ ہی لیٹ جاؤ — میں بیگ لے کر دروازے کے پیچھے چھپ جاتا ہوں — بغیر ٹرے ہم بھی ان کے ہاتھ نہیں

آنا چاہیے۔" صفر نے ایک تجویز پیش کی۔

اسی وقت دروازے کے قریب تدموں کی آوازیں ابھریں۔ نغانی فوراً عمران اور ایکسٹو کے قریب لیٹ گیا۔

صفر بیگ لئے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔

یکدم دروازہ کھلا۔ صفر انتظار میں تھا کہ کرنل فریدی اندر آئے۔ لیکن کرنل فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ یوں ہی یکدم اندر گھس جاتا۔

"اوہ! — یہ تین تو یہاں پڑے ہوئے ہیں — چوتھا آدمی کہاں ہے؟" کرنل فریدی کی آواز صفر کے کانوں میں پڑی۔

"اندر ہی ہوگا" — حمید کی آواز آئی۔

"اور بیگ بھی غائب ہے" — کرنل فریدی نے کہا۔

"وہ اور جابھی کہاں سکتے ہیں" — راجو نے دخل اندازی کی۔

"جو کوئی بھی اندر ہے — وہ خاموشی سے باہر نکل آئے ورنہ" — کرنل فریدی نے تھکمانہ لہجے میں کہا۔

لیکن صفر خاموش کھڑا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں ریو اور دوسرے ہاتھ میں بیگ پکڑا ہوا تھا۔

کرنل فریدی شش و پنج میں پھنس گیا۔ کیونکہ وہ اگر اندر داخل ہوتا تو یقیناً چوتھا آدمی اس پر گولی چلا دیتا اور اندھیرے سے آئے ہوئے تیرے کون بچ سکتا ہے۔

صفر بھی اسی لئے خاموش کھڑا تھا کہ کرنل فریدی تنگ آکر کمرے کو خالی محسوس کر کے ضرور اندر آئے گا اور پھر ایک ہی گولی اس کے لئے کافی ہوگی۔

لیکن کرنل فریدی نے ایک اور چال کھیلی — اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"تم باہر نکل آؤ — ورنہ میں عمران کو گولی مار دوں گا۔"

عمران، نغانی اور بلیک زیر و تینوں دروازے کے سامنے پڑے ہوئے تھے۔ کرنل فریدی کی یہ چال خاصی کارگر رہی — صفر شش و پنج میں پھنس گیا۔

"دوسرے ہی لمحے ایک شعلہ سا ابھرا اور گولی عمران کے سر کے قریب ہی ریش سے ٹکرائی۔

"دوسری گولی عمران کے سر میں بھی لگ سکتی ہے — اس لئے تم شرافت سے باہر آ جاؤ" — کرنل فریدی غرایا۔

اب صفر کے لئے باہر نکل آنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ نغانی جو مصنوعی طور پر بے ہوش ہوا پڑا ہے۔ شاید لائی چال کھیل جلتے اور پانسالٹ جلتے۔ لیکن نغانی کرنل فریدی کے ریو اور لہا بالکل زور میں تھا۔ اس لئے اگر وہ حرکت بھی کرتا تو یقیناً کرنل فریدی گولی پگڑتا۔

آخر صفر نے باہر آنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ چنانچہ اس نے ریو اور پھینک دیا اور پھر بیگ وہیں رکھ کر وہ ہاتھ اوپر اٹھاتے دروازے کے پیچھے سے نکل آیا۔ سامنے کرنل فریدی ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ لئے کھڑا تھا۔

اب کرنل فریدی اور حمید اندر کمرے میں داخل ہو گئے۔

"حمید! — ذرا بیگ ڈھونڈو کہاں ہے؟" — فریدی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ صفر کو ریو سے کور کئے کھڑا تھا۔

راجہ شائد واپس چلا گیا تھا۔

حمید متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے کونے میں رکھا ہوا بیگ نظر آگیا۔ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر وہ بیگ اٹھالیا۔
کرنل فریدی کی ساری توجہ صفدر کی طرف تھی جو ہاتھ اٹھاتے خاموشی سے کھڑا تھا۔

نعمانی بالکل دروازے کے سامنے اور حمید کے قریب پڑا تھا۔
دوسرے لمحے اچانک بجلی سی کوندی — یہ نعمانی تھا جو اچانک اچھلا اور حمید کے ہاتھ سے بیگ لیتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے یہ نعمانی نہیں بلکہ کوئی چھلاوہ ہو۔

کرنل فریدی غیر شعوری طور پر مڑا اور ناترک کر دیا۔ مگر دوسرے لمحے صفدر نے ایک زوردار مکہ فریدی کی گردن پر مار دیا۔

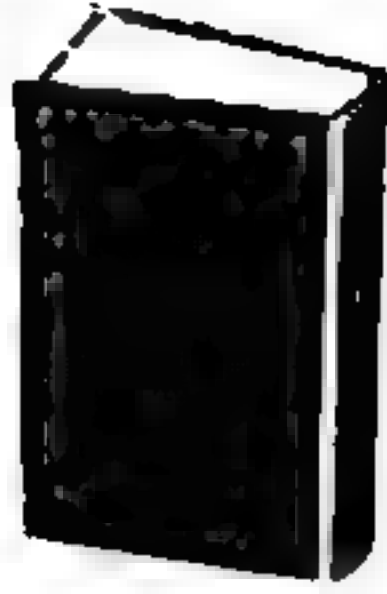
حمید تیزی سے مڑا اور باہر نکلا — مگر نعمانی اس وقت تک گیلی پار کر چکا تھا۔

فریدی ایک مکہ تو سہہ گیا مگر دوسرے ہی لمحے تڑپ کر صفدر کی گردن پر جوڑو کا بھرپور وار کیا۔ اور صفدر رکٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر لڑھک گیا اس کے لئے ایک ہی ہاتھ کافی تھا۔ وار اتنا بھرپور ہوا تھا کہ صفدر سنبھل ہی نہ سکا۔ صفدر کے لڑھکتے ہی فریدی تیزی سے باہر نکلا۔ اور پھر وہ گیلی میں بھاگتا چلا گیا۔

جلد ہی کرنل فریدی میٹریوں پر چلتا ہوا سٹور روم سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

اسی لمحے اسے باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور پھر جب وہ ہٹل

کے بال میں پہنچا تو اس نے ہٹل کے مین گریٹ سے تھوڑی دور نعمانی کو رٹک پر خون میں لت پت پڑے دیکھا۔
بیگ حمید نے اٹھا رکھا تھا۔



کیپٹن شکیل اس وقت سے ایکسٹرو کی کال کا انتظار کر رہا تھا جب سے ایکسٹرو وہاں سے گیا تھا۔ لیکن ابھی تک اسے کال نہیں کیا گیا تھا۔ اب وہ مزید اس مکان میں رکتا نہیں چاہتا تھا۔ ایکسٹرو کو وہ تمام تفصیل بتلا چکا تھا۔ کیونکہ اسے روزی کے متعلق اچھی طرح علم ہو چکا تھا۔

روزی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ لیکن کیپٹن شکیل پتھر دل واقع ہوا تھا۔ اسے نہ کبھی عورتوں سے کوئی غرض رہی تھی اور نہ ہی وہ محبت وغیرہ کا قائل تھا۔ مگر یہاں سچویشن ہی دوسری تھی۔ وہ ہر ملا روزی کے سامنے اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ روزی کا مکان اسے ایک محفوظ اڈہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے روزی کو اسی غلط فہمی میں رکھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

روزی نے اسے میک آپ کا سامان بازار سے لا دیا تھا۔ کیپٹن شکیل نے میک آپ کیا اور پھر وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا تاکہ عمران وغیرہ کا پتہ چلو سکے

روزی نے کیپٹن شکیل سے جلد واپس آنے کے لئے کہا۔ اور وہ روزی سے جلد لوٹ آنے کا وعدہ کر کے مکان سے باہر نکل آیا۔

سڑک پر پہنچ کر کیپٹن شکیل سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ اپنی یادداشت کا ماتم کرنے لگا۔ عمران کے ساتھ رہتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ نعمانی ہوٹل لکی ویو میں ناگل دادا کے روپ میں رہ رہا ہے۔ اور وہاں ہوٹل کا مالک فیروز اسے ناگل دادا سمجھ کر اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ پہاڑی کے واقعہ کے بعد اسے یہ بات یاد ہی نہیں رہی تھی لیکن یہ کوئی ضروری بھی نہیں تھا کہ اب بھی نعمانی یا عمران وغیرہ وہاں مل جائیں لیکن وہاں سے معلوم تو کیا جاسکتا تھا۔

پہنچنے پر اس نے ایک خالی ٹیکسی روکی اور پھر ڈرائیور کو لکی ویو ہوٹل کا کہہ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جلد ہی ٹیکسی لکی ویو ہوٹل کے قریب پارکنگ سٹینڈ پر جا کر رک گئی۔ ڈرائیور نے اشارے سے اسے ہوٹل کے متعلق بتلایا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر وہ لکی ویو کی طرف چل پڑا۔

ابھی وہ لکی ویو ہوٹل کے دروازے سے مٹھوڑی ہی دوڑتا تھا کہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ہوٹل کے دروازے سے نعمانی بے تحاشہ بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ نعمانی ابھی تک ناگل دادا کے روپ میں تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں بیگ پکڑا ہوا تھا۔

اور پھر دوسرے لمحے ہوٹل کے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص نے جو ایک چھوٹا سا خوناچہ لگائے کھڑا تھا۔ اچانک جیب سے ریوالور نکال کر نعمانی پر تار کر دیا اور نعمانی ایک چیخ مارتا ہوا وہیں سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوڑ

جاگرا۔

دوسرے لمحے ہوٹل کے دروازے سے کیپٹن حمید بھاگتا ہوا باہر نکلا اور پھر اس نے جھپٹ کر بیگ اٹھالیا اور وہ دوبارہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف چل دیا۔ دوسرے لمحے اسے کرنل فریدی بھی دہاں نظر آیا۔

لوگ جوق در جوق دہاں ہوٹل کے سامنے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور کرنل فریدی اور کیپٹن حمید دونوں بیگ لئے تیز تیز قدموں سے ہوٹل سے باہر نکلے اور گیٹ کے قریب کھڑی ٹنکن میں بیٹھے اور پھر ٹنکن تیز رفتاری سے سیدھی نکلتی چلی گئی۔

نعمانی ابھی تک سڑک پر پڑا تھا۔ اس کے جسم سے خون نکل کر سڑک پر پھیل رہا تھا۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے جلتے ہی کیپٹن شکیل تیزی سے آگے بڑھا اور پھر وہ جلد ہی نعمانی کے قریب پہنچ گیا۔ گولی نعمانی کے پہلو میں لگی ہوئی تھی۔ خون کافی مقدار میں نکل چکا تھا۔

کیپٹن شکیل نے جھک کر نعمانی کی نبض دیکھی۔ نبض حرکت کر رہی تھی۔ مارکیٹ قریب ہونے کے باوجود ابھی تک پولیس کا کوئی آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ نعمانی کے گرد اکٹھے ہوئے افراد عجیب و غریب رہا کس پاس کر رہے تھے کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔

”جلدی کرو۔ ٹیکسی لاؤ۔ اسے ہسپتال لے جائیں۔“ کیپٹن شکیل نے نبض دیکھنے کے بعد بڑے تحکمانہ لہجے میں لوگوں سے کہا۔ اور لوگ ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

جلدی کرو۔ ٹیکسی لاؤ۔ ایک آدمی کی جان جا رہی ہے۔ جلدی سے ٹیکسی لاؤ۔ کیپٹن شکیل نے جھنجھلا کر کہا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک خالی ٹیکسی وہاں لائی گئی۔ لوگوں کی مدد سے کیپٹن شکیل نے نعمانی کو اٹھا کر ٹیکسی میں ڈالا اور پھر خود بھی ڈرائیور کے قریب بیٹھ گیا۔
"سنٹرل ہسپتال"۔ کیپٹن شکیل نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گاڑی

آگے بڑھا دی۔

کیپٹن شکیل نے بیک مرمر میں تعاقب کا اندازہ لگایا اور پھر جلد ہی اسے یقین ہو گیا کہ ایک کار ان کی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی ہے۔

پہلے تو کیپٹن شکیل کا خیال تھا کہ وہ تعاقب کرنے والوں کو ڈاج وے کر نعمانی کو روزی کے گھر لے جاتے لیکن پھر اس نے سوچا کہ نعمانی کو گولی بڑی نازک

جگہ پر لگی ہے اور کافی سے زیادہ خون بہہ گیا ہے۔ اگر فوری طور پر اس کے جسم سے گولی نہ نکالی گئی اور خون نہ دیا گیا تو نعمانی کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

اور یہ کام ہسپتال میں زیادہ جلدی اور زیادہ ماہرانہ طور پر ہو سکتا ہے۔ اس نے اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔

جلدی ٹیکسی سنٹرل ہسپتال کی عظیم الشان عمارت میں پہنچ گئی۔ شعبہ حادثات کے ڈاکٹروں نے نعمانی کی حالت دیکھتے ہی اسے فوراً آپریشن روم میں بھیجنے کا

آرڈر دے دیا۔ اور نعمانی کو سٹریچر پر ڈال کر آپریشن روم پہنچا دیا گیا۔
کیپٹن شکیل کو پولیس کو بیان دینے کے لئے روک لیا گیا لیکن کیپٹن شکیل

ان کی آنکھ بچا کر ہسپتال سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا چنانچہ ہسپتال سے وہ سیدھا روزی کے مکان پر گیا تاکہ

وہاں سے میک اپ تبدیل کر کے وہ دوبارہ لکی ویلو پہنچے۔

آپ نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ میرے خیال میں تو موقع تھا کہ ان کو گولی مار دی جاتی۔ کیپٹن حمید نے کار چلاتے ہوئے کرنل فریدی سے کہا۔

گاڑی تیز چلاؤ۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت تھی وہ ہمیں مل گئی ہے۔ بس جائیں جہنم میں۔ اور پھر یہ پوش آدمیوں کو گولی مارتے ہوئے تمہیں

نرم نہیں آئے گی۔ فریدی نے کہا۔
آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ کیوں نہیں آتے گی۔ بالکل آئے گی۔

نظمی آئے گی۔ حمید نے آئے گی کی گردان شروع کر دی۔
کون آئے گی۔ فریدی نے اس کی گردان پر حیران ہوتے ہوئے

پوچھا۔
آنے والی آئے گی۔ حمید نے کہہ کر گاتے ہوئے کہا۔

آئے گی تو ضرور۔ مگر بچوں سمیت آئے گی۔ فریدی بھی اس کی آئے گی کی گردان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

بہت تیرے کی۔ سارا تصور برباد کر دیا۔ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اور سریدی نے بیاختہ ایک قبضہ لگا دیا۔
اور پھر گاڑی کو مٹی کے پھاٹک میں مڑ گئی۔

”میسری گاڑی کا انجن بند نہ کرنا بلکہ تیار رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“
کرنل فریدی گاڑی سے اترتا اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا کر مٹی کے اندر چلا گیا جہاں
اس کے حکم کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا۔

کرنل سریدی بیدھا اپنی لیبارٹری میں پہنچا۔ اس نے تیزی سے ایک
خفیہ الماری کھولی۔ اس کے ایک خانے میں بالکل ایسا ہی ایک بیگ پڑا تھا جیسا
وہ عمران وغیرہ سے چھین کر لایا تھا۔ اس نے بیگ میں لگی ہوئی چابی سے
وہ بیگ کھولا۔ اور پھر عمران والا بیگ کھول کر اس میں سے کافیات لے
نکالے اور اپنے بیگ میں رکھ کر بیگ دوبارہ الماری میں رکھا اور الماری بند کر دی۔
دی۔ پھر اس نے میز کی دراز سے چند دیگر کافیات نکالے اور پھر انہیں غرائف نے کہا۔

والے بیگ میں رکھ کر بیگ بند کر دیا۔ اور اسے لے کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا دوبارہ
کار کی طرف آیا۔ اس نے جھپٹ کر کار کا دروازہ کھولا اور پھر کار کے اندر بیٹھ کر
ہوئے کہا۔

”حمید! جتنی تیز گاڑی چلا سکتے ہو چلا تے ہوئے واپس لکی ویل ہوٹل پر قیمت پر حاصل کرنا چاہیں گے۔ تم انہیں باتوں باتوں میں مبتلا دینا
فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید نے بغیر کوئی سوال کئے گتیر بدل کر ایک سیلٹر دبا دیا۔ لیکن کمان کے زخمی کر دیا ہے اور وہ دونوں اس وقت ہسپتال میں ہیں۔ اور ہاں!
نکلے ہوئے تیر کی طرح کو مٹی سے باہر نکلی اور پھر سڑک اس کے ٹائر دوں کے
نیچے تیزی سے سمٹنے لگی۔

جلد ہی وہ دوبارہ لکی ویل پہنچ گئے۔ حمید نے ایک سائیڈ میں کار روکی
فریدی بیگ ہاتھ میں لئے نیچے اتر آیا۔ اسی وقت سامنے سے ایک سڑک جگدیش

اسے آن نظر آیا۔ وہ ہوٹل سے باہر آ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی کرنل فریدی کو
دیکھا اس کی طرف مڑ گیا۔

”ہیلو جگدیش! کیا کر رہے ہو؟“ — ”کرنل سریدی نے مکررتے
ہوتے پوچھا۔

”سرا! وہ آدمی جسے گولی لگی تھی —“ ”جگدیش نے کچھ کہنا چاہا۔
”اوہ ہاں! — وہ کہاں ہے؟“ — ”سریدی نے ادھر ادھر نظریں

”اسے لوگ امٹھا کر ہسپتال لے گئے ہیں۔ میں جب پہنچا ہوں تو اسے
اندر بھی تہہ خانوں میں تین آدمی بے ہوش پڑے
اور اوپر ہوٹل کے مالک فیروز کی لاش پڑی ہے۔“ جگدیش

”ہاں! — میں جانتا ہوں۔ تم ایسا کرو۔ یہ بیگ لو اور اسے اپنی
ان بیہوش افراد کو ہوش میں لے آؤ۔ اس وقت بھی
بیگ تمہارے پاس ہو۔ ویسے خاص رکھنا۔ وہ لوگ یہ بیگ تم سے

”تم انہیں باتوں باتوں میں مبتلا دینا
کرنل سریدی اور حمید کو بھی ہوٹل کے باہر کسی نامعلوم آدمی نے فارنگ
کے زخمی کر دیا ہے اور وہ دونوں اس وقت ہسپتال میں ہیں۔ اور ہاں!

”اگر تم دیکھو کہ اس بیگ کے لئے تمہاری جان خطرے میں ہے تو
بیگ کے لئے اپنی جان مت گنانا۔ بیگ ان کے پاس جانے دینا۔“

”فریدی نے اسے تفصیلی حکم دیتے ہوئے کہا۔
”میں سمجھا نہیں کر رہا کیا چکر ہے۔“ — ”جگدیش نے الجھن آمیز لہجے

میں جواب دیا۔

”تم نہ سمجھو تو زیادہ بہتر ہے“ — فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر مڑ کر واپس کار کی طرف چل دیا۔
انسپیکٹر جگدیش بیگ ہاتھ میں لے کر خاموشی سے واپس ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔



بلیک زیرو ہوش میں آؤ — تمہاری پوزیشن اس وقت سب سے زیادہ اچھا ہے — وہی ایکٹو جسے ممبر ناقابل تسخیر سمجھتے تھے اس وقت بے ہوش ہوا تھا — اور پھر نہ جانے ہماری بیہوشی کے دوران کیا کیا واقعات پیش آئے ہیں — ؟ دروازہ کھلا ہوا ہے — بیگ غائب ہے — ہم جس رے میں بیہوش ہوئے تھے یہ وہ کمرہ بھی نہیں ہے — اور پھر صفدر بھی ہال بیہوش پڑا ہوا ہے — کوئی چکر چل چکا ہے — عمران نے بلیک زیرو کو جھجھکاتے ہوئے کہا۔

اب میں کیا کروں — ؟ بلیک زیرو نے پریشان سے لہجے میں کہا۔
تم کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ — میرے ساتھ بعد میں رابطہ قائم کرنا۔
حال ہمارے پاس ٹرانسمیٹر نہیں ہیں اس لئے ’نولے ملت‘ میں اطلاع کے لئے عمران نے کوڈ اشتہار دے دینا — میں تمہارے پاس پہنچ جاؤنگا — عمران

ہاں — یہ ٹھیک ہے — بلیک زیرو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
اچھا — اب میں صفدر کو ہوش میں لاتا ہوں — تم اس ہوٹل سے بھاگنے کی کوشش کرو — عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔ اور بلیک زیرو اٹھ کر باہر نکل گیا۔

بلیک زیرو کے باہر نکلتے ہی عمران نے صفدر کو ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں کیونکہ اس سے وہ گزرے ہوئے حالات کا پتہ چلا سکتا تھا۔ جلد ہی اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔ صفدر نے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے تک بالی خالی نظروں سے عمران کو دیکھتا رہا۔ پھر یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔
عمران صاحب کیا ہوا — ؟ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

عمران نے کسماکس آنکھیں کھولیں اور پھر ایک جھجکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔
پھر اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پھیل گئیں۔ اس کے قریب ہی صفدر اور بلیک زیرو بھی بیہوش پڑے تھے۔ اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔
عمران کو سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ تو وہ کمرہ نہیں تھا جہاں وہ اور بلیک زیرو بیہوش ہوئے تھے۔ پھر دروازہ تو اندر بند تھا اور اب دروازہ کھلا ہوا ہے — بیگ بھی غائب تھا اور صفدر بھی ان کے ساتھ ہی بیہوش پڑا تھا۔

عمران نے تیزی سے بلیک زیرو کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ گیس کا اثر کافی حد تک ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے بلیک زیرو بھی جلد ہی ہوش میں آ گیا۔
آنکھیں پھاڑے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”کچھ بھی نہیں ہوا۔ ٹائیں ٹائیں فیش“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور عمران کی بے موقع مسکراہٹ صفر کو پوری طرح ہوش میں لے آئی۔ اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”عمران صاحب! — ایکسٹو صاحب کہاں ہیں؟“ — صفر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلے گئے“ — عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

”چلے گئے۔ کہاں چلے گئے؟“ — صفر حیران رہ گیا۔

”جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔ تم اس بات کو چھوڑو اور تم مجھے مختصر طور پر تمام حالات بتاؤ۔“ — عمران نے کہا۔

اور پھر صفر نے تمام حالات مختصر طور پر بتلا دیئے۔

”اوہ! — تو اس کا مطلب ہے کہ نعمانی بیگ نے کرنل جانے میں کامیاب ہو گیا۔“ — عمران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں کہا سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد کے حالات سے میں قطعی لاعلم ہوں۔“ — صفر نے جواب دیا۔

”صفر ایک بات پوچھوں! — ہم بیہوش تو کسی اور کمرے میں ہوئے تھے لیکن ہوش اس کمرے میں آیا ہے۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکتا۔“ — عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”نعمانی اور میں آپ کو اور ایکسٹو صاحب کو اٹھا کر یہاں لے آئے تھے۔“ — صفر نے جواب دیا۔

”مگر کس خوشی میں؟“ — عمران نے پوچھا۔

”در اصل بات یہ تھی کہ جب ہم دروازہ توڑ کر آپ کے کمرے میں داخل ہوئے پس کا اثر ہم پر بھی ہونے لگا۔ اسی لمحے کرنل مندری سڑکیاں بجا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر ہم یہیں رہے تو ان کے یہاں پہنچنے پر ہم دونوں بھی بیہوش ہو جائیں گے۔ اور پھر کمرہ تھا بھی نزدیک لائے میں اور نعمانی آپ دونوں اور بیگ کو اٹھا کر اس آخری کونے والے کمرے میں لے آئے۔“ — صفر نے وجوہات بتلا دیں۔

”بونہ۔“ — عمران نے سر ہلایا۔

”اچھا چلو اب باہر نکلیں۔“ — اور دیکھیں کہ حالات کیا ہوتے ہیں۔“ — مندری یوں ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتا۔ ضرور باہر کوئی خاص پیش آیا ہوگا۔“ — عمران نے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

صفر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے سے باہر نکلے۔

”دوسرے لمحے دونوں ہی مٹھٹھک کر رہ گئے۔ کیونکہ سامنے ایک پولیس آفیسر سپاہیوں سمیت کھڑا تھا اور انسپکٹر کے ہاتھ میں وہی بیگ تھا۔“ — لے لے یہ تمام چکر چل رہا ہے۔

”دونوں ہوش میں آ گئے۔“ — پولیس انسپکٹر نے قدرے سخت لہجے میں ہو گئی بے جناب! — معاف کرو۔ ہم ابھی دوبارہ بیہوش ہو

چکے۔“ — عمران نے گھنگھپاتے ہوئے کہا اور صفر مسکرا دیا۔

”آپ! — تم اپنے آپ کو حراست میں سمجھو۔“ — انسپکٹر چڑ گیا۔

”بھولیا بندہ پرور! — اور حکم فرمائیے۔“ — عمران نے باقاعدہ آداب

انپکٹر صاحب! — ہم جب ہوش میں آئے ہیں تو ہمارا تیسرا ساتھی غائب

ہوا۔ ہم تو خود آپ سے پوچھنے والے تھے کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک

کیا ہے؟ — عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

انپکٹر ایک لمحے کے لئے خاموش رہا۔ پھر وہ سپاہیوں سے مخاطب ہو کر

”تیسرا ساتھی! — صاحب کچھ تو رحم کریں — ہم دو تو مل کر چڑیا کا ہوا۔“

بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتے — ساتھی کہاں سے لے آئیں؟ — عمران

نہیں جناب! — ایک سپاہی نے جواب دیا۔

تم لوگوں نے کسی آدمی کو باہر جاتے دیکھا ہے؟ —

تو پھر وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ پورے ہوٹل کی تلاشی لو اور اسے

لاش لینے چلے گئے۔

اب تم بتاؤ کہ یہ سب کیا چکر ہے؟ — انپکٹر نے بیگ ایک طرف رکھ

کر کسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ دو سپاہی ابھی تک رالفیس لے کر عمران اور صفدر

کے پیچھے کھڑے تھے۔

یہی چکر تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا — ویسے ایک بات بتاؤ انپکٹر

ایہ بیگ تمہیں کہاں سے ملا؟ — عمران نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

یہ بیگ لے کر ایک آدمی ہوٹل سے بھاگتا ہوا باہر نکلا اور پھر اس پر

ان کے گولی چلا دی۔ وہ سڑک پر گر گیا — اسی لمحے کرنل فریدی اور کیپٹن

نید ہوٹل سے باہر نکلے۔ وہ دونوں بیگ اٹھانا چاہتے تھے کہ کسی نامعلوم آدمی

ان پر فائرنگ کر دی اور وہ دونوں بھی شدید زخمی ہو گئے — جب مجھے

ملاع ملی اور میں یہاں پہنچا تو کرنل فریدی اور کیپٹن اور وہ بیگ والا آدمی

ان سڑک پر خون میں لت پت پڑے تھے۔ ان تینوں کو ہسپتال بھیجا دیا گیا

بجالاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟“ — انپکٹر اپنا کسی خیال کے تحت

چونک پڑا۔

”تم باہر چلو — کانسیٹیل اگر یہ کوئی حرکت کریں تو بے شک انہیں گولی

مار دینا — میں ابھی آ رہا ہوں“ — انپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے رفتار کر کے لے آؤ —

انپکٹر غصے سے دھاڑا۔ اور سپاہی کان دہلے

کہا اور سپاہیوں نے رالفیس تان لیں۔

سپاہی عمران اور صفدر کو لئے اوپر پہنچے اور پھر ان دونوں کو ہوٹل کے

ہال میں بٹھا دیا گیا۔

عمران اور صفدر سوچ رہے تھے کہ بیگ تو انپکٹر کے پاس ہے

پھر نعمانی — کرنل فریدی — اور کیپٹن حمید کا کیا بنا — کچھ معاملہ سمجھ

نہیں آ رہا تھا۔

”صفدر! — یہ بیگ ہر صورت میں انپکٹر سے حاصل کرنا ہے“ — عمران

نے صفدر کے کان میں کہا۔

اور صفدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر انپکٹر بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ بیگ

تک اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

”تمہارا تیسرا ساتھی غائب ہے — سچ سچ بتاؤ وہ کہاں گیا ہے“

انپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

ہے اور پھر میں اندر آیا تو پتہ چلا کہ ہوٹل کا مالک فیروز اور اپنے کمرے میں مردہ پڑا ہے اور تم تینوں آدمی نیچے تہہ خانوں میں بے ہوش پڑے ہو۔ اب تم میں سے بھی تیسرا آدمی غائب ہے۔ انسپکٹر نے مختصر طور پر تمام حالات بتلا دیئے۔

”شکریہ انسپکٹر“ — عمران نے مودبانہ لہجے میں انسپکٹر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

”دراصل بات یہ تھی انسپکٹر کہ ہم یہ بیگ کرنل فریدی کے حوالے کرنا چاہتے تھے لیکن کرنل فریدی کے ہمارے پاس پہنچنے سے پہلے کسی نے پراسرار گیس کمرے میں داخل کر کے ہمیں بیہوش کر دیا۔ اب ہمیں ہوش آیا ہے تو تم نے یہ حالات بتائے ہیں“ — عمران نے انسپکٹر کو ایک اور کہانی سنا دی۔

”ٹھیک ہے۔ آپ سچ کہہ رہے ہوں گے۔ لیکن حالات بڑے پراسرار ہیں۔ کرنل فریدی جب تک ہوش میں آکر کوئی بیان نہیں دیتے تم دونوں کو حوالات میں رہنا پڑے گا“ — انسپکٹر نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں سوچ رہے تھے کہ کرنل فریدی اور لغمانی پر فائرنگ کرنے والا کون ہو سکتا ہے جب کہ فائرنگ کرنے والا بیگ بھی نہیں لے گیا تو اس نے کس بنا پر ان لوگوں پر فائرنگ کی۔

”میں ملا جناب! پورا ہوٹل چھان مارا ہے“ — ایسٹو کو تلاش کرنے والے سپاہی واپس آگئے۔

عمران نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا کہ بلیک زیرو ہوٹل سے باہر

نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

”اچھا۔“ — ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو اور انہیں لے جا کر دین میں بٹھا دو۔“ — انسپکٹر نے عمران اور صفدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا۔

”مم۔ مم۔“ — مگر انسپکٹر صاحب! — ہم تو شریف آدمی ہیں۔ میرا مطلب ہے ہتھکڑیاں۔“ — عمران نے خوفزدہ ہونے کی بہترین ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا“ — انسپکٹر نے درشت لہجے میں کہا۔ اور پھر دو سپاہی ہتھکڑیاں لے کر عمران اور صفدر کی طرف بڑھ آئے۔

عمران نے صفدر کی طرف دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ صفدر بھی تیار ہو گیا تھا۔ وہ عمران کا اشارہ سمجھ گیا تھا کہ اب انہیں بیگ لے کر یہاں سے فرار ہونا ہے۔

سپاہیوں کے قریب آتے ہی عمران نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی جاسکے۔ سامنے انسپکٹر ہاتھ میں بیگ پکڑے غاروشی سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی سپاہی عمران کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالنے لگا، عمران اچانک اپنی جگہ سے بجلی کی طرح اچھلا اور پھر دو کمرے انسپکٹر کو پکڑ کر اپنے ساتھ گھماتا ہوا اس کی پشت پر آگیا۔ عمران کا ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد حائل ہو گیا اور انسپکٹر کو اس نے بڑی طرح جکڑ لیا تھا۔ ان کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کو رافضی چلانے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ اور یہ سب کچھ ہو گیا۔ اور اب وہ ایسا کر بھی نہیں

سکتے تھے کیونکہ ان کے سامنے انپکڑ تھا۔

ادھر صفدر بھی خاموش نہیں کھڑا رہا۔ اس نے انتہائی تیزی سے انپکڑ کے ہاتھ سے بیگ جھپٹ لیا اور خود عمران کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اب عمران اور صفدر دونوں انپکڑ کی آڑ میں تھے۔

انپکڑ! — اپنے سپاہیوں سے کہو کہ رائفلیں پھینک دیں — ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا — عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ اس نے ساتھ ہی بازو کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔

رائفلیں پھینک دو! — انپکڑ نے گھٹے گھٹے لہجے میں سپاہیوں کو حکم دیا اور سپاہیوں نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے رائفلیں پھینک دیں۔

صفدر! — تم انپکڑ کے ہوسٹر سے ریولور نکال لو — اور بیگ لے کر جاؤ — عمران نے صفدر سے کہا۔

صفدر نے آگے بڑھ کر انپکڑ کی جیب سے ریولور نکال لیا اور پھر بیگ لے کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا۔

عمران بھی انپکڑ کو اسی طرح ساتھ لے کر ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے اس نے انپکڑ کو زوردار دھکا دیا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ انپکڑ اور سپاہی سنبھلتے، عمران گولی کی طرح بھاگتے ہوئے ہوٹل کے ساتھ والی ایک گلی میں غائب ہو گیا۔ سپاہی اس سے پیچھے لپکنے لگے لیکن انپکڑ نے انہیں روک دیا۔

جانے دو انہی، — ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے — اب تم سب واپس چلو! — انپکڑ نے سپاہیوں سے کہا اور سپاہی حیرت سے منہ پھاڑے انپکڑ کو دیکھتے گئے کہ وہ چوروں کو گرفتار کرنے کی بجائے انہیں بھاگنے کا

موقع مہیا کر رہا ہے۔ لیکن وہ ان گہری چالوں کو کیا سمجھتے۔ انپکڑ غریب کو تو خود بھی پتہ نہیں تھا کہ اصل چکر کیا ہے۔ وہ کرنل فریدی کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔



”یہاں آپ نے کیا چکر چلا دیا ہے —؟ اپنی سمجھ سے تو باہر ہے۔“ حمید نے کوٹھی واپس پہنچتے ہی پہلا سوال داغ دیا۔

”تم دیکھتے جاؤ حمید! — میں نے عمران کو ایسا چکر دیا ہے کہ وہ تمام عمر یاد رکھے گا۔“ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ غریب بھی عمران کی طرح چکر میں رہے گا — یا اسے بھی کچھ پتہ چلے گا؟“ حمید نے بڑے ہی عاجزانہ لہجے میں کہا۔

”تم بازہ نہیں آؤ گے حمید! — تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ حالات کو خود سمجھنے کی کوشش کیا کرو — اب میں تمہیں بیٹھا پورٹ دیتا رہوں کہ اب یہ ہوا ہے۔ اب وہ ہوا ہے۔“ کرنل فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ ڈانٹ سُن کر وہ اور کہتا بھی کیا —؟ جی جلا نے سے کیا نامزدہ؟

”ناراض ہو گئے — اچھا سنو! دراصل چکر یہ ہے کہ میں نے بہت پہلے

دو قسم کے بیگ تیار کروائے تھے۔ — مجھے علم تھا کہ عمران اور اس کے ساتھی فارمولا اڑانے کی کوشش کریں گے۔ حفظ مالتقدم کے طور پر میں نے یہ بیگ ایک ہی جیسے تیار کر دئے۔ ان میں سے ایک بیگ میں میں نے ایک خاص قسم کی زود اثر اور بے رنگ گیس تالوں کے اندر بھر دیا تاکہ جب بھی کوئی انہیں غلط طریقے سے کھولنے کی کوشش کرے۔ یہ گیس انہیں بے ہوش کر دے۔ — اس کے ساتھ ہی بیگ کے اندر بیٹری لے لی گئی تھی جو بھی فیٹ تھا جس کا سسٹم بھی بیگ کھولنے کے عمل سے متعلق تھا۔ جب بھی کوئی شخص بیگ کھولتا۔ یہ ٹرانسمیٹر اشارے دینا شروع کر دیتا تھا۔ اور میری بلیک فورس کے ہیڈ کوارٹر میں ان اشاروں کو رسیو کرنے والی مشین موجود ہے۔ تمہیں یاد ہے میں نے کہا تھا کہ ترب کا پتہ ابھی میسر نہ ہوا تھا۔ وہ یہی تھا۔ یہ بیگ میں نے خفیہ طور پر پروفیسر ڈاک رینالڈ کو پہنچا دیا۔ اور اسے ہدایت کی کہ وہ فارمولا مکمل کرنے کے بعد کاغذات اس بیگ میں رکھے۔ اور یہ بیگ مجھے پہنچا دے۔ — عمران اور اس کے ساتھی یہ بیگ اڑا لینے میں کامیاب ہو گئے پھر جیسے ہی انہوں نے یہ بیگ کھولا۔ — وہ بیہوش ہو گئے۔ — اور ادھر مشین کے ذریعے مجھے پتہ چل گیا کہ بیگ کہاں ہے۔ کیونکہ مشین کے اشاروں سے سمت اور محل وقوع کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ مشین کی نشاندہی پر میں ہوٹل لکی ویلو پہنچا اور وہاں سے بیگ حاصل کر لیا۔ — لیکن اب تم جانتے ہو کہ اگر میں بیگ لے کر آجاتا تو یقیناً عمران اور اس کے ساتھی اس بیگ کو حاصل کرنے کے لئے سرورہ کی بازی لگا دیتے۔ — چنانچہ میں نے پیش بینی کے لئے خود ہی جعلی قسم کے کاغذات تیار کر کے رکھ لئے۔ بیگ لے کر میں اور تم کوٹھی پہنچے۔ — میں نے یہاں آکر اصلی کاغذات نکال کر دوسرے بیگ میں

رکھے اور جعلی کاغذات اس بیگ میں رکھ کر واپس بیگ ہوٹل لکی ویلو پہنچا دیا۔ اب عمران وغیرہ کے ہوش میں آنے کے بعد انسپکٹر جگدیش انہیں بتلا دے کہ کرنل فریدی اور حمید کو کسی نے زخمی کر دیا ہے۔ — اب عمران انسپکٹر کے ہاتھ سے بیگ اڑانے کی کوشش کرے گا اور انسپکٹر زیادہ رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور انہیں بیگ لے جانے دیگا۔ — عمران اور اس کے ساتھی سمجھیں گے کہ وہ اصل بیگ لے گئے ہیں اور پھر جب انہیں پتہ چلے گا کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید زخمی ہیں تو وہ اس دوران بیگ لے کر ملک سے نکل جانے کی کوشش کریں گے اور پھر میسر آویں اس سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں پیدا کریں گے۔ نتیجتاً عمران اور اس کے ساتھی جعلی کاغذات لیکر اپنے ملک چلے جائیں گے۔ اور پھر جب وہاں پہنچ کر انہیں پتہ چلے گا کہ کاغذات جعلی ہیں تو پھر عمران کی حالت قابل رحم ہوگی۔ — کرنل فریدی نے تفصیل سے حمید کو بتلایا۔

پلان تو بڑا اچھا ہے۔ — مگر اس میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں؟ حمید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ویسے وہ کرنل فریدی کے اس پلان سے بہت متاثر ہوا تھا۔

”وہ کیا؟“ فریدی نے چونک کر پوچھا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے وہی بیگ انہیں کیوں واپس کیا؟ دوسرا بیگ جو آپ کے پاس پڑا تھا وہی واپس کر دیتے“ حمید نے کہا۔

”یہ کوئی بات نہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ عمران کو کسی قسم کا شک پڑے۔ — وہ بیگ پہاڑی وغیرہ سے گر کر ان کے ہاتھوں میں رہ کر خاصا سیلا ہو چکا تھا۔ — دوسرا بیگ بالکل نیا ہے۔ بیگ تبدیل ہوئے ہی عمران

کو احساس ہو جاتا کہ یہ بیگ دوسرا ہے — چنانچہ سارا پلان ہی ختم ہو جاتا۔
فریدی نے وضاحت کی۔

”چلو یہ تو ٹھیک ہے — دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے وہ کاغذات
اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہیں —؟ انہیں حکومت کے حوالے کر دیں۔“
حمید نے کہا۔

”اب بچوں والے سوالات مرت کرو — کاغذات اگر میں حکومت کے حوالے
کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ عمران کو احساس ہو جائے کہ اس سے دھوکہ ہوا ہے
تو وہ وہاں سے کاغذات لے اڑے گا — کاغذات میرے پاس ہوں
گے تو وہ مجھ سے ہی حاصل کرے گا اور یہ ناممکن ہے — جب وہ اپنے
ملک واپس پہنچ جائے گا تو میں یہ کاغذات گورنمنٹ کے حوالے کر دوں گا۔“
کرنل منریڈی نے جواب دیا۔

حمید خاموش ہو گیا۔

اسی لمحے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ کرنل منریڈی نے رسیور اٹھا لیا۔

”ہارڈ اسٹون“ — فریدی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”نمبر الیون سر“ — دوسری طرف سے نمبر الیون کی آواز سنائی دی۔

”رپورٹ“ — منریڈی نے سخت لہجے میں کہا۔

”سر! — عمران اور اس کا ساتھی انسپکٹر کے ہاتھ سے بیگ چھین کر
فرار ہو چکے ہیں“ — نمبر الیون نے رپورٹ دی۔

”گڈ! — ویسے تم نے ان کو نظروں میں رکھا ہے“ — کرنل منریڈی
نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”میرے آدمی ان کا تعاقب کر رہے ہیں“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”گڈ! — ایسا کرو کہ صبح کی اخبار میں یہ خبر شائع کرادو کہ کرنل منریڈی
اور کیپٹن حمید کو کسی نامعلوم انسداد نے فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا ہے۔“
فریدی نے کہا۔

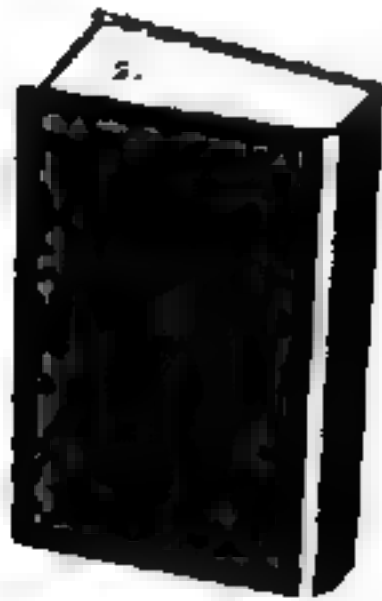
”اوکے سر — میں ابھی اس کا انتظام کرائے دیتا ہوں“ — نمبر الیون
نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — عمران اور اس کے ساتھیوں کو نظر میں رکھو — مگر اس
کے کسی کام میں رکاوٹ مت ڈالو — اور مجھے وقتاً فوقتاً ان کی رپورٹ
دیتے رہو — مگر اب تمہیں رپورٹ صرف ٹرانسمیٹر پر ہی دینی ہوگی۔ آج سے
اب کو چھٹی چھوڑ کر نمبر ۱۷ پر رہائش پذیر ہوں گا“ — فریدی نے تفصیلی
احکام دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے سر!“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

اور فریدی نے رسیور کر ٹیل پر رکھ دیا۔

”چلو حمید! — تمہارا میک آپ کر دوں“ — منریڈی نے کہا اور
حمید خاموشی سے اٹھ کر فریدی کے پیچھے اندر چل دیا۔



صفدر دورگلی کے ایک کونے میں چھپا ہوا عمران کا انتظار کر رہا تھا۔

”شکیل — تم کہاں؟“ — صفدر کو کیپٹن شکیل کے اس طرح ملنے سے بے حد خوشی ہوئی۔
 میں تمہیں دیکھنے کے لئے ہوٹل لکی ویو جا رہا تھا۔ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”چلو ہم یہاں سے چلیں۔“ — ورنہ ہم نظروں میں آجائیں گے۔ سامنے بس سٹاپ پر عمران صاحب بھی موجود ہیں۔“ — صفدر نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔
 ”اوہ! — چلو۔“ — کیپٹن شکیل نے چونک کر کہا۔ اور پھر وہ دونوں بس سٹاپ کی طرف چل دیتے۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بس سٹاپ کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ عمران بھی بھیڑ میں سے نکلا، کران کے پیچھے چل دیا۔
 پھر کیپٹن شکیل نے ایک ٹیکسی روکی اور صفدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں عمران بھی پہنچ چکا تھا۔

”کیپٹن شکیل! — تم یہاں کیسے ٹپک پڑے؟“ — عمران نے قریب پہنچتے ہی کہا۔
 ”آپ ٹیکسی میں بیٹھتے عمران صاحب! — اطمینان سے بتلاؤں گا۔“ کیپٹن شکیل نے کہا۔

اور پھر عمران کو ٹیکسی میں بٹھا کر ”وہ خود بھی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتلایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے چل پڑی۔“
 عمران کی آنکھیں بیک مرر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ تعاقب کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کرنل سریدی کے آدمی اس آسانی سے تو پیچھا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ لیکن اسے اندازہ نہ ہو سکا۔

”یا تو سرے سے تعاقب ہی نہیں ہوا۔“ — کیپٹن شکیل نے کہا۔
 ”اگر آپ حکم دیں تو ہم نعرے لگانا شروع کر دیں گے۔“ — عمران نے جواب دیا۔ اور صفدر منہ بنا کر رہ گیا۔

”کیپٹن شکیل! — اگر آپ حکم دیں تو ہم نعرے لگانا شروع کر دیں گے۔“ — عمران نے جواب دیا۔ اور صفدر منہ بنا کر رہ گیا۔

کو دوٹ دو۔ بڑے بڑے نوٹ لو۔۔۔۔۔ عمران نے باقاعدہ نعرے لگانا شروع کر دیئے۔
 ارے ارے — یہ کیا کرنے لگے — کیا چوری کرنے کا ارادہ ہے؟
 کیٹن شکیل کو تالا کھولتے دیکھ کر گھبرا جانے کی اداکاری کی۔ صفر

”ارے ارے عمران صاحب — یہ کیا غضب کر رہے ہیں —؟ ابھی بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 لوگ گھروں سے باہر نکل آئیں گے۔“ کیٹن شکیل بوکھلا گیا۔
 ”تو پھر کیا ہوا — میں اور زور سے نعرے لگانا شروع کرونگا۔ عمار نل ہو گیا۔
 نے کہا۔“

”آخر ان نعروں کی کوئی وجہ تسمیہ بھی ہو؟“ کیٹن شکیل نے پوچھا۔
 ”بھئی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تم اب جب سے ملے ہو — رہنمائی کا فرض لا پہنچ گئے۔
 ادا کر رہے ہو — نہ کچھ بتلاتے ہو — نہ بات کرتے ہو — بس آگے تشریف رکھتے — اور اب آپ بے فکر ہو کر بات کیجیے — اب ہم
 آگے بھاگے چلے جا رہے ہو۔“ عمران نے اصل وجہ سے پردہ اٹھاتے نوٹ میں — کیٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ہوتے کہا۔
 ”یار! — چاتے مل جاتے گی۔“ صفر نے پوچھا۔

”بس اتنی سی بات پر آپ مجھے اتنی بڑی سزا دینے لگے تھے۔“ کیٹن ہاں — کیوں نہیں — میں ابھی بنا کر لاتا ہوں۔“ کیٹن شکیل نے
 شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”یعنی لیڈر بننا سزا ہے۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”آپ جیسی قوم کا لیڈر بننا تو واقعی سزا ہے۔“ صفر نے کہا۔ اور اب تو صرف بند تھا۔ اسے تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی کھل گیا۔
 وہ دونوں ہنس پڑے۔
 ”ان نے سو نگھنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن اس بار اس کے تالوں سے کوئی
 ان وغیرہ خارج نہیں ہوتی۔

اور پھر ایک موڑ مڑتے ہی سامنے گلی بند ہو گئی۔
 ”ارے یہ گلی تو بند ہو گئی — اب کیا دیوار چاند کر چلنا پڑیگا۔“ عمران
 بیگ میں کاغذات موجود تھے۔ عمران نے وہ کاغذات اٹھا کر پڑھنے شروع
 دیتے۔۔۔۔۔ گو عمران نے سائنس میں ڈاکٹر ٹیٹ کیا ہوا تھا۔ لیکن ان کاغذات

کیٹن شکیل نے آگے بڑھ کر جیب سے چابی نکالی اور چہرہ بائیں طرف
 ایک دروازے پر لگا ہوا تالا کھولنے لگا۔
 ”ارج کئے گئے ہند سے اور نمبر اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ اس نے کافی سر
 پایا۔ لیکن کوئی آئیڈیا اس کے ذہن میں نہ آسکا۔ آخر تنگ آکر اس نے

کاغذات دوبارہ بیگ میں رکھ دیئے اور بیگ بند کر دیا۔

اب کیا پروگرام ہے عمران صاحب؟ — صفدر نے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو نعمانی کا پتہ کرنا ہے کہ اس کی کیا پوزیشن ہے؟“

دوسرا یہاں سے نکلنے کا یہ بڑا نا اور موقع ہے — کرنل مندری اور کیپٹن حمید

دونوں زخمی ہیں اس لئے بلیک فورس تقریباً مضبوط ہو چکی ہے — کاغذات

ہمارے پاس ہیں — ہم آسانی سے نکل سکتے ہیں — عمران نے کہا۔

”یہ تو ٹھیک ہے — لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کرنل مندری

اور کیپٹن حمید واقعی زخمی ہو گئے ہیں؟“ — صفدر نے ایک اعتراض کرتے

ہوئے کہا۔

”بات تو تمہاری کافی معقول ہے — لیکن اس بات کو اس لئے تسلیم

کرنے پر میں مجبور ہو گیا ہوں کہ اگر وہ دونوں زخمی نہ ہوتے تو پھر وہ یہ بیگ

کیوں چھوڑ دیتے — جبکہ میں تسلی کر چکا ہوں کہ بیگ بھی وہی ہے۔ اس

پر لگی ہوئی خراشیں تباہی ہیں کہ یہ وہی بیگ ہے — اور دوسرا اس

میں نارمولا والے کاغذات بھی موجود ہیں — لیکن ایک الجھن ہے کہ آخر

نعمانی — مندری — اور کیپٹن حمید پر گولیاں چلانے والا کون تھا؟ اور

اس کا مقصد کیا تھا؟“ — عمران نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں! — یہ بات تو قابل غور ہے“ — صفدر نے بھی سر ہلا دیا۔

اتنے میں کیپٹن شکیل چائے کی ٹرے ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوا۔

”کیپٹن! — بتلاؤ تو سہی یہ تم نے کس کے مکان پر قبضہ کر رکھا ہے؟“

صفدر سے رہانہ گیا۔ وہ بول پڑا۔

”کیپٹن شکیل نے شادی کر لی ہے — یہ مکان اس کی بیوی کو جہیز میں

ہے“ — عمران نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہائیں — یہ میں کیا سن رہا ہوں؟“ — صفدر کے ہاتھ سے پیالی

گرتے چھوٹتے بنی۔

عمران صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں — میسرے بیدی ابھی دفتر سے

انے والی ہے“ — کیپٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور صفدر جو ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہا تھا۔ حیرت سے آنکھیں میچاڑ

رو گیا۔

کیپٹن شکیل نے صفدر کو جو اس بڑی طرح حیران دیکھا تو اس نے مختصر طور

حالات بتلا دیئے۔ یہ حالات عمران پہلے ہی بلیک فورو کی زبانی سن چکا تھا۔

لئے وہ خاموشی سے بیٹھا چائے پیتا رہا۔

حالات سن کر صفدر نے سکون کی سانس لی۔

عمران صاحب! — یہ بیگ آپ کو کہاں سے ملا؟ — کیپٹن شکیل

ایز پر رکھے ہوئے بیگ کو دیکھ کر عمران سے سوال کیا — اور عمران

اب پڑا۔

کیا مطلب؟ — عمران نے حیران ہو کر پوچھا۔

اس بیگ کی وجہ سے تو نعمانی زخمی ہوا تھا — یہ وہی بیگ ہے یا

اور ہے؟ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔ اور عمران سنبھل کر بیٹھ گیا۔

اس کا مطلب ہے کہ تم کچھ نہ کچھ مزید حالات جانتے ہو؟ — عمران

سوال کیا۔

”ہاں! — کچھ نہ کچھ تو جانتا ہی ہوں — اور پھر اس نے گزرے

سے تمام حالات سنا دیئے۔

”ادہ!۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری کرنل فریدی کی سازش ہے۔ وہ جنسی وغیرہ نہیں ہوتے۔ یہ ڈرامہ ہیں دھوکہ میں رکھنے کے لئے کھیلایا گیا ہے۔“ عمران اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔
 ”یہ فیصلہ آپ کر لیں۔ بہر حال جو کچھ میں نے آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بتلایا ہے۔“ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”کیپٹن شکیل!۔ تم نے آج بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں متواتر اسی الجھن میں تھا کہ یہ سارا چکر کیا ہے۔؟ میرا ذہن معطل نہیں ہو رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی چال کھیلی گئی ہے۔ لیکن میں اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔ اب بات کھل گئی ہے۔“ عمران نے تحین آمیز نظروں سے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں!۔ اگر کیپٹن شکیل اتفاق سے دہاں عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو ہم یہ بات نہ سنا سکتے۔“

بیگ لے کر یقیناً اپنے ملک چلے جاتے۔ اور پھر جب یہ انکشاف ہوتا کہ کاغذات جعلی ہیں۔ تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔“ صفر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں کرنل فریدی کی چال اس پر الٹ دوں گا۔ کرنل فریدی کی طبیعت میں جانتا ہوں۔ وہ اس وقت تک کاغذات اپنے پاس رکھے گا جب تک ہم اپنے ملک میں نہیں پہنچ جاتے۔ اپنی والست میں سمجھ رہا ہو گا کہ وہ ہمیں دھوکہ دے چکا ہے۔ اب ہم اس کے اصل کاغذات اگر خاموشی سے اڑالیں اور ان کے بجائے یہ جعلی کاغذات دہاں رکھ دیں وہ یہی سمجھے گا کہ میرے پاس جعلی کاغذات ہیں اور اس کے پاس اصلی کاغذات ہیں۔“

”لیکن اس میں ایک نفسیاتی پہلو مخفی ہے۔ جب میں اپنے ملک جعلی کاغذات لے کر جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ میرے ملک میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور پھر جب ہمارے چلے جانے کے بعد اسے

رنگار میں اصلی کاغذات لے گیا ہوں اور اس کے پاس جعلی کاغذات ہیں تو بڑے سر پیٹ کر رہ جائے گا۔“ عمران نے اپنے رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

”بہترین پلان ہے عمران صاحب!۔ لیکن اس میں چند نکات قابل غور ہیں۔“ صفر نے کہا۔

”وہ کیا؟“ عمران نے سوالیہ نظروں سے صفر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ یہ جعلی کاغذات میرے خیال میں خود کرنل فریدی کے تیار کردہ ہیں اس لئے جیسے ہی اس کی نظر کاغذات پر پڑے گی وہ سمجھ جائے گا کہ اصل کاغذات غائب ہو گئے ہیں۔“ صفر نے ایک نکتہ پر اصرار کیا۔

”معتدل اعتراض ہے۔ اور اس کا یہی ایک حل ہو سکتا ہے کہ اصل کاغذات اس کے بعد ہم جتنی جلدی ہو سکے اس ملک کو چھوڑنے کی کوشش کریں۔ جب تک کہ اسے کاغذات کے رد و بدل کا علم ہو۔ ہم اس ملک کی سرحد پار نہیں ہوں۔“ عمران نے جواب دیا۔

”دوسری بات یہ ہے کہ جب تک ہم وہ کاغذات حل کریں۔ کیا اس بات پر غور نہیں ہے کہ وہ اصل کاغذات کا فوٹو اتر والے اور نتیجہ میں ہم اصل کاغذات لے بھی جائیں تو اسے کوئی نقصان نہ ہو۔“ صفر نے دوسرا اعتراض کیا۔

”یہ بھی معقول بات ہے۔ لیکن اس میں ایک نفسیاتی پہلو مخفی ہے۔ جب اسے اس بات کا یقین نہ ہو جاتے کہ مجھے فراڈ کا پتہ چل چکا ہے اور میں

اصل کا غذات اڑانے کی فکر میں ہوں۔ وہ فوٹر کھینچنے کا سوچے گا بھی نہیں۔
عمران نے کہا۔

صفدر خاموش ہر گیا۔

”ایک بات اور ہے۔ اور وہ یہ کہ اب کا غذات کہاں ہوں گے۔ اور انہیں کس طرح اڑایا جاتے؟“ کیپٹن شکیل نے کہا۔

”ہاں!۔۔۔ یہ بات قابل غور ہے۔ ویسے پہلے کرنل فریدی کی کوٹھی چھک کرنی پڑے گی۔ مجھے امید تو نہیں کہ کرنل فریدی کا غذات کوٹھی ہی میں رہنے دے۔ مگر پھر بھی کوئی امکان خالی از بحث نہیں ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔

اسی لمحے دوسرے کمرے میں پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ کیپٹن ٹیکل فوراً اٹھ گیا۔ صفدر اور عمران دونوں خاموش بیٹھے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔

تھوڑی دیر بعد کیپٹن شکیل واپس آیا۔
”ہمارے مکان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔“ کیپٹن شکیل نے آتے ہی ہم چھوڑا۔

”کیسے پتہ چلا؟“ صفدر نے پوچھا۔
”روزی کا ٹیلیفون آیا تھا کہ وہ جب دفتر سے گھر آنے لگی تو اسے گلی میں اور ارد گرد چند مشکوک آدمی ٹہلتے ہوئے ملے۔ اس نے گھر آنے کی بجائے مجھے ٹیلیفون کرنا ہی زیادہ مناسب سمجھا۔“ کیپٹن شکیل نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

”تو تمہاری نام نہاد بیوی اب جاسوسہ بھی بن گئی ہے۔“ عمران نے

مکراتے ہوئے کہا اور کیپٹن شکیل اور صفدر مکر پڑے۔

عمران نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھایا اور پھر اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس بیگ

کا ایک کا نامہ تو وہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے تالوں میں بیہوش کر دینے والی گیس

کا ذخیرہ موجود ہے۔ عمران نے کا غذات نکال کر باہر رکھے اور پھر

اس کا اچھی طرح پوسٹ مارٹم کرنا شروع کر دیا۔ اوپر گئے ہوئے کپڑے کو

بیسے ہی اس نے مچاڑا اس کے ہاتھ کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور بیگ اس کے

ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگرا۔ اور وہ خود بھی کرسی سے گرتا گرتا بچا۔

”کیا ہو گیا؟“ کیپٹن شکیل اور صفدر بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

”کچھ نہیں۔“ عمران نے دوبارہ بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس

نے ایک دفعہ پھر بیگ کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔

”ہوں!۔۔۔ اب پتہ چلا کہ کرنل فریدی کو فیروز والے اڈے کا کیسے پتہ

چلا تھا۔“ عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں ہولت سے بنے عمران کی

شکل دیکھ رہے تھے۔

”میں اب تک اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ کرنل فریدی کو فیروز والے اڈے

کا کیسے پتہ چلا۔“ لیکن یہ الجھن دور نہ ہو سکی۔ اب جب شکیل نے

یہ اطلاع دی کہ بلیک فورس کے آدمی اس مکان کی نگرانی کر رہے ہیں تو ایک

بار پھر سنجیدگی سے سوچنا پڑا کہ انہیں اس مکان کے بارے میں کیسے علم ہوا جبکہ

ہمارا ناقاب بھی نہیں ہوا۔“ عمران نے بتایا۔

”ہاں!۔۔۔ یہ بات تو قابل غور ہے۔“ صفدر نے بھی کہا۔

”لیکن اب میں پتہ چلا چکا ہوں کہ یہ سب کچھ کیا دھڑا اس بیگ کا ہے۔“

عمران نے کہا اور پھر اس نے بیگ اٹھا کر انہیں دکھایا

بیگ کے پچھلے قبضوں میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر فٹ تھا۔ جب بھی یہ بیگ کھلتا ہے یہ ٹرانسمیٹر اشارے نشر کرتا ہے اور کرنل فریدی کی ریسیورنگ مشین اسے قبول کر لیتی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی وہ مشین اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دیتی ہوگی۔ اسی لئے جب تک ہم نے یہ بیگ نہیں کھولا تھا کرنل فریدی ہمارا پتہ نہ چلا سکا۔ مگر جیسے ہی فیروز کے اڈے میں ہم نے بیگ کو کھولا فریدی کو پتہ چل گیا اور وہ اڈے پر پہنچ کر بیگ لے جانے میں کامیاب ہو گیا اب یہاں آکر ہم نے بیگ کھولا تو کرنل فریدی کو اس مکان کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ لیکن اب اس کے آدمی صرف نگرانی کر رہے ہیں۔" — عمران نے تفصیل بتائی۔

ابوالخیر

صفدر اور کیپٹن شکیل یہ سب کچھ سن کر دم بخود رہ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کرنل فریدی کتنا ذہین اور پیش بین ہے۔ اس نے پہلے ہی تمام آنے والے واقعات کا سدباب کر لیا تھا۔ لیکن اس بار چونکہ اس کا مقابلہ عمران جیسے شخص سے تھا اس لئے اس کی ہر خیال بے نقاب ہو جاتی تھی۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟" — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔
"کرنا کیا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں اس بیگ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد یہاں سے نکل چلیں گے۔" — عمران نے جواب دیا اور پھر اس نے بیگ سے وہ کاغذات نکال کر اپنی جیبوں میں سمٹو لئے اور کیپٹن شکیل سے کہا۔

"کیپٹن شکیل! — یہاں مٹی کا تیل مل جائے گا؟
"مل تو جائے گا۔ مگر —" — کیپٹن شکیل نے نشاندہی کے تیل کے

صرف نہیں سمجھ سکا تھا۔

"تم لے آؤ۔ اگر مگر مت کرو۔" — عمران نے سنجیدگی سے کہا اور کیپٹن شکیل اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔
پنڈ لمحوں بعد کیپٹن شکیل مٹی کے تیل کی بوتل لے کر اندر داخل ہوا۔
"اس بیگ پر مٹی کا تیل ڈال کر اس کو آگ لگا دو۔ نہ رہے بالنس نہ بچے بالنسری" — عمران نے کہا۔
اور دوسرے لمحے کیپٹن شکیل نے بیگ پر پوری بوتل ڈال دی۔ صفدر نے ماحس دھائی اور بیگ دھڑا دھڑ بھٹنے لگا۔ اور وہ تینوں جلتے ہوئے بیگ کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

جب بیگ جل کر راکھ ہو گیا تو عمران نے بوٹ سے راکھ کریدی تو راکھ میں سے ایک چھوٹی سی مشین کی جلی ہوئی مشین نکلی۔
"یہ دیکھو! — یہ وہ ٹرانسمیٹر ہے" — عمران نے صفدر اور کیپٹن شکیل کو وہ مشین دکھاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ اب بھی کام کرے گا؟" — صفدر نے پوچھا۔
"نہیں! — اب اس کی دائرہ رنگ چل چکی ہے۔ اب یہ بالکل ناکارہ ہو گیا ہے۔" — عمران نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے وہ ٹرانسمیٹر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"اچھا! — اب ہمیں اپنا پروگرام نبالینا چاہیے۔ میں جلد از جلد وہ کاغذات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ہم یہاں سے باری باری نکلیں گے۔ پھر کوشش کریں گے کہ اپنے تعاقب کرنے والوں کو جھٹک دیں۔ پھر کرنل فریدی کی کوٹھی کی نگرانی کرنی ہے۔ آج رات ہی میں اس کو مٹی کی تلاشی لینا

اسے ٹریفک چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ پھر اسے کھڑکی سے قریباً چار فٹ کی دوری پر فلش پائپ نیچے جاتا ہوا نظر آیا۔ لیکن کھڑکی سے فلش پائپ تک پہنچنے کے لئے کوئی سہارا ایسا نہیں تھا جس کے ذریعے وہ فلش پائپ تک پہنچ سکتا۔

ایک عجیب مسئلہ آن پڑا تھا۔ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس نے سر کھڑکی سے باہر نکالا اور پھر کھڑکی کے اوپر کے حصے کو پکڑ کر اس نے اپنا پورا جسم باہر نکال لیا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں کے سہارے کھڑکی کے باہر لٹکا ہوا تھا۔ فلش پائپ کھڑکی سے تقریباً چار فٹ دور تھا۔ سوائے خطرہ مول لینے کے اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ زیادہ دیر تک کھڑکی سے باہر بھی نہیں لٹک سکتا تھا۔ کیونکہ کسی بھی لمحے کوئی شخص گلی میں داخل ہو سکتا تھا۔ اور پھر اس کا پکڑا جانا یقینی بات ہو جاتی۔

پنچاچھ اس نے خطرہ مول لیتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کھڑکی کا انتہائی بائیں کونا پکڑا اور پھر دوسرا ہاتھ اس نے فلش پائپ کی طرف بڑھا دیا۔ دوسرا ہاتھ بڑھتا ہوا فلش پائپ سے تقریباً پانچ انچ پہلے رک گیا۔

اب بلیک زیرو کا جسم فلش پائپ اور کھڑکی کے درمیان تھا اور اس کا تمام وزن اسی ہاتھ پر تھا جس سے اس نے کھڑکی کو پکڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بڑی مضبوطی سے دیوار کے ساتھ چمٹا لیا تھا لیکن توازن غلط ہو جانے کی وجہ سے وہ برابر کھڑکی کی طرف کھسک رہا تھا۔ اس نے توازن سنبھالنے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ ایک ہاتھ کے بل پر نیچے لٹکتا چلا گیا۔

اب اس کی پوزیشن عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ وہ چمکاوڑ کی طرح ایک ہاتھ

کے بل پر کھڑکی کے باہر لٹکا ہوا تھا۔ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ جسم کا سارا خون چہرہ پر سمٹ آیا تھا۔ پھر وہ بڑی مشکل سے ہاتھ کھینچنے کے بل پر اوپر ہوتا چلا گیا۔ پھر بڑی مشکل سے اس نے اپنے جسم کا زاویہ درست کیا اور دوسرے لمحے اس کی ٹانگیں کھڑکی کے اندر داخل ہو گئیں۔ اور پھر جلد ہی وہ کھڑکی کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

اب بلیک زیرو پھر کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کی پہلی ترکیب بڑی طرح ناکام رہی تھی اور وہ نیچے گرنے سے بال بال بچا تھا۔

بلیک زیرو نے ایک دفعہ پھر کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اس راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسری دفعہ اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر اندازہ کیا اور اسی لمحے اسے اپنی عقل کا ماتم کرنا پڑا۔ کتنی بڑی بیوقوفی اس سے سرزد ہو رہی تھی۔

فلش پائپ سے اس کھڑکی کا فاصلہ چار فٹ تھا مگر دوسرے کمرے کی کھڑکی سے اس پائپ کا فاصلہ صرف دو فٹ تھا۔ وہ خواہ مخواہ اس کھڑکی سے کوشش کر کے اپنی جان خطرے میں ڈال رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور پھر اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ گیلری خلافت توقع سنسان پڑی تھی۔ ابھی تک کوئی بھی شخص اوپر نہیں آیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ساتھ والے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دروازہ بند تھا۔ اس نے ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھولنا چاہا۔ مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ یکدم اسے خیال آیا کہ اندر کوئی آدمی نہ ہو۔ اب اگر وہ اگلے کمرے میں جاتا تو فاصلہ مزید بڑھ جاتا۔ اس نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا کر اندر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے ایک زوردار دھکا لگایا تو دروازہ

ایک بلی سی چرچا ہٹ سے کھلتا چلا گیا۔ دراصل دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ اور نہ ہی اندر کوئی آدمی تھا۔ بلکہ دروازہ سختی سے بند تھا۔

دروازہ کھلتے ہی بلیک زیرو بجلی کی سی تیزی سے اندر گھسا اور پھر اس نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور چٹختی چپ ٹرھاوی تاکہ اچانک کوئی شخص اندر نہ آ سکے پھر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ گلی میں سے ایک شخص گزر رہا تھا۔ اس نے فوراً سر اندر کر لیا۔

چند لمحوں اندر رہنے کے بعد اس نے پھر کھڑکی سے سر باہر نکال کر جھانکا وہ آدمی گزرتا تھا اور گلی خالی تھی۔ اس نے ایک لمحہ تک ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر وہ ایک ہاتھ سے کھڑکی کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑکی سے باہر آ گیا۔ فلش پائپ بالکل قریب تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ اور ایک ٹانگ فلش پائپ کے گرو لپیٹی اور پھر ایک دم دوسرا ہاتھ بھی چھوڑ کر فلش پائپ کو پکڑ لیا۔ اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ الٹ کر گرتے گرتے پجا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اور پھر وہ برق جیسی تیز رفتاری سے نیچے کھسکا چلا گیا اور پھر چند لمحوں بعد وہ گلی میں کھڑا تھا۔ اس نے ایک دفعہ اپنے ہاتھوں کو سہلایا جو متواتر رگڑ کی وجہ سے سرخ ہو گئے تھے اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی طرف بڑھا۔

اسی لمحے اسے کرنل فریدی کی لنکن سڑک سے گزرتی نظر آئی۔ وہ پھرتی سے دیوار کے ساتھ چمٹ گیا کہ کہیں فریدی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ لیکن لنکن تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا وہ گلی کے منکڑ پر پہنچ گیا جہاں پر مین روڈ گزر رہی تھی۔

اس نے دیوار کے ساتھ لگ کر سڑک کے ارد گرد دیکھا اور پھر اسے گلی سے

چند فٹ دور لنکن نظر آ گئی۔

کرنل فریدی ہوٹل کے مین گیٹ پر کھڑا ایک پولیس انسپکٹر کو وہ تیزی سے دیکھا۔ اس کی طرف فریدی کی سائیڈ تھی۔ حمید اسے لنکن کے اندر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ بلیک واپس دیتا دیکھ کر بلیک زیرو کے دل میں ایک شک نے سراٹھایا اور پھر اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ تیزی سے چلتا ہوا لنکن کے پاس پہنچ گیا۔

اسے غرض اس بات کا تھا کہ کار میں بیٹھا ہوا حمید بلیک مرمیں اسے دیکھ نہ رہا ہو۔ لیکن شاید حمید کرنل فریدی کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے وہ بلیک کی طرف نہ دیکھ سکا۔

بلیک زیرو لنکن کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا گاڑیاں تو آج رہی تھیں لیکن پیدل آدمی کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تپلا سا تار نکالا اور پھر جھک کر اس نے لنکن کی ڈگی کے تالے میں وہ تار ڈال دیا۔ اور پھر ایک ہی بار تار گھمانے سے تالے میں بلی سی کھٹک کی آواز آئی۔ تالا کھل چکا تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

بلیک زیرو نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بہت دور ایک رکشہ آ رہا تھا۔ سڑک اتفاقاً صاف تھی۔ اس نے برق جیسی پھرتی سے ڈگی کا ڈھکنا اٹھایا اور پھر سانپ کی طرح ڈگی کے اندر رینگ گیا اور دوسرے لمحے ڈگی دوبارہ برابر ہو چکی تھی۔ بس ایک معمولی سی درز اس نے جان بوجھ کر رکھی تھی کہ کہیں آٹومیٹک تالا بند نہ ہو جائے اور وہ ڈگی کے اندر ہی قید ہو کر نہ رہ جائے۔ دوسرے ڈگی مکمل طور پر بند ہو جانے سے ہوا اندر آنے کا راستہ بھی بند ہو جاتا اور ہو سکتا تھا کہ تازہ ہوا اندر نہ آنے سے دم گھٹ کر مر جاتا۔ ویسے اس نے یہ سب کچھ اس قدر تیزی

ہیں چھپ کر یہاں آگیا تھا۔

اس نے چھپ کر کرنل مندریدی کی گفتگو سننے کا فیصلہ کیا اور وہ تیزی سے اندر گھسری میں جانے لگا۔ اس کے پاس ریواور بھی نہیں تھا۔ اس لئے اسے غدشہ تھا کہ اگر کرنل مندریدی کی نظروں میں آگیا تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔ جلد ہی وہ گھسری کے آخری کونے تک پہنچ گیا۔

گھسری کے آخری کونے پر ایک کمرے کا دروازہ تھا۔ اس نے دروازے کے پٹے سے کان لگائے اور پھر وہ مندریدی کی گفتگو سن کر چونک پڑا۔ مندریدی کسی سے باتیں کر رہا تھا کہ وہ اب اڈہ مندر میں منتقل ہو رہا ہے اس نے اتنا سن کر فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اسے دوبارہ ڈنگی میں چھپ جانا چاہیے کیونکہ کرنل مندریدی کا یوں روپوش ہو جانا ان کے لئے خطرناک تھا کیونکہ مندریدی کو یوں بیگ واپس کرتے دیکھ کر ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ مندریدی نے ضرور کوئی چکر چلایا ہے۔

وہ تیزی سے واپس ملا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ برآمدے میں تھا۔ ابھی وہ کار کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کے کانوں میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ اور وہ ایک ستون سے چٹ گیا۔ اگر اسے ایک لمحہ کی بھی دیر ہو جاتی تو یقیناً وہ ملازم جو چائے کی ٹرے لے کر دوسری طرف سے آرہا تھا اسے دیکھ لیتا۔ ملازم اپنی ہی دھن میں آگے بڑھتا ہوا گھسری میں چلا گیا۔ ملازم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بلیک زیر و بھلی کی طرح لپکا اور دوسرے ہی لمحے وہ کار کی ڈنگی دوبارہ کھول کر اندر گھس چکا تھا۔ وہ جھڑپ سے آنکھ لگائے گھسری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر بعد کرنل مندریدی اور حمید اسے واپس آتے دکھائی دیے۔ دونوں

ایک بلیک سی تھور پر کیا تھا کہ کار میں بیٹھے ہوئے حمید کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ ڈنگی اور مندر کوئی آدمی اندر داخل ہو چکا ہے۔

بلیک زیر کو زیادہ غدشہ اس رکشے والے کا تھا کہ کہیں اس کی نظر اس پر نہ پڑ گئی ہو۔ لیکن جب رکشہ اسی طرح تیز رفتاری سے قریب سے گزرتا چلا گیا تو اس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔

اسی لمحے اسے کار کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ مندریدی کار میں آ بیٹھا ہے اور پھر اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ جب کار ایک ہلکا سا جھٹکا کھا کر تیزی سے سڑک پر پھسلنے لگی۔

کار چلتی رہی — اور بلیک زیر و دم سا دھسے ڈنگی کے بھاری ڈھکنے کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالے خاموش پڑا رہا۔

جلد ہی کار ایک کوٹھی کے کپاؤنڈ میں مڑ گئی۔ کار پورچ میں جا کر رک گئی اور پھر دروازہ کھلنے کی آوازیں سن کر وہ سمجھ گیا کہ کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید دونوں کار سے نیچے اتر گئے ہیں۔ پھر قدموں کی آوازیں اسے اندر جاتے ہوئے محسوس ہوئیں اور پھر ایک گھسری سی خاموشی چھا گئی۔

بلیک زیر و نے ہلکے سے ڈنگی کے ڈھکن کو اونچا کیا۔ ایک لمحے تک وہ آہٹ لیتا رہا اور پھر ڈھکن پوری طرح اٹھا کر وہ باہر نکل آیا۔ اور پھر بڑی آہستگی سے اس نے ڈھکن دوبارہ بند کر دیا۔ اس نے عقاب جیسی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جھپٹ کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ سامنے ایک چھوٹی سی گھسری نظر آرہی تھی۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں تک تو وہ آگیا ہے۔ اب کہاں جاتے؟ اور کیا کرے؟ — وہ ایک اضطرابی بلکہ غیر شعوری فعل کے تحت ڈنگی

بلیک آپ میں تھے۔ لیکن بلیک زیرو انہیں پہچان چکا تھا۔

کرنل منریڈی نے ہاتھ میں ایک بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ بالکل ویسا ہی بیگ جیسا کہ اس نے فریدی کو واپس کرتے دیکھا تھا۔ اور جس بیگ میں فارمولے کے کاغذات تھے۔

اب بلیک زیرو کو سچتہ یقین ہو گیا تھا کہ کرنل منریڈی نے گہری چال چلی ہے۔ فارمولے کے اصل کاغذات ضرور اس بیگ میں ہیں۔ جنہیں لے کر فریدی روپوش ہو رہا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا کہ ایک اضطراری فعل کے تحت وہ یہاں تک آ گیا اور اسے اب جلدی منریڈی کے نئے اڈے کا پتہ چل جائے گا۔

کرنل منریڈی اور کیپٹن حمید کار کے قریب آ کر رک گئے۔

”اچھا بخشو بابا!۔ ہم چلتے ہیں۔ کوئی ہمارے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم ادھر کو مٹی میں نہیں آتے۔ کسی ہسپتال میں ہیں۔“ فریدی نے ملازم کو ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

”خدا نہ کرے سرکار!۔ آپ کہیں ہسپتال جائیں۔“ ملازم نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

کار کے دروازے کھلے۔ بند ہوئے۔ اور پھر کار آہستہ آہستہ ریٹگنے لگی۔

بلیک زیرو نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ کرنل منریڈی ڈوگی کی طرف نہیں آیا۔

کار جلد ہی کوٹھی سے نکل کر سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ اور بلیک زیرو دھری سے آنکھ لگاتے سڑک اور راستے کا اندازہ لگا رہا تھا۔ تاکہ اگر وہ دوبارہ آنا

ہے تو آسانی سے آ سکے۔

پھر اچانک کار کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ شاید سڑک میں کوئی گڑھا آ گیا تھا۔ جھٹکا اتنا اچانک اور زوردار تھا کہ بلیک زیرو سنبھل نہ سکا۔ اس نے زوں ہاتھوں سے ڈوگی کے ڈھکن کی سنبھال رکھا تھا کہ زوردار جھٹکے سے اس نے ہاتھ پھسل گئے اور ڈھکن مل گیا۔ ایک ہلکی سی کھٹک کی آواز آئی اور ڈوگی کا ڈیمٹک تالا باہر سے بند ہو گیا۔

اب بلیک زیرو بڑی طرح پھنس چکا تھا۔ تالا اندر سے کھولنے کا کوئی ذریعہ غائب تھا اور کار تیز رفتاری سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔ ڈوگی میں گھسپ ڈھیر اچھا گیا تھا۔ ایک معمولی سی دذر بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

بلیک زیرو عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ ایک حقیر پرندے کی طرح زمین کے فولادی پنجرے میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔ اب سوائے بے بسی سے پھٹ پھٹانے کے وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟



صفدر روزی کے مکان سے باہر نکلا اور پھر بڑی لا پرواہی سے چلتا راگلی کر اسی کرنے لگا۔ سامنے گلی کی نکتہ پر اسے ایک آدمی دیوار پر کچھ چسپاں کا نظر آیا۔ وہ شاید دیوار پر کسی فلم کا پوسٹر چسپاں کر رہا تھا۔ یا پھر سی سی

جلے کا پوسٹر ہوگا۔

بہر حال صفدر ناموشی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کی نکر پر پہنچ کر سڑک پر پہنچتے ہی اس کا رخ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف ہو گیا۔ ویسے وہ کنکھیوں سے اپنے ماحول کا متواتر جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھ لیا کہ پوسٹر لگانے والا بھی ایک ہاتھ میں پوسٹروں کا پھیلا لئے اس کے پیچھے چلا آ رہا ہے اور سڑک کے کنارے کھڑا ہوا ایک اور شخص جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ صفدر کے کراس کرنے کے بعد اخبار تیزی سے تہہ کر کے جیب میں ڈالا اور پھر ہلکی ہلکی سیٹی بجاتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ آیا۔

صفدر سمجھ گیا کہ تعاقب شروع ہو چکا ہے۔ وہ ایک خالی ٹیکسی کے قریب ہار رک گیا۔ اس نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور پھر اس میں بیٹھتے ہی اس نے ڈرائیور کو گیمین روڈ چلنے کے لئے کہا۔ اسی لمحے پوسٹر والا شخص ٹیکسی کے قریب سے ہو کر گزرا۔ صفدر سمجھ گیا کہ گیمین روڈ کا لفظ ضرور اس نے سن لیا ہوگا۔ ٹیکسی سٹارٹ ہوئی — اور پھر تیزی سے بھاگتی ہوئی ٹریفک میں شامل ہو گئی۔

ویسے صفدر یہ اندازہ بھی کر چکا تھا کہ جیسے ہی اس کی ٹیکسی آگے بڑھی تھی۔ اسی لمحے قریب ہی کھڑی ایک نیلے رنگ کی کار بھی سٹارٹ ہو کر آگے رینگنا شروع ہو گئی تھی۔ پھر اس نے بیک مرر میں اخبار والے شخص کو اس کار میں بیٹھتے دیکھا۔

پھر صفدر کی ٹیکسی جب ٹریفک میں شامل ہوئی تو اس نے نیلے رنگ کی کار ایک لمحے کے لئے پوسٹر لگانے والے شخص کے قریب رکتے دیکھی۔ پوسٹر والے نے جبکہ کچھ کہا اور پھر کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

صفدر کی ٹیکسی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی گیمین روڈ کی طرف بڑھ رہی تھی نیلے رنگ کی کار ٹریفک میں کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ ایک تنگ سی بائی روڈ نظر آتے ہی صفدر نے ڈرائیور سے کہا۔

”ڈرائیور! — اس بائی روڈ پر لے چلو۔“

”مگر — ڈرائیور نے شاید کچھ کہنا چاہا۔“

”جو میں کہہ رہا ہوں — وہ کرو۔“ صفدر نے ڈرائیور کو ڈانٹ دیا اور ڈرائیور نے لا پرواہی سے کندھے جھٹکے اور دوسرے لمحے ٹیکسی ٹریفک سے کٹ کر اس تنگ سی بائی روڈ پر گھومتی چلی گئی۔

یہ بائی روڈ دو بڑی سڑکوں کو متصل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اس لئے صفدر کی ٹیکسی جلد ہی دوسری مین روڈ پر پہنچ گئی۔ صفدر اس دوران دیکھ رہا تھا کہ وہ نیلے رنگ کی کار شاید اسے بائی روڈ پر مڑتے چیک نہ کر سکے تھے اور وہ سیدھے نکلتے چلے گئے تھے۔ اور ویسے بھی انہیں صفدر کی منزل کے بارے میں پوسٹر والے سے علم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ مطمئن تھے۔

صفدر کو جب اطمینان ہو گیا کہ تعاقب کرنے والے ڈالچ کھا چکے ہیں تو اس نے سڑک پر ہی ٹیکسی رکوا دی۔ ٹیکسی سے نیچے اتر کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور پھر خود فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک لمحے تک حیرت سے صفدر کی طرف دیکھنے کے بعد ٹیکسی آگے بڑھ لے گیا۔ اسے حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ گیمین روڈ کا کہہ کر یہ شخص کہاں تر گیا ہے۔

صفدر چند قدم چل کر رک گیا۔

پھر ٹیکسی آگے بڑھنے کے بعد صفدر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی دوسری طرف

ایک ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ اور پھر بلدی ہی اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔
 "تائڈ روڈ لے چلو" — صدر نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اور ڈرائیور نے ٹیکسی کو آگے بڑھا دیا۔

تائڈ روڈ کے چوک سے تھوڑے ہی فاصلے پر کرنل منریڈی کی کوسٹھی تھی۔
 ٹیکسی جلد ہی تائڈ روڈ کے چوک پر پہنچ گئی۔

صدر نیچے اتر ا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ ٹیکسی آگے بڑھ کر اس کی نظروں سے دور نہیں ہو گئی۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کرنل منریڈی کی کوسٹھی کی طرف چل دیا۔

جلد ہی وہ کوسٹھی کے قریب پہنچ گیا۔ کوسٹھی کا پچانک بند تھا۔ صدر تیزی سے کوسٹھی کے پچانک کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ پھر وہ کوسٹھی کی قریب لگی سے ہوتا ہوا کوسٹھی کی پشت کی طرف آیا۔

کوسٹھی کی پچھلی دیوار کافی اونچی تھی۔ پہلے تو صدر کا دل چاہا کہ وہ کوسٹھی کی دیوار پھانڈ کر اندر چھپ جائے۔ لیکن پھر اسے عمران کی ہدایت کا خیال آ گیا۔ چنانچہ وہ وہیں ایک گھنے درخت کی آڑ میں رک گیا۔ ویسے وہ مسلسل کوسٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس میں اس کے خیال کے مطابق وہ خونی فارمولا موجود تھا جسے حاصل کرنے کے لئے اس نے سر دھڑکی بازی لگا دی تھی۔

عمران نے مکان کے دروازے سے باہر نکلا۔ وہ ایک لمحہ تک وہیں رُک کر گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔ اس بات کی اطلاع تو بہر حال مل چکی تھی کہ کچھ لوگ گلی میں یا سڑک پر ان کا تعاقب کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ کرنل منریڈی کو اس بات کی اطلاع ملے کہ وہ مکان سے نکل کر تعاقب کرنے والوں کو ڈاج دے گیا ہے کیونکہ اس طرح کرنل منریڈی محتاط بھی ہو سکتا ہے۔

وہ چاہتا تھا کہ کرنل منریڈی کو اس کے آدمی آخر تک یہی رپورٹ دیتے رہیں کہ عمران ابھی تک مکان میں موجود ہے۔ لیکن سڑک تک جانے کے لئے گلی میں سے ہو کر گزرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں تھا اور عمران اس وقت اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا کہ کوئی اور راہ نکالنی چاہیے۔

عمران کو اچھی طرح پتہ تھا کہ گلی کا موڑ مڑتے ہی وہ بلیک فورس کی نظروں میں آ جائے گا۔

سامنے والی دیوار خاصی اونچی تھی اور اسے ابھی یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس دیوار کی دوسری طرف کیا چیز ہے؟ کوئی مکان ہے؟ دفتر ہے؟ یا

کوئی سڑک۔

بہر حال اور کوئی راستہ نہ پا کر اس نے اسی دیوار کو چپک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دیوار کے قریب آیا اور پھر ایک لمحے تک دیوار کے قریب رک اس نے اپنے جسم کو تولا اور پھر دوسرے لمحے وہ اس طرح اچھلا جیسے اس کے پیروں میں سپرنگ لگے ہوتے ہوں۔

خاصی اونچی چھلانگ مٹی۔ عمران کے ہاتھ دیوار کی منڈیر کے ساتھ چپک گئے اور پھر وہ اپنے بازوؤں کے بل اوپر اٹھتا چلا گیا۔

جب اس کا سر دیوار سے اونچا ہوا تو اسے یہ دیکھ کر مسترت ہوئی کہ دیوار کی دوسری طرف ایک لمبا چوڑا میدان ہے اور میدان کے پار سڑک۔ مسئلہ حل ہو چکا تھا۔

جلد ہی وہ دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔ اور پھر دوسرے لمحے ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ دوسری طرف کود گیا۔ پنچوں کے بل نیچے آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کسی کو اس پاس نہ پا کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی طرف چل پڑا۔

جلد ہی وہ سڑک پر موجود تھا۔ یہ کوئی بائی روڈ تھا۔ کیونکہ اس پر کوئی ٹریفک نہ تھی۔ وہ اندازے کے مطابق سڑک پر ہی بائیں طرف چلنے لگا۔

اور پھر ایک موڑ مڑتے ہی اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ ایک خاصی پُر رونق مارکیٹ مٹی۔

جلد ہی اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔

”قائد روڈ کے چوک پر اتار دینا“ — عمران نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

چند لمحوں تک گاڑی سڑک پر سبکدوشی چلی گئی اور پھر جلد ہی ٹیکسی قائد روڈ کے چوک پر پہنچ گئی۔

ٹیکسی رکتے ہی عمران باہر نکلا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر وہ کرنل سردی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ کوٹھی چونکہ اس کی اچھی طرح دیکھی بھالی تھی۔ اس لئے کوٹھی کے سامنے رخ پر جانے کی بجائے وہ جان بوجھ کر مختلف باتوں سے ہوتا ہوا کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔



کیپٹن شکیل نے روزی کو ٹیلی فون کر کے گھر آنے کا کہا اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا۔ اس نے مکان کو تالا لگانے کے لئے ہاتھ بھایا ہی تھا کہ اسے ایک خیال آیا۔ اور پھر اس نے تالا لگانے کا ارادہ ترک دیا اور صرف دروازہ بند کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ گلی کر کے سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے یا چپک کر رہا ہے۔ چونکہ اس نے بہ نیا میک اپ کیا ہوا تھا اس لئے اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ سڑک پر ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کی رت بڑھ گیا۔

اس نے خالی ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور پھر اندر بیٹھتے ہی اس نے قائد روڈ کے چوک پر چلنے کا حکم دیا۔
ڈرائیور نے چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ اطمینان سے سیٹ سے پشت لگائے بیٹھا رہا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اور وہ چونک پڑا۔ اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ گلی کا موڑ مڑنے کے بعد صرف روزی ہی کا مکان تھا اس لئے موڑ مڑ کر جو بھی گلی میں آتا، نگرانی کرنے والے سمجھ جاتے کہ وہ اسی مکان سے آیا ہے۔

کیپٹن شکیل صرف ایک آپ پر ہی تکیہ کر کے بڑی بے باکی سے آگیا تھا۔ زبردست حماقت ہوتی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ کیونکہ ٹریفک کے اس سیلاب میں وہ کیا اندازہ کر سکتا تھا کہ کونسی کار اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ پھر اس دن وہ چونکا جب ڈرائیور نے قائد روڈ کے چوک پر گاڑی روک دی۔
"ہیلن روڈ لے چلو" — کیپٹن شکیل نے چونک کر ڈرائیور کو کہا۔
ڈرائیور ایک لمحہ تک حیرت سے کیپٹن شکیل کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ہیلن روڈ کا کیپٹن شکیل نے نہ صرف اس لئے کہا تھا کہ وہ ایک سنان سٹریٹ تھی بلکہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے تعاقب کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔ جلد ہی ٹیکسی ہیلن روڈ پر پہنچ گئی۔ سٹریٹ حسب معمول سنان سٹریٹ کیپٹن شکیل کی نظریں بیک مرر پر لگی ہوئی تھیں لیکن اسے تعاقب میں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ حیران تھا کہ یہ چکر کیا ہوا — کیا واقعی وہ میکا سے دھوکہ کھا گئے — اور ان سے بھی کیا یہ حماقت سرزد ہو گئی کہ انہوں

یہ نہ سوچا کہ وہاں اور کوئی مکان نہیں ہے،
بہر حال اسے جب اطمینان ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو اس نے دوبارہ ڈرائیور کو حکم دیا۔
"قائد روڈ کے چوک پر لے چلو۔"

"صاحب! — کیا بات ہے — آپ کبھی کہیں کا کہتے ہیں کبھی کہیں کا؟ — ڈرائیور نے بیک لگا کر ترش لہجے میں کیپٹن شکیل سے کہا۔ شاید وہ جھنجھلا گیا تھا۔

"تمہیں کرائے سے غرض ہونی چاہیے ڈرائیور! — اس بات سے نہیں کہ میں کہاں کا کہتا ہوں — اور کہاں جانا ہے" — کیپٹن شکیل نے اسے انتہائی سخت لہجے میں ڈانٹ دیا اور پھر ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا اور گاڑی دوبارہ اس نے قائد روڈ کی طرف موڑ دی۔
قائد روڈ کے چوک پر پہنچ کر کیپٹن شکیل اترا۔ پھر جب اس نے کرائے کے علاوہ اچھی خاصی رقم بطور ٹپ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھی تو ڈرائیور نے شرمندگی سے دانت نکال دیئے۔

ڈرائیور نے کیپٹن شکیل کو مودبانہ انداز میں سلام کیا اور پھر گاڑی آگے بڑھنے لگا۔

کیپٹن شکیل چند منٹ تک وہاں رکا رہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کرائی فریدی کی کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔ کوٹھی کے سامنے سے گزر کر وہ بھی صفدر کی طرح کوٹھی کی پشت پر چلا گیا۔

اس نے ادھر ادھر بغور دیکھا کہ صفدر اور عمران اس کی نظروں میں آجائیں لیکن وہاں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید وہ ابھی تک یہاں

نہ پہنچے ہوں۔

پھر اچانک ایک ہلکی سی سیٹی کی آواز کیپٹن شکیل کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔ یہ مخصوص کوڑھتا ہوا انہوں نے روزی کے مکان سے چلنے سے پہلے طے کیا تھا۔

کیپٹن شکیل نے بھی جواباً سیٹی بجائی اور پھر درختوں کی آڑ سے عمران اور صفدر باہر نکل آئے۔

”تم دونوں یہیں بیٹھو۔“ میں کرنل سریدی کی کوٹھی میں جاتا ہوں۔ اگر فائر کی آواز سنو تو پھر تم بھی کوٹھی میں داخل ہو جانا۔“ عمران نے صفدر اور کیپٹن شکیل سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

اور پھر عمران کسی بندر جیسی پھرتی سے دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ دیوار کی دوسری طرف کود گیا۔

صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں بڑے بڑے درختوں کی آڑ میں کھڑے ہوئے۔

عمران کو کوٹھی کے اندر گئے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔ ابھی تک نہ تو کسی فائر کی آواز آئی تھی اور نہ ہی عمران واپس آیا تھا۔ صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ کیونکہ کرنل سریدی کی کوٹھی میں جو کچھ ہو جائے کم ہے۔ پھر انہیں دیوار پر عمران کا سر نظر آیا۔ اور چند لمحے بعد عمران دیوار پھانک کر واپس آ گیا۔

”کیا ہوا عمران صاحب؟“ دونوں اضطرابی لہجے میں پوچھے۔

”چڑیاں چمک گئیں کھیت۔“ عمران نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ دونوں ہی اس کے فقرے کا مطلب نہ سمجھ سکے۔

”مطلب یہ کہ دوستو! کرنل سریدی اور کیپٹن حمید دونوں ہی کوٹھی سے غائب ہیں۔ میں نے ساری کوٹھی چھان ماری ہے۔“ کاغذات کا لہریں پتہ نہیں ہے۔“ عمران نے بتلایا۔

”کوٹھی بالکل خالی ہے۔“ کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں! دہاں مرغی اور اس کے بچے موجود ہیں۔“ عمران نے جواب دیا۔

”بھئی ایک بوڑھا سا ملازم کوٹھی میں موجود ہے جو اپنی کوٹھڑی میں پڑا سو رہا ہے۔“ عمران نے سادھری وضاحت بھی کر دی۔

”تو اس ملازم سے پتہ چل سکتا ہے کہ کرنل سریدی کہاں گیا ہے۔“ صفدر نے راتے پیش کی۔

”وہ ملازم ہے۔“ کرنل سریدی کا پی۔ اے نہیں۔“ عمران نے اکتاتے رہتے لہجے میں کہا۔

صفدر خاموش ہو گیا۔

”چلو چلیں۔“ عمران نے ان سے کہا اور پھر انہیں عمران سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی کہ اب کہاں جاتیں۔؟ اور کیا پروگرام ہے۔؟ بس وہ دونوں عمران کے پیچھے چلتے ہوئے دوبارہ سڑک پر آ پہنچے۔

جنرل مندریدی کی کوٹھی جا کر کسی طرح عمران وغیرہ کا پتہ کرے۔ کیونکہ جنرل مندریدی نے ضرور انہیں وہیں گرفتار کر رکھا ہوگا۔

یہ فیصلہ کر کے اس نے ٹیکسی روکنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن بار بار ہتھ دینے کے باوجود کوئی بھی ٹیکسی وہاں رکنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تھی۔ ریزی سے پاس سے گزرتی چلی جاتیں۔ وہ تنگ آ گیا۔

سجھانے کیا بات تھی کہ کوئی ٹیکسی بھی نہیں رک رہی تھی۔ پھر اچانک ایک نئی سی ٹیکسی اس کے ہاتھ کے اشارے پر رک گئی۔ نعمانی نے اطمینان کی طویل

نعمانی کو پندرہ گھنٹے کے بعد ہی ہسپتال سے چھٹی دے دی گئی تھی اس لی اور پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ گو اس کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا لیکن اسے وہاں سے چھٹی دے دی گئی۔ ویسے اسے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ فائرنگ کیس ہونے کے باوجود نہ ہی پولیس اس سے بیان لینے آئی تھی اور نہ ہی کوئی آدمی آیا۔

اور پھر ہسپتال والوں نے بھی اسے زبردستی چھٹی دے دی تھی۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ جنرل مندریدی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ تاکہ عمران اپنے ساتھی کی وجہ سے مزید نہ رکاوٹ بن جائے اور جلد از حد رہیں تھی۔ اس لئے اس نے بھی کچھ خیال نہ کیا۔ یہی غنیمت تھی کہ چل

جعلی کا مذاق لے کر اپنے ملک واپس چلا جاتے۔ نعمانی ہسپتال کے مین گیٹ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب اسے علم نہ تھا کہ عمران وغیرہ کا کہاں پتہ کرے۔ فیروز کے ہوٹل جانے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

وہ کافی دیر تک سڑک پر کھڑا اسی شش و پنج میں مبتلا رہا۔ خون کا اسوچ رہا تھا۔ اس کا ایک عظیم الشان کوٹھی کے کھلے پھاٹک میں اس کی نظریں پڑیں تو وہ نکل جانے کی وجہ سے وہ اپنے جسم میں بے حد نفارت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اسے ہر قیمت پر عمران وغیرہ کا پتہ کرنا تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کر لیا کہ اس شخص کو جنرل مندریدی تھا۔ اسے

ٹشک سا پڑا لیکن ٹیکسی آگے بڑھ چکی تھی۔

اور پھر وہ ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کے بارے کہنے کیلئے سوچ رہا تھا کہ ٹیکسی ایک جھٹکا کھا کر خود بخود رک گئی۔
"کیا ہوا؟" — نعمانی نے چونک کر پوچھا۔

"صاحب! — کوئی تار ٹوٹ گیا ہے — میں ابھی ٹھیک کر لیتا ہوں" —
ڈرائیور نے کہا اور پھر نیچے اتر گیا۔
جس کو مٹی میں نعمانی کو کرنل مندریدی کی موجودگی کا شک ہوا تھا وہ کو مٹی وہاں سے چند گز ہی دور تھی۔

"تم تار ٹھیک کرو — مجھے شک پڑا ہے کہ اس کو مٹی میں میرا ایک دست ہے — میں اسے دیکھ آؤں" — نعمانی نے بوڑھے ڈرائیور سے کہا۔
ڈرائیور نے ایک لمحے کے لئے مثبتہ نظروں سے نعمانی کو دیکھا۔ وہ شاید سوچ رہا تھا کہ صاحب کراہ دیتے بغیر بھاگنا چاہتا ہے۔ لیکن پھر چپ چاپ سر جھکا کر بولٹ اٹھا کر انجن میں گم ہو گیا۔

نعمانی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس دھڑکی کے پھاٹک کے سلسلے سے گزرا۔ وہ آدمی اس وقت بھی برآمدے میں کھڑا تھا جس پر نعمانی کو شک ہوا تھا۔ اور اب اچھی طرح دیکھنے کے بعد نعمانی کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ اس کی تدو قامت اور جسم کی بناوٹ سے اچھی طرح پہچان گیا تھا کہ وہ کرنل فریدی ہے۔
کرنل مندریدی اس وقت کسی آدمی سے بات چیت میں مصروف تھا اس لئے اس کی نظر نعمانی پر نہیں پڑی تھیں۔

نعمانی ذرا سا آگے بڑھا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ اس نے اچھٹی ہوئی نظر کو مٹی کے باہر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر ڈالی۔ "زیٹو ہاؤس" کی نیم پلیٹ تھی۔ اور پھر وہ

آگے بڑھ گیا۔

بوڑھا ڈرائیور ٹیکسی کے قریب کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہو گئی گاڑی؟" — نعمانی نے پوچھا۔

"جی ہاں" — ڈرائیور نے جواب دیا۔

نعمانی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ گاڑی میں بیٹھنے والا فعل قطعی لاشعوری تھا۔ دراصل اس کا ذہن کرنل مندریدی میں الجھا ہوا تھا — وہ سوچ رہا تھا کہ آیا وہ واقعی کرنل فریدی ہے — یا نہیں —؟ اگر کرنل مندریدی ہے تو پھر وہ اس کو مٹی میں کیوں موجود ہے —؟ پھر جلد ہی ٹیکسی تاندرود کے چوک پر جا کر رک گئی۔ نعمانی نیچے اتر آیا۔ کراہ ادا کیا اور پھر اسی ادھیڑ بن میں کرنل مندریدی کی کو مٹی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اچانک نعمانی ٹھیک کر رک گیا۔ کرنل مندریدی کی کو مٹی کے قریب دالی گلی سے عمران — کیپٹن شکیل — اور صفدر نکل کر سڑک پر ہی آگئے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ پھر عمران اور اس کے ساتھیوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔

"تم یہاں؟" — عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں! — آپ کو کیوں حیرت ہو رہی ہے؟" — نعمانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر ہسپتال سے اتنی جلدی کیسے آگئے؟" — کیا فرار ہو کر آئے ہو؟

عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔ کیونکہ نعمانی کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی نیلا رہی تھی کہ اس کی حالت قطعی ٹھیک نہیں ہے۔

”سرا نہیں ہوا۔ ہلکے ہسپتال والوں نے دھکے دیکر نکال دیا ہے۔“
 نعمانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
 ”اوہ۔“ — عمران کچھ سوچنے لگا۔ کیپٹن شکیل اور صفدر بھی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

”آپ لوگ یہاں کیسے؟“ — نعمانی نے پوچھا۔
 ”کرنل مسریدی سے ملنے آئے تھے مگر وہ گھر پر نہیں ہے۔ میں
 پاہتا تھا کہ اسے اپنی شادی میں بطور قاضی بلا لوں“ — عمران نے بڑی
 سنجیدگی سے کہا۔

”پھر اب کیا ہوگا؟“ — نعمانی نے پوچھا۔
 ”بس ہونا کیا ہے۔ بغیر قاضی کے نکاح ہو نہیں سکتا۔ اس لئے
 شادی کا پروگرام کینسل“ — عمران نے جواب دیا۔
 ”اگر میں قاضی کا پتہ بتلا دوں تو؟“ — نعمانی نے جواب دیا۔ اور عمران
 کے ساتھ ساتھ کیپٹن شکیل اور صفدر بھی چڑھک پڑے۔
 ”کیا کہا۔۔۔ تمہیں علم ہے کہ کرنل مسریدی اس وقت کہاں ہے؟“ —
 عمران نے اشتیاق سے مہر لور لہجے میں پوچھا۔
 ”جی ہاں! — چلتے — میں آپ کو لے چلتا ہوں“ — نعمانی نے
 جواب دیا۔

”ویری گڈ نعمانی“ — عمران نے کہا۔ اور پھر بولا۔
 ”نعمانی! — تم نے میری شادی کا پروگرام پکا کر دیا ہے۔ خدا
 تمہیں اجر عظیم اور ثواب دارین عطا کرے“ — عمران نے خوشی سے
 چہچہاتے ہوئے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اور پھر وہ سب باتیں کرتے ہوئے قائد روڈ کے چوک پر پہنچ گئے۔
 جلد ہی انہیں خالی ٹیکسی مل گئی۔



بلیک زیرو کو کار کی ڈکی میں بند ہوئے تقریباً بارہ تیرہ گھنٹے ہو گئے
 تھے۔ جس وقت ڈکی کا آٹومیٹک تالا بند ہوا تھا اس وقت کار چل رہی تھی
 پھر کار ایک جگہ جا کر رک گئی۔ اسے مدھم سا احساس دروازہ کھلنے کا ہوا اور پھر
 کار چلی اور تھوڑے ہی لمحوں بعد ایک بار پھر رک گئی۔ اس کے بعد اس کے
 کانوں میں کوئی بھاری دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

بلیک زیرو نے اندازہ لگایا کہ کار گیراج میں بند کر دی گئی۔ اس بارہ گھنٹے
 کی نیند نے بلیک زیرو کا دماغ مفلوج کر دیا تھا۔ ”ایکسٹو“ — جس کے نام
 سے دنیا کے بڑے بڑے مجرم کا بپتے تھے اور جسے اس کے ممبر فوق الفطرت قوتوں
 کا مالک سمجھتے تھے۔ جس کی آواز ہی ان پر لرزہ طاری کر دیتی تھی۔ اس
 وقت بارہ گھنٹے سے اس کار کی ڈکی میں بے بسی سے بند پڑا تھا۔

یہی شکر ہے کہ کہیں نہ کہیں سے قدرے تازہ ہوا ڈکی کے اندر داخل
 ہو رہی تھی اس لئے بلیک زیرو کو سانس لینے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ البتہ
 گرمی نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس قدر شدید گرمی اور عیس تھا کہ بلیک زیرو

کو خدایا دیا گیا تھا۔ بے تحاشہ پسینہ بہنے کی وجہ سے اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ اور کپڑوں سے پسینے کی بو آرہی تھی۔

ان بارہ گھنٹوں میں جس کا اندازہ اسے اپنی ریڈیم ڈائل گھڑی سے ہوا تھا، اس نے تالا کھولنے کی بے شمار کوششیں کی تھیں لیکن سب بے سود۔ اور پھر اس نے تو یہ بھی دعا مانگی تھی کہ کاش کرنل سریدی یا اس کا کوئی آدمی ہی آکر ڈوگی کھول دے۔ پکڑا ہی جائے گا۔ مگر اس بلیک ہول سے تو جان چھوٹ جائے گی۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کرنل سریدی اس کار کو گیراج میں بند کر کے بھول گیا ہو۔

بلیک زیر و ڈوگی میں چونکہ ٹانگیں نہیں پھیلا سکتا تھا اس لئے اس کا تمام جسم پکے ہوئے پھوڑے کی طرح ورد کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ تالا کس طرح کھولا جائے۔ ویسے اس نے ان شدید تکالیف اٹھانے کے باوجود امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ اور یہ سب کچھ عمران کی صحبت اور تربیت کا اثر تھا۔

اپاہک اسے ایک خیال آیا اور پھر یہ خیال اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ کہ وہ اگر اس طریقے سے کوشش کرے تو ڈوگی کا ڈھکنا کھل سکتا ہے۔

کئی بار اس کا ہاتھ پٹرول کے ایک گیلن سے ٹکرایا تھا جو شاید امیر جنسی کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس نے وہ گیلن اٹھا کر اس کا ڈھکنا کھولا اور پھر اپنی جیبوں میں ہاتھ مارنے لگا کہ شاید ماحس یا لائٹر کہیں جیب سے نکل آئے۔

کیونکہ ایسی چیزیں وہ عموماً جیب میں رکھا کرتا تھا کہ کسی وقت بھی کام آسکتی تھیں۔ اور پھر کوٹ کی ایک جیب میں اس کا ہاتھ ماحس سے ٹکرایا۔ اسے

اس وقت ماحس ملنے پر اتنی خوشی ہوئی جیسے کسی کو بہفت اقلیم کی دولت ملنے پر بھی نہ ہوئی ہوگی۔

اس نے جیب سے ماحس نکالی اور پھر اس کو کھول کر اس میں تیلیاں دیکھیں۔ ماحس بھری ہوئی تھی۔ لیکن ماحس کا اوپری مصالحے والا حصہ پسینے سے خراب ہو چکا تھا۔ اس نے پٹرول کے گیلن کا کھٹا ہوا منہ اندازے سے اس جگہ لگا دیا جہاں اس کے خیال میں ڈوگی کا تالا موجود تھا۔ اور پھر وہ گیلن کو اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ پٹرول تیزی سے بہتا ہوا اس جگہ پر پھیل گیا۔ پھر اس نے گیلن کا ڈھکنا دربارہ بند کیا اور پھر ماحس کی تیلی کو جو تے کی ٹوہ پر زور سے رگڑا۔

دوسرے ہی لمحے ایک شعلہ پیدا ہوا اور تیلی جلنے لگی۔ اس تنگ سے قید خانے میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔

بلیک زیر و نے پہلے تو یہ دیکھا کہ کہیں پٹرول بہہ کر ڈوگی کے فرش پر نہیں پھیل گیا اور آگ فرش پر لگ جائے اور پھر ڈھکنا تو کھلتا رہے مگر وہ خود زندہ جل جائے۔ لیکن پٹرول فرش پر نہیں پھیلا تھا۔ اس نے جلتی ہوئی تیلی کو اس جگہ لگا دیا جہاں پٹرول پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے آگ نیچے تک پھیلی چلی گئی۔ ویسے آگ زیادہ تر اس باریک سی درز میں پھیلی ہوئی تھی جو ڈھکنے اور نچلی دیوار کے درمیان تھی۔

بلیک زیر و نے ڈھکنے پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور اسے اپنی پوری قوت سے اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔ آگ جل رہی تھی۔ اب کار پر کتنے ہوتے روشن نے آگ پکڑ لی تھی۔ پھر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ آگ تالے تک پہنچ گئی۔ ادھر آگ نے تالے کے لیور کو گرم کیا۔ ادھر بلیک زیر و زور لگا رہا تھا۔ پھر

چند ہی لمحوں بعد ایک کھٹک سی آواز آئی اور ڈھکن پوری قوت سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔

تازہ ہوا کا ایک زوردار جھونکا بلیک زیرو کی ناک سے ٹکرایا اور اس کی رگ میں مسرت انبساط کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہ اچھل کر باہر آگیا لیکن بارہ تیرہ گھنٹوں ٹیڑھی ٹانگیں یکدم سیدھی ہوئیں تو اس کا وزن نہ سنبھال سکیں۔ اور بلیک زیرو فرش پر گر گیا۔ لیکن جلد ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحے اس کی ٹانگوں میں تکلیف رہی لیکن پھر درد جاتا رہا۔

اس نے ایک جھروپور انگڑائی لی۔ جسم کو سیدھا کیا۔ پھر اس نے مطمئن ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اس کا اندازہ صحیح تھا۔ وہ اس دقت گیراج میں تھا۔ اچانک اس کی نظر آگ پر پڑی۔ آگ ابھی جل رہی تھی۔ گو اس کی شدت میں کمی آگئی تھی لیکن پھر بھی خاصی آگ تھی۔ اسے خیال آیا کہ پٹرول کی ٹینکی کہیں قریب ہی نہ ہو۔ چنانچہ اس نے آگ بجھانے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس کی نظر ایک کونے میں پڑی۔ برقی ریت کے ڈھیر پر جم گئی۔ اس نے تیزی سے ریت اٹھا کر گاڑی پر ڈالنی شروع کر دی۔ اور جلد ہی آگ بجھ گئی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اب اس نے گیراج سے باہر نکلنے کی ترکیب سوچنی شروع کر دی۔

گیراج کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے دروازے کے دونوں تختوں کو ہلایا اور پھر ان کے درمیان پیدا ہونے والی جھری سے آنکھ لگا دی۔ سامنے ایک عظیم الشان کوٹھی نظر آ رہی تھی۔

ویسے بظاہر وہاں کوٹھی میں کوئی آدمی نہیں نظر آ رہا تھا۔ سرسبز لان خوبصورت پورچ اور اس کے بعد برآمدہ اور دلکش اور عظیم الشان عمارت۔

بلیک زیرو نے مطمئن ہو کر ہاتھ کو دونوں تختوں سے باہر نکالا اور پھر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ دروازہ پر تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ صرف زنجیر چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل اور کوشش سے اپنا ہاتھ زنجیر کے کندھے تک پہنچایا اور پھر دوسرے لمحے زنجیر کھل چکی تھی۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر خود باہر نکل آیا۔ دروازہ ویسے ہی بند کر کے اس نے دوبارہ زنجیر چڑھا دی تاکہ فوری طور پر کسی کو شک نہ پڑ سکے۔ اب وہ دیوار سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ کچھلی طرف بڑھنے لگا۔ پائین باغ کے ایک کونے میں پہنچتے ہی اسے اچانک کچھ خیال آیا۔ اس نے جیب سے اپنا رد مال نکال کر منہ پر باندھ لیا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔

اچانک وہ جھپٹ کر ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ پائین باغ کی دیوار کے اوپر اسے ایک سر نظر آیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ سر دیوار پر دوبارہ نظر آیا اور پھر اندر کی طرف ہاتھوں کے بل لٹک گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ شخص کو مٹھی کے اندر کود چکا تھا۔

خاصا اندھیرا چھا گیا تھا اس لئے بلیک زیرو اندازہ نہ لگا سکا کہ کوونے والا کون ہو سکتا ہے۔ وہ خاموشی سے وہاں چھپا رہا۔

چند لمحے بعد وہ اندر آنے والا شخص انتہائی تیزی سے رینگتا ہوا کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔

اور پھر بلیک زیرو کو دیوار پر ایک دوسرا سر نظر آیا اور ایک اور شخص اندر کود آیا۔ اس کے چند لمحے بعد تیسرا شخص بھی اندر موجود تھا۔

بلیک زیرو چھپا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ویسے دوسرے اور تیسرے شخص کو وہ اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ پہلا آدمی جب کودا تھا تو وہ چپ

گیا تھا۔ اس لئے بلیک زیر و اسے بغور نہ دیکھ سکا تھا۔ اس کے ہنٹوں پر بڑی دگادگ سی مسکراہٹ رہی تھی۔ وہ اب عمران۔ صفدر اور کیپٹن شکیل کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟

لیکن — وہ اپنے پاس علی عمران اصلی ایکٹو کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لئے اسے کچھ زیادہ حیرت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

وہ تینوں اب عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ بلیک زیر و نے اب آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ اپنی پوزیشن کو اچھی طرح جانتا تھا۔ عمران سب سے آگے تھا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر عمران نے ایک بند کھڑکی پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ کھڑکی کھل گئی۔ شاید کھڑکی اندر سے بند نہ تھی۔ عمران ایک لمحے تک باہر کا رہا۔ پھر آہستہ سے کھڑکی کے ذریعے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جانے کے تقریباً دو منٹ بعد صفدر اور پھر کیپٹن شکیل بھی اندر چلے گئے۔ کھڑکی ویسے ہی کھلی ہوئی تھی۔

بلیک زیر و اب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور چند لمحوں بعد وہ بھی کھڑکی کے قریب موجود تھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ کھڑکی کے اندر کود گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس کا دروازہ مقوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ اس سے گزرتا ہوا آگے بڑھا۔ تو اب اس نے اپنے آپ کو ایک باتھ روم میں پایا۔ دروازے کی دوسری طرف ہلکی ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے آہستہ سے جھانک کر دیکھا۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ عمران۔ صفدر اور

کیپٹن شکیل وہاں موجود تھے۔

عمران تیزی سے کمرے کی تلاشی لینے میں مصروف تھا۔ صفدر اور کیپٹن شکیل چونکہ کھڑے تھے۔ صفدر کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا۔ یہ شاید کرنل فریدی کی خواب گاہ تھی۔

پھر اچانک عمران نے پلنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر نجانے کیا کیا کہ سامنے والی دیوار ایک طرف کھسک گئی۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا سیف نظر آ رہا تھا۔ سیف کا دروازہ فولادی چادر کا تھا۔ اور بے حد مضبوط تھا۔ اس کی چادر میں ایک چھوٹا سا چابی ڈالنے کا سوراخ نظر آ رہا تھا۔

عمران نے جیب سے ایک پتلا سا مٹا ہوا تار نکالا اور پھر وہ تار اس نے اس سوراخ میں ڈالی۔ اسی لمحے عمران کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پھر اس کا تمام جسم سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا لیکن اس کا ہاتھ ابھی تک اس تار سے چمٹا ہوا تھا۔

اسی لمحے صفدر اور کیپٹن شکیل غیب سے شعوری طور پر جھپٹ کر آگے بڑھے اور انہوں نے عمران کو پکڑ کر گھسیٹنا چاہا اور پھر ان دونوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ انہوں نے زبردست نیلے دقونی کی تھی۔

بلیک زیر و اب نہیں مٹھ سکا تھا۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ تینوں ابھی ختم ہو جائیں گے۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر انتہائی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے سیف کے ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر اسے ایک چھوٹا سا سرج بٹن نظر آ گیا۔ اس نے پھرتی سے وہ بٹن دبا دیا۔ ویسے یہ اس کا اندازہ تھا کہ یہی بٹن بجلی کے طاقت ور سرکٹ کو بند کر دے گا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ اندازہ غلط بھی ہو جاتا۔ لیکن اندازہ بالکل صحیح رہا۔

بٹن آف ہوتے ہی وہ تینوں ایک دوسرے کے اوپر فرش پر گر پڑے۔ تینوں

کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔

عمران تو بیہوش ہونے کے قریب تھا کیونکہ سب زیادہ وہ بجلی کا شکار

رہا تھا۔

بلیک زیرو نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے ایک گلاس نظر آ گیا۔ اس نے گلاس اٹھایا اور پھر تیزی سے ہاتھ روم میں گھس کر اس نے پانی بھرا اور پھر آ کر عمران - صفدر اور کیپٹن شکیل تینوں کے حلق میں پانی ٹپکانا شروع کر دیا۔ بلیک زیرو کے اس عمل نے ان تینوں کو سنبھال لیا۔ اور پھر وہ تینوں آہستہ آہستہ کھڑے ہو گئے۔

(تم بیوقوفوں کی طرح عمران سے کیوں چٹ گتے تھے) — بلیک زیرو نے مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں صفدر اور کیپٹن شکیل کو ڈانٹا اور اسی لمحے انہیں احساس ہوا کہ وہ ایکسٹو کے سامنے کھڑے ہیں۔

ایکسٹو آج بھی فرشتہ رحمت بن کر اچانک ہی وہاں پہنچا تھا۔ اگر ایکسٹو

آج بروقت نہ پہنچتا تو وہ تینوں ہی ختم ہو جاتے۔ جان چھوڑ دیتی ہاں گل عمران تو اٹھتے ہی دوبارہ سیف کی طرف گھوم گیا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ وہ کرنل سندیدی کی خواب گاہ میں ہیں۔ اب اس نے تار کو ہاتھ لگایا تو اسے کچھ نہ ہوا۔ اس نے دو تین بار تار تارے میں گھمائی اور پھر ایک جھٹکا دیا۔ کھٹک کی آواز سے تالا کھل گیا۔ سیف کھل چکا تھا۔

پھر سیف کھلتے ہی سامنے دراز میں رکھا ہوا بیگ نظر آ گیا۔ عمران نے جلدی سے بیگ نکال کر باہر فرش پر رکھا۔ سیف کے تالے سے تار نکال کر بیگ کے تالے میں ڈالی۔

عمران! — اس میں بھی کہیں بیہوشی والی کیس نہ مائل آئے۔ بلیک زیرو

نے ایکسٹو کی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔ بہر حال رسک تو لینا ہی پڑے گا“ — عمران نے جواب دیا۔

اور پھر دوسرے لمحے عمران بیگ کے تالے کھول چکا تھا۔ اس نے بیگ کا ڈھکنا اٹھایا۔ اندر نامولے کے کاغذات موجود تھے۔ اس نے انتہائی تیزی سے وہ کاغذات بیگ سے نکالے اور پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے جعلی کاغذات نکال کر انہیں بیگ میں رکھ کر بیگ دوبارہ بند کر دیا۔ پھر بیگ اٹھا کر واپس سیف میں رکھ دیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر بیگ کے ہینڈل اور تاروں کو صاف کیا۔ سیف بند کیا۔

سیف بند ہوتے ہی اس کا آٹومیٹک تالا خود بخود بند ہو گیا۔ بیگ بند ہونے بجلی کے سرکٹ والا بٹن دوبارہ آن کر دیا عمران نے تیزی سے آگے بڑھ کر بیگ کے نیچے لگا ہوا بٹن دبایا تو دیوار دوبارہ برابر ہو گئی۔ اب کسی کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہاں کوئی خفیہ سیف ہے۔

عمران نے یہ سب عمل اتنی تیزی سے کیا تھا کہ چند ہی لمحوں میں وہ اس سے نارغ ہو گیا تھا۔ اس نے اصل کاغذات دوبارہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھے۔ اور پھر وہ سب مڑ کر واپس کھڑکی کے راستے کو سمٹی سے باہر نکل آئے۔ پائیں باغ میں رنگتے ہوئے وہ سب کچھلی دیوار کے قریب آئے اور پھر سب سے پہلے ایکسٹو دیوار پر سے ہوتا ہوا باہر کودا اور پھر اسی کے بعد باقی سب بھی باہر نکل آئے۔

یہ ایک چھوٹی سی گلی تھی۔ اس نے ایک دیوار کی آڑ میں چھپا ہوا انعمانی بھی ان کی طرف آ گیا۔

" عمران! — اب کیا پروگرام ہے؟ — سڑک پر پہنچ کر ایکسٹو نے کہا۔

" سر! — ہم سب کیپٹن شکیل والے اوڑے پڑ پہنچتے ہیں۔ وہاں سے جلد از جلد اس ملک سے نکلنے کا پروگرام بنائیں گے۔" — عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے۔ — آپ سب لوگ وہاں پہنچیں۔ میں سیٹیں بک کروا کر تمہیں فون کر دوں گا۔" — ایکسٹو نے جواب دیا۔
 " ٹھیک ہے جناب۔" — عمران نے جواب دیا۔
 اور پھر ایکسٹو ان سب سے علیحدہ ہو گیا۔



عمران نے ان سب کو میدان کی طرف سے لے آیا تھا۔ پھر وہ سب دیوار پھاند کر گلی میں داخل ہو گئے۔ اور اب وہ سب روزی کے مکان میں موجود تھے۔

روزی خامی خوبصورت اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کی نظریں پر دانہ واکیٹن شکیل کا طواف کر رہی تھیں۔ عمران اور باقی سب نمبرز ایک لمحے میں جان گئے تھے کہ روزی کیپٹن شکیل پر مڑی ہے۔ لیکن کیپٹن شکیل کے چہرے پر

اکتاہٹ کے آثار محبت کی نسبت زیادہ تھے۔ وہ روزی سے کئی کترارہا تھا۔ اس وقت وہ سب روزی کے کمرے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں ایکسٹو کے ٹیلیفون کا انتظار تھا۔

" میسٹر خیال میں جب تک ایکسٹو کا ٹیلیفون آئے۔ میں غسل کر لوں۔" — اچانک عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے۔" — سب نے تائید کی کیونکہ وہ سب بھی بے حد تھکن محسوس کر رہے تھے۔

عمران اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے کپڑے اتار کر ایک کھوٹی پر لٹکائے اور پھر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم بالکل چھوٹا اور تنگ تھا اور پھر اس میں کپڑے لٹکانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے عمران کو کپڑے باہر اتار کر لٹکانے پڑے تھے۔

" میں روزی! — کیا آپ گرم گرم چائے پلا سکتی ہیں؟ — ہ صفدر نے روزی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" ضرور۔ ضرور۔" — مہلا اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔" — روزی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

" کیپٹن شکیل! — مہبتی بڑے خوش قسمت ہو۔" — جواب نہیں۔

ہاں دیار غیر میں ہاتھ مارا ہے۔" — نعمانی نے مسکراتے ہوئے شکیل کو چھیڑا۔
 " چھوڑ دیار! — مفت میں مصیبت لگے پڑ گئی ہے۔" — ویسے ایک بات روزی خامی خوبصورت اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کی نظریں پر دانہ واکیٹن شکیل کا طواف کر رہی تھیں۔ عمران اور باقی سب نمبرز ایک لمحے میں جان گئے تھے کہ روزی کیپٹن شکیل پر مڑی ہے۔ لیکن کیپٹن شکیل کے چہرے پر

یہ یہاں اکیلی رہتی ہے۔" — ہ اس کے والدین کہاں ہیں؟ — ہ صفدر

نے پوچھا۔

والدین بچپن ہی میں مر گئے تھے — دوسروں کے گھر میں پلی اور پھر ملازمت کر لی — یہ مکان اس نے کرائے پر لے رکھا ہے — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

یار! — ایک بات بتاؤ — اب یہ مجھے اپنا پتہ بتلانے پر مجبور کر رہی ہے — اور کہتی ہے کہ میں وہاں تمہارے پاس رہوں گی — میں تو تنگ آ گیا ہوں — کیا کروں —؟ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

کوئی غلط پتہ بتا دو — خود ہی وہاں چکراتی رہے گی اور پھر واپس ہو کر واپس لوٹے آئے گی — صفدر نے جواب دیا۔

ہاں — میں بھی یہی سوچ رہا ہوں — کیپٹن شکیل نے کہا۔
ایک بات کہوں — بڑا لطف رہے گا — اسے تم عمران کے فلیٹ کا پتہ بتلا دو — یہ وہاں پہنچے گی تو عمران اس سے خود نیٹ لے گا — نعمانی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

نہیں — عمران اسے میسج گئے ڈال دے گا — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

نہیں — اکیسٹو کبھی یہ برداشت نہیں کر سکے گا اس لئے عمران کو اس سے پیچھا چھڑانا ہی پڑے گا — پھر ہم جو لیا کو کہہ دیں گے کہ عمران وہاں باقاعدہ شادی کر کے آیا ہے — نعمانی نے جواب دیا۔

ہاں — یہ ٹھیک ہے — عمران صاحب کو بھی مزہ آجائے گا — صفدر نے بھی تائید کر دی۔

ٹھیک ہے — جیسے آپ لوگ کہیں — کیپٹن شکیل بھی مسکرا دیا۔
نہیں — روزی کی کچھ اُمید بندھی۔

اسی لمحے روزی ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کچھ گھبراتی ہوئی اور پریشان تھی۔

کیا بات ہے مس روزی! — آپ کچھ بے چین سی ہیں —؟ صفدر اس کی حالت تاڑ لی۔

کچھ نہیں — کوئی خاص بات نہیں — روزی نے چومکتے ہوئے جواب دیا۔

روزی نے سب کو چائے کی پیالی دی اور پھر عم — ان کے حصے کی پیالی نے علیحدہ رکھ دی۔

شکیل! — ذرا میری بات سنو — روزی نے کیپٹن شکیل سے لب ہو کر کہا۔ اور کیپٹن شکیل بڑا سامنے بنا کر خاموش ہو گیا۔

روزی اور کیپٹن شکیل دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ صفدر اور نعمانی دن ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے گئے۔

شکیل! — میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی — مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ — روزی نے باہر نکلتے ہی اس کے پیچھے پکارتے ہوئے کہا۔

ارے ارے — یہ کیا کر رہی ہو — کیپٹن شکیل نے گھبرا کر پیر کر لئے۔ اور پھر روزی کو کاندھوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ روزی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

پگلی روتی کیوں ہو — میں تمہیں ساتھ تو نہیں لے جاسکتا — تم بے آجانا — میں تمہیں پتہ بتلا دیتا ہوں — کیپٹن شکیل نے

نا سے کہا۔

چلو ایسے ہی سہی — روزی کی کچھ اُمید بندھی۔

کیپٹن شکیل نے بڑی سنجیدگی سے روزی کو عمران کے فلیٹ کا زور سے بجھنے لگی۔

عمران نے ریور اٹھایا۔

پتہ بتلادیا۔

عمران سپیکنگ — عمران نے کہا۔

”تم وہاں مجھ سے شادی کر لینا شکیل — میں ساری عمر تمہاری خدمت کروں گی — تمہیں کبھی ناراض نہیں کروں گی“ — روزی کے سر پر محبت کا جھوٹ بڑی طرح سوار تھا۔

عمران صاحب! — ایک فلائٹ جو ڈائریکٹ ہمارے ملک جا رہی ہے وہ کافی دیر بعد جائے گی اور اس میں اتنی سیٹیں بھی نہیں ہیں کہ ہم سب لوگ جا سکیں ایک اور فلائٹ جو آدھے گھنٹے بعد جا رہی ہے وہ بہت سے مالک کے چکر لگا کر اپاکیشیا جائے گا۔ اس میں سیٹیں مل گئی ہیں وہ میں نے بک کر والی ہیں۔ ویسے یہ فلائٹ بارہ گھنٹے بعد پہنچے گی — دوسری طرف سے بلیک زیرو نے تفصیل سے بتلایا۔

یہ نکر رہو — تم وہاں آ جانا — پھر اس بارے میں بھی سوچیں گے۔ کیپٹن شکیل نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟“ — عمران جو ابھی وہاں آیا تھا اچانک بول پڑا۔

روزی شرمناک جھجک گئی۔ اور کیپٹن شکیل بھی جھینپ گیا۔

”برخوردار! — تم مجھے بالغ ہوتے نظر آ رہے ہو — کیا خیال ہے؟“ — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

اندر چلیں عمران صاحب! — چلتے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ کیپٹن شکیل نے مودت سے بدلتے ہوئے کہا۔

”چلتے تو ٹھنڈی ہو رہی ہے — مگر تم یہاں آ کر کچھ گرم ہوتے جا رہے ہیں — ویسے یہ فلائٹ ڈائریکٹ ہمارے ملک نہیں جا رہی — دو اور ملکوں کا چکر کاٹنا پڑے گا — ڈائریکٹ جانے والی فلائٹ اس کے بعد والی تھی۔ مگر اس کیپٹن شکیل نے جواب نہیں دیا اور وہ جواب دیتا بھی کیا۔ عمران اندر کر —

میں چل دیا۔ کیپٹن شکیل بھی پیچھے تھا۔

کمرے میں پہنچتے ہی مسکراتے ہوئے سب لوگوں نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا۔ عمران کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرنے میں رکھی ہوئی چائے کی پیالی اٹھائی۔ اور چسکیاں لینی شروع کر دیں۔ اچانک پاس پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زو

ٹھیک ہے جناب! — ہمیں فوراً اس ملک سے نکل جانا چاہیے — عمران نے ممبران کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

ٹھیک ہے! — آپ جلدی ایرپورٹ پہنچیں — بلیک زیرو نے کہا اور پھر سسٹم ختم ہو گیا۔

”سیٹیں مل گئی ہیں — اکیٹو نے نہ جانے کیا چکر چلا کر سیٹیں حاصل کر لی ہیں — ویسے یہ فلائٹ ڈائریکٹ ہمارے ملک نہیں جا رہی — دو اور ملکوں کا چکر کاٹنا پڑے گا — ڈائریکٹ جانے والی فلائٹ اس کے بعد والی تھی۔ مگر اس کیپٹن شکیل نے جواب نہیں دیا اور وہ جواب دیتا بھی کیا۔ عمران اندر کر —

میں چل دیا۔ کیپٹن شکیل بھی پیچھے تھا۔

کمرے میں پہنچتے ہی مسکراتے ہوئے سب لوگوں نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا۔ عمران کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرنے میں رکھی ہوئی چائے کی پیالی اٹھائی۔ اور چسکیاں لینی شروع کر دیں۔ اچانک پاس پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زو

”رپورٹ دو“ — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

”سرا! — عمران اور اس کے ساتھی ہماری نظروں میں ہیں — اس وقت وہ اس مکان سے نکل کر ایئرپورٹ کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے مٹھوڑی دیر بعد ایک فلائٹ جانے والی ہے — اور؟ — نمبر الیون نے جواب دیا۔“

”گڈ ب! — کیا انہیں فلائٹ میں سیٹیں مل گئی ہیں — اور؟ —“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب! — اس مکان کا ٹیلیفون چیک کیا گیا تھا — وہاں سے پتہ چلا کہ کسی نامعلوم آدمی نے ان کے لئے چار سیٹیں بک کرائی ہیں۔ ویسے یہ فلائٹ ڈائریکٹ ان کے ملک نہیں جا رہی — یہ فلائٹ چکر کھا کر وہاں پہنچے گی۔ لیکن وہ چونکہ جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہتے ہیں اس لئے وہ اسی فلائٹ سے جانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ — اور؟ —“ نمبر الیون نے تفصیل بتلائی۔

”ٹھیک ہے۔ — انہیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانے دو۔ — میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ — اور؟ —“ فریدی نے طنز یہ لہجے میں جواب دیا۔

”او۔ کے سر۔ — اور؟ —“ نمبر الیون نے جواب دیا۔

”جب ان کی فلائٹ پرواز کر جائے تو مجھے اطلاع دینا — اور اینڈ آ!“ فریدی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

”کیوں حمید! — کیسی رہی —“ عمران نے ایسے عبرتناک شکست کبھی نہیں کھاتی ہوگی“ — فریدی نے مسکراتے ہوئے حمید سے کہا۔

”ہونہہ! — مجھے تو لطف نہیں آیا — یہ کیا بات ہوئی کہ ذہنی طور پر دوسرے کو شکست دی جاتے — میں عمران کی ٹانگیں توڑ دیتا تو مجھے اور

شکریہ ادا کیا اور پھر مکان سے باہر نکل آئے۔

کینپن شکیل نے روزی کو دلا دیا اور اسے اپنے ملک آنے کی تاکید کر کے جان چھڑائی۔ اور پھر وہ سب مکان سے نکل کر وہی دیوار چھاندر میدان میں پہنچے اور وہاں سے جلد ہی انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ جس نے مٹھوڑی دیر بعد انہیں ایئرپورٹ پہنچا دیا۔



فریدی اور حمید ابھی ابھی ریڈیو ہاؤس واپس پہنچے تھے۔ وہ وزیر داخلہ سے مل کر انہیں حالات سے آگاہ کرنے گئے تھے۔

فریدی جیسے ہی ڈرائنگ روم میں پہنچا وہ چونک پڑا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سی سیٹی بج رہی تھی۔ اس نے تیزی سے الماری کھولی اور پھر اس میں رکھا ہوا ایک چھوٹا سا بکس نما ٹرانسمیٹر نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور پھر خود بھی صوفے پر بیٹھ گیا۔ حمید سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

فریدی نے ٹرانسمیٹر آن کیا۔

”ہیلو — ہارڈ سٹون سپیکنگ اور؟ —“ فریدی نے کہا۔

”نمبر الیون سپیکنگ دس اینڈ سر اور؟ —“ دوسری طرف سے نمبر الیون کی آواز سنائی دی۔

زیادہ لطف آتا۔۔۔ حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

براورم!۔۔۔ جو لطف ذہنی طور پر کسی کو شکست دینے میں ہے وہ جسمانی
لڑائی بھڑائی میں نہیں ہے۔۔۔ اور پھر عمران کا اور میرا اصل مقابلہ ذہنی
م تھا۔۔۔ جسمانی نہیں۔۔۔ جسمانی مقابلہ تو چھوٹے درجہ کے جاسوسوں میں ہوتا
ہے۔۔۔ فریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پھر اس سے پہلے کہ حمید کوئی جواب دیتا۔ ٹرانسپیر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی
آواز ابھرنے لگی۔

فریدی نے ٹرانسپیر کا بٹن آن کر دیا۔

"ہیلو!۔۔۔ ہارڈ اسٹون سپیکنگ۔۔۔ اور"۔۔۔ فریدی نے کہا۔

"الیون سر۔۔۔ اور"۔۔۔ دوسری طرف سے نمبر الیون بولا۔

"لیں۔۔۔ اور"۔۔۔ فریدی نے کہا۔

"سر!۔۔۔ عمران اور اس کے ساتھی جس جہاز میں گئے ہیں وہ چند
منٹ پہلے پرواز کر گیا ہے۔۔۔ اور"۔۔۔ نمبر الیون نے کہا۔

"دیری گڈ نمبر الیون!۔۔۔ مجھے اسی بات کا انتظار تھا۔۔۔ اور اینڈ آل۔۔۔
فریدی نے جواب دیا اور پھر بٹن آف کر دیا۔

"اب عمران اپنے ملک پہنچ کر وہ جعلی کاغذات اپنی حکومت کے حوالے بڑے
فخر سے کرے گا۔۔۔ اور پھر وہاں سے جب جواب ملے گا کہ کاغذات جعلی ہیں

تو اس وقت عمران کی حالت قابل دید ہوگی۔۔۔ وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ
فریدی نے مقابلہ ہوا تھا۔۔۔ فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے

ہوئے کہا وہ بے انتہا خوش تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔
حمید نے کبھی اسے اتنا خوش نہ دیکھا تھا۔

"چلو حمید!۔۔۔ اب وہ کاغذات وزارت داخلہ کے سپرد کر آئیں"۔۔۔ فریدی
نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی کیا جلدی ہے۔۔۔ اطمینان سے دے دیں گے"۔۔۔ حمید نے جان
چھڑانے کے لئے کہا۔

"نہیں!۔۔۔ یہ کام اہم ہے۔۔۔ فوراً ہونا چاہیے"۔۔۔ فریدی نے سخت
لہجے میں کہا اور پھر وہ اسیٹ کر اندر خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ حمید بھی اس
کے پیچھے پیچھے خواب گاہ میں آیا۔

فریدی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک گیا۔ وہ چاروں طرف
بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حمید!۔۔۔ یہاں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔۔۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ کچھ
لوگ یہاں موجود رہے ہیں"۔۔۔ فریدی کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ
پریشانی بھی تھی۔

"یہاں کون آسکتا ہے"۔۔۔ حمید نے جواب دیا۔

لیکن فریدی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے پلنگ کے نیچے موجود بٹن
دبایا تو سیف ظاہر ہو گیا۔ اس نے بجلی والا بٹن چیک کیا۔ وہ آن تھا۔ اسے
کچھ اطمینان ہوا۔ اس نے بٹن آف کیا اور پھر جیب سے پانی نکال کر سیف کا
تالا کھولا۔ بیگ بدستور موجود تھا۔

اس نے تیزی سے بیگ نکال کر اس کے تالے کھولے۔ اور پھر جیسے ہی اس نے
بیگ کا ڈھکنا کھولا۔ اس پر بجلی گر پڑی۔ حمید جو اشتیاق آمیز نظروں سے یہ سب
کچھ دیکھ رہا تھا۔ فریدی کا رنگ بدلتے دیکھ کر چونک پڑا۔

"پوٹ ہو گئی حمید!۔۔۔ عمران جل دے گیا ہے۔۔۔ یہ کاغذات جعلی ہیں۔

عمران اصلی کاغذات لے گیا ہے۔ — فریدی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

کیا مطلب — کیا یہ وہ کاغذات ہیں جو آپ نے تیار کئے تھے؟ —
حمید بھی ساری سیکم چوپٹ ہوتے دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

ہاں! — یہ وہی ہیں۔ — فریدی کے لہجے میں بھیڑتیہ جیسی غراہٹ مٹی۔

اس کا مطلب ہے کہ اسے ہماری سیکم کا پتہ چل گیا تھا۔ — حمید بھی سخت پریشان ہو گیا۔

ہاں! — ہم غلط فہمی میں رہے کہ ہماری سیکم کامیاب رہی — لیکن وہ الٹا ہمیں شکست دے گیا ہے۔ — فریدی نے سرو لہجے میں جواب دیا۔
اب کیا ہوگا — حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

فریدی کے چہرے پر غصے کے اتنے شدید آثار تھے کہ حمید کو اس پر نظر میں ڈالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

میں اسے گولی مار کر وہ کاغذات لے آؤں گا۔ — فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ غصے سے بل کھاتا ہوا خواب گاہ سے نکلا اور ڈرائنگ روم میں موجود ٹیلیفون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھا کر نمبر ۱ اٹل کئے، جلد ہی سلسلہ مل گیا۔

ایئر پورٹ انکوائری — دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

کنٹرل فریدی — فریدی بھیڑتیہ کی طرح غرایا۔

ایک تو فریدی کا نام — اور پھر اس کی غراہٹ — آپریٹر غریب بڑی طرح گھبرا گیا۔

یس — یس سر — آ — آرڈر جناب — آپریٹر نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

ابھی ابھی جو فلاٹ گئی ہے وہ پاکیشیا س وقت پہنچے گی۔ — فریدی نے پوچھا۔

بارہ گھنٹے بعد پہنچے گی جناب! — اسے دوسرے ملاک سے ہو کر جانا پڑے گا۔ — آپریٹر نے جواب دیا۔

کوئی ڈائریکٹ فلاٹ بھی جارہی ہے؟ — فریدی نے پوچھا۔

جی ہاں جناب — آپریٹر نے جواب دیا۔

ڈائریکٹ فلاٹ کس وقت جارہی ہے؟ — فریدی نے پوچھا۔

وہ تقریباً چار گھنٹے بعد جائے گی۔ — آپریٹر نے جواب دیا۔

وہ کتنے گھنٹے بعد پاکیشیا پہنچے گی؟ — فریدی نے پوچھا۔

سرا — وہ ساڑھے سات گھنٹے میں پاکیشیا پہنچے گی۔ — آپریٹر نے جواب دیا۔

ہوں! — اس کا مطلب ہے کہ یہ اس فلاٹ سے پہلے پہنچ جائے گی۔ — فریدی نے کہا۔

جی ہاں! — وہ آدھا گھنٹہ پہلے پہنچ جائے گی۔ — آپریٹر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اس درمیان میں کوئی اور فلاٹ بھی جارہی ہے؟ — فریدی نے پوچھا۔

جی ہاں! — دو گھنٹے بعد ایک اور فلاٹ جارہی ہے۔ — لیکن وہ

ڈائریکٹ نہیں جائے گی۔ — وہ اس فلاٹ سے دو گھنٹے بعد پہنچے گی۔ — آپریٹر نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے۔ — ٹھیک یوں — فریدی نے کہا اور پھر سیور رکھ دیا۔

ہم ڈائریکٹ فلائٹ سے جائیں گے — اور عمران کا ایئرپورٹ پر استقبال کریں گے — اور پھر میں اسے اس کے ملک میں گولی مار کر کاغذات لے آؤں گا۔
فریدی نے کہا اور حمید نے سر ہلا دیا۔

اور پھر فریدی ٹرانسپورٹ پر بمباریوں کو ڈائریکٹ فلائٹ پر دو سیٹیں ریزرو کرانے کا حکم دینے میں مصروف ہو گیا۔ اور حمید، عمران کے متعلق سوچ رہا تھا جو کرنل فریدی کو بھی بھل دے گیا تھا۔



جہاز ایئرپورٹ پر اپنی مخصوص جگہ پر رک گیا۔ دروازہ کھلا، سیڑھی لگی اور پھر عمران اور اس کے ساتھی آہستہ آہستہ نیچے اتر آئے۔ بارہ گھنٹے کا طویل سفر تھا۔ دینے والا اتفاقاً لیکن مشن کی کامیابی نے انہیں تھکن کا احساس نہیں ہونے دیا۔

ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی عمران نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر جیب میں رکھے ہوئے کاغذوں کے پلندے کو ہتھ پھپھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”کرنل فریدی اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہوگا — اسے اس سے پہلے اتنی زبردست شکست کا سامنا کبھی نہ کرنا پڑا ہوگا — یہ کہیں اس کی زندگی کا عبرت آموز

کیس بن جاتے گا۔

صفر — نعمانی — اور کیپٹن شکیل تینوں کے چہرے مسرت سے گلزار ہو رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کسٹم سے گزرے اور پھر ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

”آپ سب لوگ اپنے اپنے فلیٹوں کا رخ کریں — میں بھی دراسیلمان کی باکر خبر لوں — وہ میسرے رشتے کی بات پچھا کر رہا تھا۔ — اللہ کرے بات طے ہو چکی ہو“ — عمران نے انہیں کہا۔

”آمین ثم آمین“ — تینوں نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا اور پھر وہ سب علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔

عمران نے ٹیکسی پکڑی اور پھر اسے اپنے فلیٹ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اور ٹیکسی تیزی سے فلیٹ کی طرف دوڑنے لگی۔ لیکن عمران کو اپنے تعاقب میں آنے والی ٹیکسی کا پتہ نہیں تھا جس میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید موجود تھے جو عمران سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی ڈائریکٹ فلائٹ کے ذریعہ پہنچ چکے تھے۔ ٹیکسی عمران کے فلیٹ کے سامنے رک گئی۔ عمران نیچے اتر کر ایہ ادا کیا۔ اور پھر اچھٹا کو دتا اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ فلیٹ کا دروازہ بند تھا۔ اس نے کال بیل پر انگلی رکھی۔ اندر گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ کال بیل دباتے چلا گیا۔

پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے سیلمان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے اور جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن عمران کو دیکھتے ہی اس کے تمام آثار غائب ہو گئے۔

”شکر ہے — آپ آ تو گئے — قرض داروں نے میری جان کھا رکھی تھی۔“
سیلمان نے شکوہ شروع کر دیا۔

"ذرا دم تو لے لینے دو۔ آتے ہی کسی بیوی کی طرح آٹے وال کا شکوہ شروع کر دیا۔" عمران نے اندر داخل ہو کر کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ سلیمان کوئی جواب دیتا۔ دروازے پر فریدی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالت تھا۔

"عمران"۔ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

اور عمران جس کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ اسے فریدی کو دہاں دیکھ کر سخت حیرت ہوئی تھی۔

"تم شرافت سے وہ کاغذات میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں گولی مارنے میں بھی دریغ نہیں کروں گا۔" فریدی غرایا۔

کر نل فریدی!۔ آپ کو یاد ہیں وہ الفاظ۔ جو آپ نے اپنی کوٹھی میں مجھے کہے تھے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے؟۔ عمران نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

کیٹن حمید سلیمان کو کور کئے کھڑا تھا۔

اور پھر فریدی نے گولی چلا دی۔ لیکن عمران جس کی نظریں فریدی کے ریوالت پر جمی ہوئی تھیں برق کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور گولی اسے چھو بھی نہ سکی۔

"تم جانتے ہو فریدی!۔ کہ میں سنگ آرٹ کا ماہر ہوں۔ پھر خواہ مخواہ گولیاں ضائع کر رہے ہو۔" عمران نے رکتے ہی کہا۔

فریدی نے ریوالت جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ کسی چیتے کی طرح عمران پر جھپٹنے کے لئے تیار تھا۔

اور پھر وہ سبھی لمحے فریدی نے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران نے ٹوچ

دینا چاہا مگر وہ فریدی کو ڈاج نہ دے سکا اور فریدی اسے لیتا ہوا فرش پر جا گرا۔

لیکن گرتے ہی عمران کی وٹ بدل گیا۔ پھر وہ فریدی کے پیٹ میں لیٹے ہی لیٹے ایک گھٹنا مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ گھٹنا مارنے کا یہ نائنڈ ہوا کہ وہ فریدی سے پہلے اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فریدی کے منہ پر چھو کر مارنی چاہی مگر فریدی نے اس کی ٹانگ گھسیٹ لی اور عمران بھی نیچے جا گرا۔

پھر دونوں اکٹھے ہی اٹھے۔ فریدی نے کھڑی بھینلی کا وار کیا مگر عمران نے مقابلے میں کراٹھے کا وار کیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے عمران فریدی کو گرانے کی کوشش کر رہا تھا اور فریدی عمران کو گرانے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ مگر دونوں ہی اپنی جگہ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

پھر اچانک ہی فریدی نے اڑنگی ماری اور عمران نیچے کی طرف جھکا۔ اوپر سے فریدی نے اس کی کمر پر دو ہتھ مار دیا۔ مگر فریدی کی کمر میں عمران کے ہاتھ پڑ چکے تھے۔ اور فریدی اس کے اوپر سے ہوتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

نیچے جھکنے سے عمران کی جیب سے کاغذات کا پلندہ نکل کر فرش پر بکھر گیا۔ اور یہ لمحہ جہاں عمران کے لئے شدید حیرت کا تھا وہاں فریدی بھی حیرت سے کس ہو گیا۔

کاغذات کے پلندے کے صرف اوپر اور نیچے والے دو ورق اصل تھے باقی سب سفید کاغذ تھے۔ کاغذ فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور عمران انہیں یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کاغذ ابھی اچھل کر اس کے منہ پر پھٹ پڑیں گے۔

وہ خود دھوکہ کھا چکا تھا۔ کسی نے بڑی ہوشیاری سے اوپر اور نیچے کے دو کاغذ رہنے دیئے تھے۔ اور باقی کاغذات نکال کر سفید کاغذ رکھ دیئے تھے۔ کرنل فریدی اور عمران دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر عمران مسکرا دیا۔

”نوجی کرنل صاحب! — آپ اسٹالیں اصلی کاغذات“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب“ — فریدی ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا۔

”مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی آلو بنایا گیا ہے — اور کاغذات کوئی اور پارٹی لے اڑی ہے“ — عمران نے جواب دیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے“ — فریدی چونک پڑا۔ لیکن سامنے پڑے ہوئے سفید کاغذ اس کا منہ چرل رہے تھے۔ دو عظیم جاسوس — دو فرسین ترین انسان دھوکہ کھا چکے تھے۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید جو اس سچویشن کو دیکھ کر خود گھبرا گیا تھا اور اس نے ریوالر جیب میں ڈال دیا، نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر ٹیلیگراف منیجر ہاتھ میں ٹیلیگرام لئے کھڑا تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ سے ٹیلیگرام لے لیا۔ عمران نے آگے بڑھ کر ٹیلیگرام لیا۔ لیکن اچانک فریدی نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

”آپ ہی پہلے پڑھ لیں — میرے سسرال والوں کا تار ہوگا“ — عمران نے بانک لگائی۔

”میں فلاسٹ نمبر ۱۱۳ سے کاغذات لے کر آرہی ہوں“ — روزی۔

عمران بھی تار پڑھ چکا تھا۔

فریدی نے تار وہیں چھینکی — اور پھر حمید کا بازو پکڑ کر برق رفتاری سے نیچے فلیٹ کی سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

عمران نے ایک بار پھر تار پڑھی اور پھر وہ بھی سب کچھ سمجھ چکا تھا پھر وہ فریدی کے پیچھے تیزی سے اترتا چلا گیا۔



روزی جب پلے بننے لگی تھی تو اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ سیکم آئی تھی اور اس نے اس سیکم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سننے کے بعد اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ عمران کی جیب میں رکھے ہوئے کاغذات بہت اہم ہیں۔

روزی نے سوچا تھا کہ سکیں اسے وہاں جا کر بھول نہ جائے اور جب میں اس کے پیچھے جاؤں تو وہ مجھے دھتکار دے۔ چنانچہ اس نے اس وقت عمران کی جیب سے وہ کاغذات نکال لئے اور پھر اوپر اور نیچے کے دو کاغذات رہنے دیئے اور درمیان میں اتنے ہی حجم کے سادہ کاغذ رکھ کر دوبارہ عمران کی جیب میں رکھ دیئے۔

اب وہ فلاسٹ میں بیٹھی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اس

کے بیگ میں وہ کاغذات محفوظ تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب ان کاغذات کے زور پر میں شکیل کی مجبور کر دوں گی کہ وہ مجھ سے شادی کر لے اور اسے شادی کرنی پڑے گی۔

جہاز آسمان کی وسعتوں کو چیرتا ہوا پاکیشیا کی طرف بڑھ رہا تھا روزی نے عمران والی فلائٹ کے بعد والی دوسری فلائٹ سے ہی سیٹ بک کرالی تھی۔ پاسپورٹ اس کے پاس پہلے ہی تھا اور ویزے کی ان دونوں ملکوں کے درمیان پابندی ہی نہیں تھی۔

اچانک جہاز کو جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ اور پھر یہ جھٹکے متواتر زوردار لگنے لگے۔

”کیا ہوا۔۔۔؟ جہاز کو کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟“ سب مسافروں نے سخت پریشانی سے ایئر ہوٹس سے پوچھا۔

”ہمارا جہاز زبردست طوفان میں پھنس گیا ہے۔۔۔ ایئر ہوٹس نے پریشان لہجے میں کہا۔

اور مسافروں کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی۔ اسی لمحے ایک زوردار کڑا کا ہوا۔۔۔ اور روزی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔

جہاز پر شاید سبھی گر گئی تھی اور در سے ہی لمحے جہاز ایک جھٹکا ہوا شعلہ بنائے میں پر گر رہا تھا۔۔۔ سب کچھ جل رہا تھا۔۔۔ پورے جہاز کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

ایئر پورٹ پر کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور عمران موجود تھے۔ عمران نے فون کر کے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا تھا۔ وہ سب روزی کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر جب لاؤڈ سپیکر پر یہ اندوہناک اطلاع دی گئی کہ فلائٹ نمبر ۱۱۳ کا جہاز جو جلد ہی پاکیشیا پہنچنے والا تھا۔ طوفان میں پھنس کر یہاں سے دو سو میل دور تباہ ہو گیا ہے۔۔۔ خیال ہے کہ اس پر بجلی گری ہے۔۔۔ پورا جہاز جل گیا ہے۔۔۔ اب سوائے راکھ کے اور کچھ نہیں بچا۔۔۔ تو عمران اور فریدی پر بھی بجلی گر پڑی۔

ڈاگ ریز کا خونی نارمولا بھی جہاز کے ساتھ ہی راکھ بن چکا تھا۔ عمران آگے بڑھا اور فریدی سے کہنے لگا۔

”مجھے افسوس ہے فریدی صاحب!۔۔۔ ڈاگ ریز کے فارمولے کے صرف دو کاغذ ہی رہ گئے ہیں۔۔۔ مہرے خیال میں صلح کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ایک کاغذ آپ رکھ لیں اور ایک میں رکھ لوں۔“ عمران نے کہا اور فریدی نے مسکرا کر عمران کو گلے لگا لیا۔

”عمران!۔۔۔ ویسے یہ ہم دونوں کی زندگی کا یادگار کیس ہے“۔۔۔ فریدی
نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔
”جی ہاں!۔۔۔ جس میں نہ آپ جیتے اور نہ میں ہارا“۔۔۔ عمران نے
ہانک لگائی۔

اور پھر وہ سب منہ ہٹے ہوئے ایئر پورٹ سے باہر آ گئے۔

ختم شد

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور منفرد انداز کی کہانی

عمران کا اغوا

مصنف۔۔۔ منظر کلیم ایم اے

عمران کو اس کے فلیٹ سے اغوا کر لیا گیا۔۔۔ کیوں۔۔۔ کس لئے۔۔۔؟
عمران جو زندگی میں پہلی بار انتہائی بے بسی کے عالم میں مسلسل ایک
ہم سے دوسری تنظیم کے ہاتھوں اغوا ہوتا رہا۔ کیا وہ واقعی بے بس تھا؟
پاکیشیا سیکرٹ سروس۔۔۔ جو عمران کی تلاش میں مسلسل جگہ جگہ دھکے
ماتی رہی لیکن عمران کو تلاش نہ کر سکی۔۔۔ کیوں۔۔۔؟

جوزف۔۔۔ جس نے اپنی پراسرار صلاحیتوں سے آخر کار عمران کو تلاش کر
لیا۔۔۔ کیسے۔۔۔ انتہائی دلچسپ پچویشن۔۔۔

○ مادام سوسن بلیک شیڈو کی چیف۔ جس نے عمران کو اپنے قبضے میں رکھنے
کیلئے ہمیشہ کیلئے اسے ٹانگوں سے معذور کر دیا۔ کیا واقعی عمران معذور ہو گیا
○ وہ لمحہ۔۔۔ جب عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو یقین ہو گیا کہ اب
عمران کبھی اپنے قدموں پر نہ کھڑا ہو سکے گا۔ پھر کیا ہوا۔۔۔؟ انتہائی حیرت انگیز
اور دلچسپ پچویشن۔ کیا عمران اپنی معذوری کا کوئی علاج کر سکا یا ہمیشہ کے لئے
فیلڈ سے غائب ہو گیا۔۔۔؟

○ عمران کے اغوا کا اصل مقصد کیا تھا اور کیا عمران کو اغوا کرنے والے اپنے
مقصد میں کامیاب بھی ہو سکے یا۔۔۔؟ انتہائی دلچسپ اور منفرد انداز کی کہانی۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان